تحفۂ کربلا

''یادگار زمانہ حزنیۂ کربلا''

سراج المحققین حضرت مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہری

ناشر

اسلامی ادب للہ پورہ فاطمان، بنارس

۱۔ قرآن پاک:۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ترجمہ:۔ "اچھا تو اے محبوب! اللہ تعالیٰ بہت جلد آپ کے معاملہ میں ان دشمنوں سے نبٹ لیں گے کیونکہ وہ تو سب کچھ سنتے سب کچھ جانتے ہیں"۔

مطلب:۔ چونکہ حضرت عثمانؓ شہادت کے وقت اسی آیت تک تلاوت کرنے پائے تھے اور آپ کا خون اسی آیت پر گرا تھا اس سے اشارہ یہ نکلا کہ شہادت عثمانؓ کے بعد کی خونریزی حق تعالیٰ کی طرف سے گویا "انتقام" تھی۔

۲۔ حدیث شریف:۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک کافر قریشی کو باندھکر قتل کرایا اسکے بعد فرمایا آج کے بعد سے کوئی قریشی باندھکر قتل نہ کیا جائے بجز اس شخص کے جو عثمان بن عفان کو شہید کرے۔ دیکھو اگر ایسا نہ کروگے تو (یاد رکھنا) پھر تم لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیئے جاؤ گے۔

(جمع الفوائد بحوالہ معجم اوسط طبرانی) منقبت عثمان)

۳۔ اثر:۔

(حضرت عثمانؓ کے زمانۂ محصوری میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ ملنے آئے آپ نے فرمایا زرا ان مفسدین کو سمجھاؤ تو انھوں نے مفسدین سے کہا)

"۔۔۔ گزشتہ امتوں میں اگر کبھی کسی نبی کو شہید کیا گیا ہے تو ہمیشہ اسکی سزا میں ستر ہزار جنگجو مرد قتل کیے گئے اور اگر کبھی کسی خلیفۂ نبی کو شہید کیا گیا ہے تو اسکی سزا میں پینتیس ہزار جنگجو مرد قتل کیے گئے۔ لوگو! ان بزرگ (عثمان) کے شہید کرنے میں جلدی نہ کرو (ورنہ اس کا وبال پڑ کر رہے گا) ۔۔۔۔۔۔ باپ کا لڑکے پر جیسا حق ہوتا ہے ویسا ہی حق انکا بھی تم پر ہے"۔

(جمع الفوائد بحوالہ معجم کبیر طبرانی باب مناقب عثمان)

حضرات علیؓ وآل علیؓ کی تاریخہائے وفات وشہادت

۱- حضرت سیدنا علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ	شہادت	۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ	قاتل ابن ملجم خارجی	بعہد علوی
۲- " حسن رضی اللہ عنہ	"	ربیع الاول سنہ ۴۹ھ	" جعدہ خارجیہ	بعہد بنوامیہ
۳- " " حسین " "	"	۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ	" شمر خارجی	" "
۴- " " علی زین العابدین	" زہر سے	سنہ ۹۴ھ	——	بعہد ولید اموی
۵- " " محمد باقر "	وفات یا شہادت	سنہ ۱۱۷ھ	——	" ہشام اموی
۶- " " جعفر صادق "	شہادت	سنہ ۱۴۸ھ	——	منصور دوانیقی عباسی
۷- " " موسیٰ کاظم "	وفات	۲۵ رجب سنہ ۱۸۳ھ	——	——
۸- " " علی رضا "	شہادت زہر سے	رمضان سنہ ۲۰۳ھ	——	بعہد مامون عباسی
۹- " " تقی "	شہادت	ذیحجہ سنہ ۲۲۰ھ	——	" معتصم عباسی
۱۰- " " نقی "	"	جمادی ثانیہ سنہ ۲۵۴ھ	——	" متوکل عباسی
۱۱- " " حسن عسکری "	"	ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ	——	" معتمد عباسی

چند اہم واقعات اور انکی تاریخیں

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ	۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ	مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء
جنگ جمل	جمادی اولیٰ ۳۶ھ	" اکتوبر ۶۵۶ء
جنگ صفین	یکم صفر ۳۷ھ	" جون ۶۵۷ء
صلح علیؓ معاویہؓ	رجب ۴۰ھ	" اکتوبر ۶۶۰ء
شہادت علی رضی اللہ عنہ	۱۷ رمضان ۴۰ھ	" دسمبر ۶۶۰ء
صلح حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما	ربیع الاول ۴۱ھ	" جون ۶۶۱ء
شہادت حسن رضی اللہ عنہ	ربیع اول ۵۰ھ	مارچ ۶۶۹ء
وفات معاویہ رضی اللہ عنہ	۲۶ رجب ۶۰ھ	۳ مئی ۶۸۱ء
تخت نشینی یزید	۲۸ رجب ۶۰ھ	مطابق ۵ مئی ۶۸۱ء
سیدنا ابن زبیرؓ کا دعوائے خلافت	" "	" "
یزید کا فرمان دوبارہ بیعت کیلئے بنام عمال	۴ شعبان ۶۰ھ	" ۱۱ مئی ۶۸۱ء
حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ کی روانگی مکہ	۷ " "	" ۱۴ مئی ۶۸۱ء
حضرت مسلمؓ کا کوفہ جانا	ذیقعدہ ۶۰ھ	" جولائی ۶۸۱ء
حضرت مسلمؓ کی شہادت	۳ ذی الحجہ	" اگست ۶۸۱ء
حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ	"	" " "
حضرت حسین کی آمد کربلا	۲ محرم ۶۱ھ	" ۲۰ ستمبر ۶۸۱ء
شہادت حسینؓ	۱۰ محرم ۶۱ھ	" ۲۸ ستمبر ۶۸۱ء

فہرست مضامین

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

الحمد للہ رب العالمین وسلام علی المرسلین وعلیٰ سیدنا خاتم النبیین

والذین اتبعوھم باحسان الیٰ یوم الدین صلی اللہ علیہ وعلیھم اجمعین۔

(۱) مولف کتاب ہذا عرصہ سے محسوس کر رہا تھا کہ واقعہ کربلا ۔۔۔۔ اور اسکے اسباب پر عام سفیہانہ نظریات، مروجہ مگر حقیقت سے دور واقعات، عام سطحی جذبات اور رجحانات کے دباؤ سے الگ ہو کر سنی عوام اور متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے ایک کتاب ایسی ہونی چاہیئے جس میں ذکر مصائب حسینؓ اور مظالم ابن زیاد پر زور دینے کی بجائے اس واقعہ فاجعہ کے سیاسی۔ عمرانی۔ ذہنی۔ تاریخی اسباب سے نقلِ صحیح اور عقل سلیم کی روشنی میں بحث کیجائے اور اس سلسلہ میں جو دوسرے مباحث اور انکے دور رس گوشے ذہن میں پیدا ہو کر اہل اسلام کی صحت ایمانی کو تباہ کرتے رہتے ہیں اُن پر بھی صحیح اہلسنت کے مسلک کے مطابق سیر حاصل بحث کی جائے مگر کچھ تو اپنی علمی بے مائگی کے باعث اور کچھ طعن خلایق کے اندیشہ کے باعث اس خارزار میں پڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اتفاق سے ماضیٔ قریب میں دو مضامین (ایک "واقعۂ کربلا" رسالہ الفرقان لکھنؤ

بابت ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ مع تتمہ مضمون محرم ۱۳۷۶ھ اور دوسرے ایک کتاب خلافت معاویہ ویزید مصنفہ محمود احمد عباسی اس موضوع پر نہایت عمدہ نکلے اگرچہ ان میں بھی بہت سی غلط فہمیوں کو تاریخ واستدلال کی روشنی میں دور کرنے کی سعی مشکور کی گئی ہے تاہم میرے نزدیک ان میں بھی بعض باتیں واضح نہیں تھیں۔ اور میرے نقطۂ نظر سے ان مضامین پر بھی ترقی کی کافی گنجائش باقی تھی۔

اصل یہ ہے کہ ملک میں ضرورت بھی ایسے مضامین اور کتب کے برابر ہی نکلتے رہنے کی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو سال کے سال تعزیے اور عَلَم کے بُت اور روافض تو روافض خود سنّی اہل علم کے بھی زہریلے منظوم ومنثور بیانات امتِ مسلمہ مرحومہ کے عقائد اور عمل کو تباہ کرتے جارہے ہیں اور دوسری طرف علمائے حق کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ بدعات محرم کے رد میں جو اُمّ البدعات کہی جانیکی مستحق ہے کئی کئی سال بھی کوئی تحریر یا تقریر نہیں لکھتے تو بھلا برسہا برس کے اس زہر کے مقابلے میں یہ دو تین مضامین کس طرح کافی ہوسکتے ہیں؟ اس لئے میں نے بھی اللہ کا نام لیکر اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ مجھے اس خارزار سے اس طرح گذار دے کہ میرا دامن ایمانی تارتار ہونے سے محفوظ رہے اور اس تحریر کو خود میرے حق میں اور قارئین کرام کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائے

اَللّٰھُمَّ اجعلہ لنا اجرا وذخرا ولا تجعلہ لنا وزراً وخُسرًا آمین بالنبی الامین۔

(۲) واعظین اور مولفین کی اس معاملہ میں عام روش یہ ہے کہ جب اس سانحۂ فاجعہ کا سبب تلاش کرنے اٹھیں گے تو یا تو اسکا دامن حضرات علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کی سیاسی کشمکش سے باندھ دینگے یا اگر کسی کی زیادہ کوشش ہوئی تو پھر ذرا اور اوپر لیجاکر اسے ہاشم اور امیہ پسران عبد مناف کی باہمی چشمک کا نتیجہ بتادینگے اور اپنی جگہ خوش

اور مطمئن ہو جائینگے کہ انھوں نے محض واقعہ کربلا کے ذکر پر اکتفا نہیں کی بلکہ واقعات کے سلسلہ اسباب کی ایک گمشدہ کڑی بھی ڈھونڈھ نکالی اور تاریخ نگاری کا حق ادا کر دیا۔ حالانکہ ان دونوں اسباب میں سے کوئی ایک سبب بھی واقعہ کربلا کا حقیقی سبب نہیں، اور نہ کوئی مسلمان شخص اس واقعہ میں اور دیگر واقعات سابقہ میں کوئی منطقی ربط کبھی پا سکتا ہے۔

اس واقعہ کے اسباب کی جڑیں دراصل بہت گہری اور دور رس ہیں شہادت فاروقی کی پیشینگوئی کیساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے لسانِ نبوت کے ذریعہ دین کی حفاظت کے جس دروازہ کے ٹوٹنے کی اور جس عظیم الشان ام الفتن کے گھس آنے کی اطلاع امت کو دی تھی اسکے پیش نظر امت کو لازم یہ تھا کہ خلافت عثمانی کے وقت سے امت کے ہر فتنے، ملک کے ہر بلوے اور مسلمانوں کی ہر آویزش کا سبب اِسی اور صرف اسی ام الفتن کو سمجھتے بلکہ حزم اور احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو واقعہ اس ام الفتن کے سبب سے نہ بھی ہوتا اسمیں بھی پہلا شبہہ اسی پر کرتے۔ اور اس سے بہت ہوشیار رہتے۔ مگر امت نے کیا تو یہ کیا کہ واقعہ کربلا کے (اور شاید ہر واقعہ کے) سمجھنے اور بیان کرنے میں، اسی واقعہ کو نظر انداز کرتے، بلکہ بعض اوقات اسی پر اعتماد کرتے اور اسی کو اپنی قوت سمجھتے رہے۔ اور اگر کسی نے واقعہ کربلا کے پس منظر میں اس ام الفتن پر نظر ڈالی بھی ہے تو محض ایک کم تاثیر عامل کی حیثیت سے ڈالی ہے۔ حالانکہ یہ تحریک ہر فتنہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے گویا ریڑھ کی ہڈی، قلب کی حرکت اور خشت اول سمجھی جانے کی مستحق تھی جیسا فصل دوٗم سے ظاہر ہوگا۔

(۳) یہ کتاب عام مسلمانان اہلسنت والجماعت کے عقائد وعمل متعلقہ واقعات کربلا کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ہے کیونکہ آج ۹۹ فیصدی سنی جہل، تقلید آبا، شہرت عامہ

کے باعث بالکل روافض کی بولی بولنے لگے ہیں۔ سنی عوام تو عوام بعض اہل علم اور اہل قلم بھی ایک طرف تو حضرات علی، فاطمہ، حسین رضی اللہ عنہم کو معصوم اور تمام صحابہ سے بالاتر سمجھنے لگے ہیں، اور ان کے ہر فعل کو گویا وحیٔ خداوندی کی تعمیل ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ نہایت بیباکی اور آزادی سے بلکہ تحقیر اور الزامات کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اور یہودیوں سبائیوں کی کوشش ان محرمی نمائشوں اور تعزیوں، ڈھول تاشوں سے بھی یہی رہتی ہے اس لئے آپ اس کتاب میں الزامی طرز بیان اور الزامی جوابات زیادہ پائیں گے۔ کیونکہ صحابہ کے دامن تقدس کو الزامات سے بچانا مولف کا اولین مقصد ہے۔

مولف کا تجربہ ہے کہ ایسے حالات میں سنجیدہ علمی تحریر عام لوگوں کو زیادہ مفید نہیں ہوتی بلکہ الزامی طرز اور مناظرانہ رنگ کی تحریر ہی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اور اہل علم ونظر جانتے ہیں کہ الزامی طرز تحریر اگرچہ بظاہر کسی شخصیت زیر بحث کے خلاف معلوم ہوتی ہے مگر اس سے اس شخصیت کی تنقیص واہانت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ "تم لوگ جنکو برا سمجھتے اور کہتے ہو انکی برائی کرنا چھوڑدو۔ اس لئے کہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ تمھارے معتقد فیہم میں بھی تو فلاں فلاں کمزوریاں ہیں تو جس طرح تم پسند نہیں کرتے کہ تمھارے معتقد فیہم کے بارے میں کوئی شخص کچھ کہے اسی طرح تم بھی دوسری محترم شخصیتوں کے متعلق زبان بند رکھو" ان حضرات کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اگر خاندان رسول کو آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت اور اتباع کے باعث شرف حاصل ہوا ہے تو یہی چیز تو تمام صحابہ میں مشترک طور پر موجود ہے۔ بلکہ بعض میں تو یہ شرف تمام خاندان رسول سے بھی بڑھکر ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں کہ انکی چار پشت صحابی ہے۔ حضرات ابو قحافہ عثمان ؓ - ابوبکر صدیق ؓ - عبدالرحمن ابن

ابی بکر۔ محمد ابو عتیق ابن عبد الرحمان رضی اللہ عنہم۔ لیکن اگر حضورؐ کے اتباع اور شرف صحبت کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ صرف حضورؐ سے قرب نسب کا خیال کیا جائے تو پھر تو شاید ابولہب اور ابوجہل بھی ان کے نزدیک قابل تعظیم ہونگے۔

بعض صحابہ کو معصوم اور بعض کو مطعون و ملوم بیان کرنے کی ایک مثال عبرت و بصیرت کے لئے لکھتا ہوں۔ ایک مشہور مصنف اس بات کی توجیہہ میں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ۳ یا ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوفہ کو کیوں روانہ ہوئے اور آپ نے حج کیوں چھوڑ دیا رقم طراز ہیں۔

"اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت ۔۔۔ کو اندیشہ تھا کہ حج کے فوراً بعد اموی حکام انکو گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ حرم کی مقدس سرزمین فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنے۔ دوسرا جواب جو میرے ذہن میں آیا ہے، یہ ہے کہ حج بہر حال ایک انفرادی معاملہ ہے اور خلافت مسلمانوں کا ایک اہم ترین مسئلہ۔ مسئلہ خلافت کے صحیح حل پر پورے اسلامی نظام کے قیام کا دار و مدار ہے۔ حضرت ۔۔۔۔ اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ اگر وہ مکہ معظمہ میں حج کے لئے ٹھہر جاتے تو بیشک انکو یہ سعادت حاصل ہو جاتی مگر اموی امیر الحج کی قیادت میں انھیں حج کے فرائض ادا کرنے پڑتے اور بالواسطہ یزید کی امارت قبول کرنی پڑتی۔ اس طرح حکومت فاسقہ کے انکار اور خلافت راشدہ کے احیاء کا جو نقشہ اپنے دماغ میں لیکر وہ اٹھے تھے پارہ پارہ ہو جاتا۔ اس واقعہ کی نوعیت قریب قریب وہی ہے جو رسول کریمؐ کی تدفین سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی ہے۔ یہاں بھی صحابہ کرامؓ نے جب منافقوں کو فتنہ کا جال پھیلاتے

ہوئے دیکھا تو انھوں نے فوراً اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور مسئلہ خلافت کو طے
کرکے اسلام کے جماعتی نظام کی شیرازہ بندی کرنا سب سے اہم سمجھا یہاں
تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین پر بھی اسے مقدم رکھا۔"
(رسالہ الحرم میرٹھ شہید کربلا نمبر بابتہ اگست ۱۹۵۶ء ص ۶۵-۶۶)

مصنف نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت کے بعد "امام" کا لفظ عموماً لکھا ہے یں چونکہ خانوادۂ نبوت کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت غلط سمجھتا ہوں اس لئے میں نے اسکو نقل بھی نہیں کیا۔ بلکہ اس جگہ نقطے لگا دیئے ہیں [اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام مستند مگر بھولے عالموں کی اس غلطی کو معاف فرمائے جو بے خبری میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بے تحاشا 'امام' اور 'علیہ السلام' لکھتے چلے آئے ہیں۔ وجہ آگے آرہی ہے] اس کے بعد، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حج نہ کرنے کی جو توجیہ عام تھی تو وہ خیر پھر بھی کچھ قرینہ کی تھی، حالانکہ قابل اعتراض وہ بھی ہے کہ نہ معلوم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی کو بالواسطہ یزید کی امارت قبول کرنیکا اندیشہ کیوں تھا حالانکہ بہت سے صحابی حرمین میں تھے اور کسی کو اسکا اندیشہ نہ ہوا۔ پھر اگر اموی حکام واقعیٗ آپکو سرزمین حرم میں گرفتار کرتے یا بالفرض شہید کرتے تو اس میں گنہ گار وہ ہوتے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر اسکا الزام کیوں آتا۔ آپ کو شہادت کا درجہ ملجاتا۔ دوسرے جب آنحضرت کا ارشاد عام" صلوا خلف کل بر و فاجر " موجود تھا تو یزید کے حکام کی ماتحتی میں حج کر لینے میں حرج ہی کیا تھا۔ محض حج کر لینے سے یزید کی بیعت بھی کیوں مستلزم ہو جاتی؟ اس کے علاوہ حج کے عام اجتماع میں آپ اپنی دعوت یزید کے خلاف مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے تو شاید آپ کی کامیابی کے لئے یہ صورت زیادہ صحیح ہوتی۔ ان سب سے بڑھکر حج محض انفرادی معاملہ ہی نہیں تھا بلکہ اسمیں اجتماعی فائدہ بھی بہت بڑا ہے۔ عرفات

منیٰ کی تاریخیں اور خاص مقاماتِ قبولیتِ دعاء کی چیزیں بھی تھیں۔ اگر سیدنا حسین خلافت کا کام اللہ کے لئے کرنا چاہتے تھے تو اس کے لئے دعاء و انابت، تضرع اور ابتہال الی اللہ کی اسی قدر زیادہ ضرورت بھی تھی۔ اس کام کے لئے اگر سیدنا حسینؓ اپنی ہر آنی و ہر مکانی دعاؤں کے ساتھ، عرفات۔ مزدلفہ۔ منیٰ کی مقبول دعاؤں کا اضافہ بھی فرما لیتے اور اپنی ذاتی تقدس کی دعاء کے ساتھ عام مسلمانوں کی دعاؤں کو بھی ملا کر حق تعالیٰ سے اپنی کامیابی کے لئے دعاء فرماتے تو (بمقابلہ کوفہ کے سفر کے اور کوفیوں پر اعتماد کے) وہ ان کے لئے زیادہ مفید مطلب ہوتی۔ لیکن مصنف نے سیدنا حسینؓ کے حج چھوڑنے کی جو توجیہہ خود اپنے دماغ سے کی ہے اب ذرا اس کا حال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت ابوبکرؓ و عمرؓ وغیرہ عام صحابہؓ نے جو حضور کے جسد مبارک کے پاس تھے جب یہ سنا کہ ایک طرف انصار اپنے سقیفہ میں اپنی امارت و خلافت کے منصوبے بنا رہے ہیں اور دوسری طرف علیؓ تمام ہاشمیوں کو لیکر بیت فاطمہ میں جمع ہیں اور اپنے کو خلیفۂ اول بنانے اور رسم عجم (یعنی ہرقل کے بعد اس کے خاندان ہی سے دوسرا ہرقل اور کسریٰ کے بعد اسکا دوسرا وارث کسریٰ) اسلام میں بھی جاری کرنے کی فکر میں ہیں۔ اسوقت صحابہؓ نے اس انتشار کو قبل از وقت ختم کرنے کے لئے خلافت کا مسئلہ جلد از جلد طے کرنا چاہا تھا۔ یہ تو ہے تاریخی واقعہ، اس کے متعلق مصنف مذکور لکھتے ہیں کہ "جب منافقوں کو فتنہ کا جال پھیلاتے دیکھا" معلوم نہیں یہاں مصنف نے منافق کسکو کہا ہے، اگر اہل سقیفہ کو کہا ہے تو غلطی کی کیونکہ وہ کامل الایمان مخلص انصار تھے اور اگر بیت فاطمہ میں جمع ہونے والے ہاشمیوں کو کہا ہے تو اس سے بڑھکر غلطی کی ہے کیونکہ وہ مہاجرین اولین اور مخلصین تھے۔ لیکن اگر شاید مصنف

خلافت کے مسئلہ کو تدفین رسول پر مقدم کرنا کسی منافق یہودی کیوجہ سے تھا تو پھر یہ تاریخ اسلامی کا ایسا گم شدہ ورق ہے جس کے انکشاف کا سہرا مصنف مذکور کے سر ہے اور ہونا چاہیئے۔ تاہم اسکو بحوالۂ تاریخ لکھنا چاہیئے تھا تاکہ ہم عوام کی اس سے واقفیت بڑھتی

(۲) خلافت ابو بکرؓ وہ چیز ہے، جس کے متعلق مسلم کی حدیث میں ہے "ویابی اللہ والمومنون الا ابا بکر" لفظ یابی اللہ سے اشارہ اسکا بھی نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ کو حق تعالیٰ نے خلافت ابی بکر کی اطلاع یا حکم دیدیا تھا۔ اس کے علاوہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک ایک عورت کو حکم دیا کہ مجھکو نہ پاؤ تو ابو بکرؓ کے پاس آنا۔ اسکے علاوہ حضورؐ نے نماز میں ابو بکرؓ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا جس سے صحابہؓ نے استدلال کیا تھا (اور کون کہہ سکتا ہے کہ استخلاف نماز بغیر ایماء وایحاء خداوندی کے رہا ہوگا) تو مصنف ایسی واضح اور متفق علیہ چیز کے برابر بنا دینا چاہتے ہیں سیدنا حسینؓ کی اجتہادی روانگی کوفہ کو۔ حالانکہ اس سے متعدد صحابہؓ نے آپکو منع کیا تھا۔ یہ ہے نمونہ اسکا کہ کچھ لوگ ایک جماعت صحابہؓ کے ہر فعل کو ایک معصوم کا عمل اور وحیٔ خداوندی کا امتثال سمجھتے ہیں اور دوسری جماعت صحابہؓ کا ذکر بیباکی سے کرتے ہیں۔

(۴) مولف مناسب سمجھتا ہے کہ یہاں اپنے بعض عقائد و عمل کو بھی درج کردے تاکہ قارئین کو پہلے ہی سے اسکا زاویۂ نگاہ معلوم رہے اور اس کتاب کے سمجھنے میں آسانی ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور چونکہ مولف اپنے ان عقائد و عمل کو کتاب و سنت سے حاصل شدہ یقین کرتا ہے اس لئے قارئین کو بھی نہایت لجاجت سے وصیت کرتا ہے کہ وہ بھی کسی عالم متبع سنت سے مشورہ کرکے انھیں عقائد و اعمال کے پیرو اور پابند بن جائیں۔

(۱) مولف شیخین رضی اللہ عنہما کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تمام انبیاء و مرسلین کے بعد تمام اولین و آخرین سے خاصکر حضرات علی و حسنین رضی اللہ عنہم سے افضل مانتا ہے۔ نصوص و دلائل حسب ذیل ہیں۔

(الف) عن علی مرفوعاً: ابوبکر و عمر سیدا کہول اہل الجنۃ الخ خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ تمام اگلے پچھلے جنتی ادھیڑ بوڑھوں کے سردار ہونگے انبیاء و مرسلین کو چھوڑ کر (ترمذی)

(ب) عن ابن عمرؓ: کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکرؓ الخ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ کے زمانہ میں ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں جانتے تھے پھر عمرؓ کا درجہ مانتے تھے پھر عثمانؓ کا۔ اسکے بعد تمام صحابہؓ رسولؐ کو چھوڑ دیتے تھے کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے (بخاری) یعنی آج تو ہم لوگ سیدنا علیؓ کو خلفائے ثلٰثہ کے بعد سب سے افضل سمجھتے ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔ لیکن حضورؐ کے اور صحابہؓ کے زمانہ میں خلفاء ثلٰثہ کے بعد سب صحابہ برابر سمجھے جاتے تھے اسی وجہ سے ان میں باہم مساویانہ چشمک چلتی رہتی تھی۔ گو حریف کے فضل کا اعتراف بھی کرتے تھے۔

(۲) مولف شیخینؓ کو خاص کر صفات علم۔ شجاعت۔ زہد۔ ایثار وغیرہ میں علی وجہ البصیرۃ حضرات علی و حسنین رضی اللہ عنہم سے افضل مانتا ہے۔ جیسا شاہ عبد العزیز صاحب کی عبارت کے اقتباس سے آگے ظاہر ہوگا۔

(۳) مولف، لفظ "اہلبیت" کو توقیفی شمار کرتا ہے کہ حق تعالےٰ کے اور حضورؐ کے بتانے سے اسکے مصداق کا علم امت کو ہوا۔ چنانچہ اہلبیت کے لفظ کو صرف آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کے لئے استعمال کرتا ہے جیسا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور حضرات علی

وفاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم کے لئے صحیح لفظ "آل عبا" کو جانتا ہے۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آل عبا کو بعد میں ایک آدھ بار اہلبیت بھی فرمادیا ہے بس اتنی گنجائش پاکر دشمنانِ قرآن نے اہلبیت کے لفظ کو ازواج مطہرات سے ہٹاکر اس کثرت سے آلِ عباء کے لئے بولنا شروع کیا کہ آج ۹۹½ فیصدی سنی بھی اہلبیت کے معنی صرف آل عبا کے جانتے اور بولتے ہیں۔ اس لئے مولف اگر کبھی آل عبا کے لئے لفظ اہلبیت بولتا بھی ہے تو "اہلبیت حدیثی" کہتا ہے جس میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی شریک ہیں۔ تاکہ قرآن کی اصطلاح اور حدیث کی اصطلاح میں نمایاں فرق رہے اور دشمنان قرآن کے غوغا سے قرآن کی اصطلاح کو مسلمان بھول نہ پائیں یعنی اہلبیت سے مراد صرف حضورؐ کی ازواج مطہرات کو لیا کریں۔ پھر "اہلبیت حدیثی" کی اصطلاح کو بھی توقیفی ہونے کی وجہ سے مولف صرف آل عبا کے لئے مخصوص اور محدود اصطلاح یقین کرتا ہے۔ یعنی صرف حضرات علیؓ وفاطمہؓ وسیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے لئے، اور بس۔ لیکن اس کے بعد سیدنا حسینؓ وزین العابدین رضی اللہ عنہما کی ازواج اور اولاد کے لئے اسکا بولنا تکلف اور اصطلاح نبوی کا غلط استعمال یقین کرتا ہے۔ کیونکہ اسوقت یہ استعمال لغوی ہوگا اور اس لحاظ سے میں اور ہر مسلم غیر مسلم اپنی "فیملی" کے لئے عربی لفظ اگر بولنا چاہے تو اہل بیت بول سکتا ہے۔ اسلئے اس صورت میں اضافت کے ساتھ اہلبیت حسینی۔ اہلبیت باقری وغیرہ بولنا چاہیے۔

(۴) مولف سیدنا معاویہ وابوسفیان رضی اللہ عنہما کو صرف صحبت رسولؐ کے احترام اور محبت رسولؐ کی بنیاد پر اسی احترام اور اعزاز کے لفظ سے یاد کرتا ہے جن سے افضل الاصحاب سیدنا ابوبکرؓ اور اقصر الصحبۃ سیدنا وحشی رضی اللہ عنہما کو یاد کرتا ہے

کیونکہ مولف کے نزدیک ابوبکرؓ و عمرؓ کے احترام سے صحبت رسولؐ کی عزت اس قدر زیادہ ظاہر نہیں ہوتی جسقدر حضرات معاویہؓ اور ابوسفیانؓ کے احترام سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اول الذکر حضرات میں ذاتی فضائل یقیناً اس کثرت سے نہیں ہیں جس قدر حضرات ابوبکرؓ و علیؓ میں ہیں۔ اس لئے حضرات سیدنا معاویہؓ و ابوسفیانؓ رضی اللہ عنہما ہی کا احترام تو محض ارشاد نبوی کی تعمیل میں ہوگا، کہ حضورؐ نے فرمایا من احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم اور فرمایا اکرموا اصحابی۔ ورنہ ابوبکرؓ و علیؓ کے معاملہ میں تو اسکا بھی شبہہ اور شائبہ ہوسکتا ہے کہ شاید یہ احترام ان کے ذاتی فضائل اور مناقب کی بنا پر ہو۔

(۵) مولف حضورؐ کے رشتہ دار صحابہؓ کے ناموں کے ساتھ بھی وہی الفاظ احترام و عزت استعمال کرتا ہے جو افضل الاصحاب سیدنا ابوبکرؓ یا اقصر الاصحاب سیدنا وحشیؓ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یعنی شروع میں "حضرت سیدنا" اور آخر میں "رضی اللہ عنہ" اور بس۔

مولف علی وجہ البصیرۃ جانتا ہے کہ اقرباء رسول صحابہ کے ناموں کے ساتھ لفظ "امام" (خاصکر جبکہ اسکے آخر میں علیہ السلام بھی ہو) ہرگز عام لغوی معنوں (امیر۔ خلیفہ۔ حاکم۔ پیشوا) میں نہیں بولا جاتا، بلکہ ایک خاص اصطلاحی معنوں میں بولا جاتا ہے اور امام سے مراد پیغمبر

لہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے رسالہ "درالثمین" میں چالیس "منامی احادیث" لکھی ہیں، انمیں سے حدیث ۹ یہ ہے۔ سألته صلی اللہ علیہ وسلم سؤالاً روحانیاً عن الشیعة فاومیٰ الیّ "ان مذهبهم باطل وبطلان مذهبهم يعرف من لفظ الامام" ولما افقت عرفت ان الامام عندهم هو المعصوم المفترض طاعته الموحیٰ الیه وحیاً باطنیاً۔ وهذا هو معنى النبي في مذهبهم فيلزمهم انكار ختم النبوة۔ قبحهم الله تعالى ١٢ انتہیٰ۔ (کتاب مجموعہ سلسلات و درثمین و نوادر مطبوعہ اختر ہند پریس۔ سہارن پور۔ ص ۵۸)۔

کیا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت آخر کا لفظ "علیہ السلام" ہے جو معصوموں (فرشتوں اور نبیوں) کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کو ایک دشمنِ اسلام جماعت نے ختمِ نبوت کا عقیدہ توڑنے کے لئے وضع کیا اور اسی نوع کے فریب سے چلانا چاہا جسطرح بدباطن یہود نے نزولِ قرآن کے وقت "راعنا" کی شرارت آمیز اصطلاح چلائی تھی، اور مسلمانوں نے بھی اس کے ظاہری صحیح معنوں کے لحاظ سے ان کی نقل میں اسے بولنا شروع کر دیا تھا مگر عالم غیب خدا نے "لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا" کی آیت نازل فرما کر رہتی دنیا تک کے لئے مسلمانوں کو ایک عام اصول کی تعلیم فرمائی، وہ یہ کہ "دشمنانِ اسلام کے ظاہری خوشنما اور بیضرر الفاظ کا بھی کبھی استعمال نہ کریں، بلکہ ان کے لٹریچر کے مقابل اپنا لٹریچر الگ رکھیں انھیں کیا خبر کہ دشمنوں کے کس لفظ میں" کفر و بدباطنی" کا کسقدر زہر چھپا ہوا ہے۔ نیز آگے "وللکافرین عذاب الیم" فرما کر یہ بھی بتا دیا کہ ایسے خفیہ اصطلاح بنانے والے کافر ہیں۔ انکو کافر سمجھو۔" رہا یہ کہ لفظ امام کو، امیر۔ خلیفہ۔ حاکم۔ مقتدا۔ کے معنوں میں لیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ان معنوں میں استعمال ہم اہل سنت والجماعت کے یہاں بھی ہے مگر میرے نزدیک ان معنوں میں لفظ امام بولنے کیلئے حسب ذیل شروط ہیں۔

(۱) اس کے آخر میں علیہ السلام نہ ہو۔

(ب) صرف خاندانِ رسول ﷺ کے صحابہ رضؓ اور ان میں سے بھی بعض کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔ پس صرف سیدنا علی و حسن رضی اللہ عنہما کیلئے تو میرے نزدیک اسکا استعمال تشبہ بالروافض کے باعث حرام ہے ہی البتہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے اسکا استعمال درست ہے کہ وہ بھی خاندانِ رسالت سے اولاسدی تھے۔

(ج) اسکا استعمال صرف انھیں صحابہ رضؓ کے لئے محدود رکھا جائے جو مسلمانوں کے

حاکم۔ امیر۔ خلیفہ بنے بھی ہوں خواہ ایک ہی دو دن کے لئے بنے ہوں۔ پس سیدنا حسین رضؓ اور سیدنا زین العابدین رضؓ وغیرہما کے لیئے اسکا استعمال عقل کے بھی خلاف نقل کے بھی خلاف اور لغت کے بھی خلاف ہے۔ اس لیئے مضحکہ خیز بھی ہے اور عقیدہ ختم نبوت کا برہم زن بھی ہے۔

(د) اس کا استعمال ان تمام ہی حضرات کے لیئے یکساں آزادی اور عموم اور کثرت کے ساتھ کیا جانے لگے جو مسلمانوں کے مسلمہ شرعی امیر۔ خلیفہ۔ حاکم ہوئے ہیں۔ مثلاً، سیدنا ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ معاویہ۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمہ اللہ پس سیدنا علی وحسن رضی اللہ عنہما کے لیئے صرف اسی صورت میں امام علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما لکھ سکتے ہیں جب اسی تحریر میں امام ابو بکر۔ امام عمر۔ امام عثمان امام معاویہ۔ امام ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ بھی برابر لکھا گیا ہو ورنہ تشبہ کے باعث حرام ہے۔

(۶) مولف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مورد طعن بنانے کو نہ حب علی جانتا ہے اور نہ اسے کوئی شرافت کا فعل سمجھتا ہے بلکہ ارشاد نبوی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی کیخلاف صریح بغاوت جانتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں تو اگر کوئی شخص حضرت سیدنا معاویہ رضؓ کی نصرت وحمایت میں انکے اقوال اور افعال کی کوئی صحیح تاویل کرکے (گو وہ کچھ بعید بھی ہو) ان کے دامن صحابیت اور ناصیۂ ہادیت ومہدویت" سے مطاعن اور الزاماتِ مشہورہ کے داغ کو دور کرنے کی کوشش کرے تو یہ میرے نزدیک ایک دینی خدمت اور باعثِ ثواب ہے۔ یہاں ضرورت ہے کہ اسکی بھی ایک مثال عبرت اور بصیرت کیلئے لکھدوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے اردو کے ایک مشہور مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

"امیر کی بدعات میں اسلامی خلافت کو شخصی اور موروثی حکومت بنا دینے کی بدعت تو بیشک نہایت مذموم بدعت تھی جس نے اسلامی خلافت کی روح مردہ کر دی اور اس سے بہت مذموم نتائج پیدا ہوئے (سیر الصحابہؓ ج ۶، ص ۱۲۸)

خیر اس سے متعلق تفصیلی بحث تو مقدمہ کی فصل ۵ میں صفحہ پر آرہی ہے مگر ایک بات یہاں بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کسی طفل مکتب کا قصہ مشہور ہے کہ استاد اسے تبت کے تختے اور روانے (رواں) پڑھا رہا تھا لڑکا ہجے ٹھیک کرتا تھا کہ ت ب زبر تب اور ب ت زبر بت مگر جب روانے کہتا تو ہمیشہ (بجائے تبت کے) تُبَّت کہتا۔

میں نے واقعہ کربلا کے موضوع پر اکثر سمجھدار اہل قلم کو بھی کچھ اسی لڑکے کی روش کا پایا کہ اوپر سے واقعات تو صحیح ترتیب سے لکھتے چلے آتے ہیں مگر جہاں نتیجہ نکالنے اور رائے دینے پر آتے ہیں تو اسی لڑکے کی روانے کی طرح غیر متعلق رائے دینے لگتے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نتیجہ صحیح نکالتے وقت انکو یا تو عوام کی مخالفت کا یا سبائیوں کے مفروضہ جہنم کا ڈر ستانے لگتا ہے اور وہ کچھ کا کچھ لکھ جاتے ہیں۔ اس کے نمونے آپکو دوسرے مصنفین سے لیکر اس میں جابجا دکھائے گئے ہیں۔

(۷) مولف جب یہ دیکھتا ہے کہ استخلاف یزید کے معاملہ میں بجز دو حضرات حسین ابن علی اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسوقت کے اکثر بلکہ شاید تمامتر صحابہؓ نے یزید کی بیعت کر لی تھی تو اس کے سامنے ایک حیران کن دوراہہ آجاتا ہے۔ ایک راستہ پر وہ کثیر تعداد میں حضرات صحابہ کو دیکھتا ہے جو اپنی صحابیت۔ عدولیت۔ حمیت اسلام۔ محبت خدا ورسولؐ۔ حق گوئی۔ حق کوشی کی صفات کو تمام وکمال برقرار رکھتے ہوئے آخر میں یزید کی بیعت کر لیتے ہیں اور اس میں نہ یزید کا فسق انکی رائے کو بدلتا ہے نہ اسلامی خلافت

سے شخصی اور موروثی بنا دینے کی بدعت انکو مانع آتی ہے۔ نہ وہ اسمیں کوئی دینی حرج محسوس کرتے ہیں۔

دوسری راہ پر وہ صرف حضرات حسینؓ و عبداللہؓ کو دیکھتا ہے کہ وہ یزید کو اس قدر بُرا جانتے ہیں کہ اس کے لئے وہ حصول قوت کا ہفتخواں بھی طے کرنے پر آمادہ ہیں۔ خود بھی شہید ہو جانا اور اپنے اہل و عیال تک کو شہید کرا دینا پسند کرتے ہیں۔ ملک میں شورش۔ فتنہ۔ خونریزی کی صورت پیدا کر دینے میں بھی تامل نہیں کرتے مگر بیعت یزید پر راضی نہیں ہوتے تو مولف کا احساس دینی مجبور کرتا ہے کہ وہ اسوقت کے اکثر صحابہؓ کے راستہ ہی کو صحیح سمجھے اور اور ان کے بارے میں کسی مداہنت فی الدین۔ بزدلی یا لالچ۔ ضمیر فروشی یا بے حمیتی کا ادنی وہم بھی دل میں نہ آنے دے اور ان حضرات کے مقابلہ میں ان دونوں حضرات کو غلطی پر ۔۔۔۔۔ سمجھے، مگر غلطی بھی اجتہادی جسمیں ان دونوں حضرات سے خدا کے یہاں کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ ثواب بھی ملیگا۔ غرض ان عقائد کے لکھنے سے یہ ہے کہ واقعہ کربلا پر کتاب لکھنا سنی حنفی کے معتدل مسلک کے موافق اتنا آسان نہیں ہے جتنا عام طور پر مورخین اور مصنفین سمجھے ہوئے ہیں جیسا ہر سال دو چار کتابوں کا اس موضوع پر نکلتے چلے آنا صاف بتاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مولف کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ اس موضوع کے تمام لٹریچر کو سامنے رکھکر آنکھ بند کر کے واقعات کو جوں کا توں ۔۔۔ نقل کر دیتا مگر انشاءاللہ ناظرین دیکھینگے کہ اس کتاب میں مکھی پر مکھی نہیں ماری گئی ہے بلکہ نقل واقعات میں اہلسنت کے صحیح اور معتدل مسلک کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور عوام اہلسنت یا روافض کے سماعی غیر تحقیقی مسلک سے احتراز کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب حضرت ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ کے مسلک کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔

(۸) چونکہ اس کتاب کے مولف کو حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ کی اکثر تصانیف سے بہت فیض پہونچا ہے اس لئے برکت کیلئے مولف اپنی اس ناچیز کتاب کا نام "تحفہ کربلا" رکھتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اسے بھی "تحفہ اثنا عشریہ" کے خداداد لطف سخن اور قبول خاطر کا کچھ حصہ عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ لفظ تحفہ میں اس حدیث کی تلمیح بھی ہے کہ "الموت تحفۃ المومن" مطلب یہ کہ کربلا میں سیدنا حسینؓ کی شہادت کی شکل میں جو موت واقع ہوئی وہ حق تعالیٰ کیطرف سے سیدنا حسینؓ کو ایک تحفہ تھی

(۹) اس کتاب کی تالیف اور ترتیب میں میرے سامنے چند ہی کتابیں تھیں قاضی زین العابدین میرٹھی کی تاریخ ملت دوم وسوم اور قاضی صاحب مذکور کے رسالہ "الحرم" کا "شہید کربلا نمبر" اور ملیح آبادی کی "شہید کربلا" اور شاہ معین الدین صاحب ندوی ایڈیٹر معارف کی "سیر الصحابہ ج ۶" اور محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ از خضری طبع رابع ۱۳۵۴ھ اور رسالہ الفرقان لکھنو کا مضمون "واقعہ کربلا" از مولانا عتیق سنبھلی اور رسالہ تذکرہ کراچی کا مضمون "الحسین" پر تبصرہ۔ بس انہی ہی کتابیں میرے سامنے تھیں اور میں نے بعض دیگر کتابوں کے جو حوالے دیئے ہیں تو انہیں ماخذ کے اعتماد پر نقل کر دیئے ہیں بہت کم حوالے میں نے اصل سے دیکھکر لکھے ہیں۔ بہرحال انہیں ماخذوں سے میں نے نقل واستفادہ بھی کیا ہے اسکا معترف اور ممنون ہوں اور انہیں ماخذوں پر میں نے تنقید بھی کی ہے اسکی تلخی کا عذر خواہ ہوں تنقید میں یہ سختی اور تلخی میرے نزدیک ناگزیر تھی۔ دو وجہوں سے ایک یہ کہ گو وہ ایک مسلمان اہلسنت والجماعت کے قلم سے ہے مگر ہے وہ میرے نزدیک سبائیوں ہی کی آواز بازگشت۔ دوسرے یہ کہ یہ اور اس قبیل کے خیالات وعقائد چونکہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں اسلئے انکی جڑیں بہت گہری ہو گئی ہیں اور ایمانی حس مفقود ہو کر

انکا عقیدہ سن پڑ چکا ہے چابک دست جراح اگر ایسے وقت میں اپنے معمول پہ پر رحم کریگا اور سرسری عمل جراحی کریگا تو نفع وصحت معلوم! اس صورت میں تو اتنا گہرا نشتر دینا چاہیے کہ مردہ کھال سے گذر کر نشتر تندرست کھال بلکہ ہڈی تک پہونچ جائے اور معمول بہ تلملا اٹھے اور پھر اسمیں حس صحیح پیدا ہوکر اپنا صحیح کام کرنے لگے۔ مولف کی اس طرز تحریر کی ذمہ دار دراصل مصنفین اہلسنت والجماعت کی وہ بے تحاشا تحریریں ہیں جنمیں حضرت سیدنا معاویہ حضرت مغیرہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے ساتھ گستاخیاں کی گئی ہیں جس کے نمونے اس میں جابجا ملینگے لیکن اس اعتراف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں نے اپنے اکابر علماء حقانی اہلسنت والجماعت کے متفقہ مسلک سے کہیں تجاوز کیا ہے۔ حاشا نہیں۔ انشاء اللہ منصف ناظرین باوجود الزامی طرز بیان کے کوئی جملہ اکابر کے مسلک کے خلاف نہ پائینگے۔ ہاں عوام کالانعام کے افواہی معلومات اور حد سے گذرے ہوئے معتقدات سے تو قدم قدم پر اختلاف ملیگا کیونکہ قرآن میں ہے ہل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔

(۸) مولف کو پوری طرح اندازہ ہے کہ اس کتاب کی مخالفت مختلف طرز سے مختلف طبقوں کی طرف سے ضرور کیجائیگی اس لئے مولف انکے متعلق ابھی سے اپنا خیال اور اپنا طرز عمل لکھدینا چاہتا ہے۔

مخالفین اہل سنت والجماعت خود بھی بہت شور مچائینگے مگر انکی طرف تو میں التفات بھی نہیں کرنا چاہتا نہ وہ میرے مخاطب ہیں۔ اسلئے میری تحریر پر انکا شور "مہ نور می فشاند و سگ بانگ میزند" کا مصداق ہوگا۔

یہی مخالفین اہلسنت کرایہ کے اہلسنت کے ذریعہ سے بھی شور مچوائینگے۔ یا عوام اہلسنت یا پیشہ ور واعظین یا نسب پرست تنگ نظر سیدزادے یا عیش پرست پیرزادے بھی اس کے

خلاف شور مچائیں گے مگر چونکہ انکے دین، وعقل پر اغراض یا عصبیت یا کھوکھلی عقیدت سوار ہے
اس لیے میں انکو معذور سمجھتا ہوں مجھے ان سے کوئی شکایت نہ ہوگی اور میں انکی ہر مخالفت
کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ابھی سے معاف کیئے دیتا ہوں۔

وہ اہلِ علم اور اہلِ تحقیق، جو حقیقت کو سمجھنے اور اس تحریر کے حُسن و قبح کو پہچاننے کے
باوجود عوام کے سامنے علم و تحقیق ظاہر کرتے ڈریں اسلیے اسکی
مخالفت کریں انکے سکوت اور عدم نصرت پر افسوس اور شکایت کے ساتھ مولف کو تعجب تو
ہوگا مگر اللہ کے لیئے انکو بھی ابھی سے معاف کیئے دیتا ہوں۔ تعجب اور شکایت اسلیے کہ انکا
منصب تو دراصل یہ تھا کہ وہ مولف کو اسکی علمی اور استدلالی غلطیاں بتاکر اس پر احسان کرتے،

وہ منصف طالب تحقیق طبقہ، جو پشتینی عقائد کو منصفانہ تحقیق اور صحیح علم دینی کے ذریعہ جانچنا چاہتا
اور اپنے دیرینہ عقائد کو حق وانصاف کے سامنے چھوڑ دینے کی ہمت اپنے اندر رکھتا ہو اور حق
واضح ہونے کے بعد بھی کفار مکہ کی طرح "انا وجدنا آبائنا علیہ" کو عقائد کے لیئے معیار صحت
نہ بنائے چاہے یہ ہی طبقہ (خواہ اس کے افراد کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں) میرا صحیح مخاطب ہے یہی میرا
مقصود تصنیف ہے یہی میرا صحیح قدردان ہے، یہی میرا جوہری ہے۔ میری یہ کتاب اسی کی طالب
اور متلاشی ہے۔ اگر اس طبقہ تک میری کتاب پہونچ جائے تو پھر مجھے دوسری تمام مخالفتوں کی
خس برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو تحسین ناشناس اور سکوت سخن شناس
دونوں مظالم سے محفوظ رکھے اور اس کے ذریعہ مسلمان اہلسنت والجماعت کو نفع پہونچائے۔ آمین
بالنبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مقدمه

فصلِ اوّل

واقعۂ کربلا کی غیر معمولی شہرت کے اسباب

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذات مجموعہ صفات اور محبوب خلائق تھی وہ نسبی لحاظ سے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند دلبند تھے۔ اور خود اپنی ذات میں ایک نہایت خدا ترس بزرگ، حلم و مروّت، سخاوت و شجاعت کے پیکر، ایک پرہیزگار، اور عبادت گزار صحابی رسول اور ساق و قدم میں ہو بہو حضور کی تصویر تھے۔ اس لئے خود حق تعالیٰ کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بلکہ تمام مسلمانان عالم کے محبوب تھے حضور نے آپ کو بھی جوانان جنت کا سردار فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ آپ خلیفۂ چہارم کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے ایک شہزادہ کی حیثیت بھی رکھتے تھے ایسے عالی مرتبت بزرگ کے جسم میں ایک پھانس کا لگ جانا بھی ساری امت محمدیہ کو تڑپا دینے کے لئے کافی تھا نہ کہ آپ کا مع اہل وعیال کے بیوطن ہونا۔ ساتھی مردوں کا قتل۔ عورتوں کی بیکسی۔ ایک نوزائیدہ بچے کا خود آپ کی گود میں شہید ہونا۔ یہ سب ایسے مصائب تھے جنکے باعث واقعۂ کربلا بھی دنیا کے دوسرے دردناک حادثات کی طرح ایک ایسا المناک حزنیہ

ہوگیا جو مسلم و مسلم غیر مسلموں تک کے دلوں میں رنج و غم اور حیرت و حسرت کا ایک طوفان بپا کر دیتا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا جذبات سے الگ ہوکر اس نکتہ پر غور کرتے ہیں کہ دنیا میں اس سے بھی زیادہ ہولناک مصائب لوگوں پر پڑ چکے ہیں مگر انکی اسقدر شہرت نہیں ہے تو ہمکو اور ہماری طرح نمعلوم کتنوں کو اسکی جستجو ہوتی ہے کہ آخر اس واقعہ کی اسقدر زیادہ شہرت کے وجوہ کیا ہیں اب یہ دوسری بات ہے کہ کہیں سے جواب نہ پاکر یا تعزیہ و دلدل کی تماشا نما یادگاروں کے نظارہ میں محو ہوکر یا قلبی رنج و افسوس کے عالم میں کھو کر اس جستجو سے ذہول ہو جائے۔ لیکن انسان کی جستجو پسند فطرت اور دنیا کے ترقی پسند مزاج کے پیش نظر یہ گتھی سلجھے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔ اگر دوسروں نے اس طرف توجہ نہیں کی یا کسی نے کی مگر وہ ضمناً صرف چند اشارات ہی پر اکتفا کر کے رہ گیا ہے تو آئیے ہم آپ ہی اس گتھی کو سلجھائیں اور اس پر ایک تفصیلی نظر ڈالیں۔

ملوک و سلاطین کی ہوسناکیوں کی پوری تاریخ میں ہمکو اس سے بھی کہیں زیادہ لرزہ خیز، خوں چکاں اور رحم آفریں مظالم کے نمونے ایک طرف اور اس سے بھی بدرجہا بڑھے ہوئے صبر و ثبات کے نمونے دوسری طرف ملتے ہیں۔ مثلاً۔

(الف) آغاز اسلام میں مشرکین مکہ کے لرزہ خیز مظالم۔ حضرات سیدنا بلال حبشی، یاسر سمیہ رضی اللہ عنہم پر اور انکے ایمان افروز استقلال و صبر کے نمونے

(ب) جنگ احد میں حضرت سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ کا وحشیانہ اور سفاکانہ قتل اور مثلہ کیا جانا۔

(ج) حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو داماد رسول بھی تھے، خلیفہ رسول بھی تھے با اختیار بھی تھے، بقولے ۴۰ دن تک انکا محاصرہ، ان پر آب و دانہ کی بندش کے ساتھ ساتھ

مسجد نبوی کی جماعت سے بھی بندش، پھر حسرتناک مظلومانہ شہادت، تین دن نعش مبارک کی کس مپرسی!

(د) دور کیوں جائیے خود سیدنا حسینؓ کے ہمعصر اور ہم کار سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا
(ہ) پھر دور بنو امیہ اور دور بنو عباس میں مسلسل خاندان نبوی کے اکابر کا قتل و شہادت خصوصاً حسن مثنیٰ کے صاحبزادہ کا سنگدلانہ واقعہ شہادت۔

(و) بنو عباس کا اموی مُردوں کی قبریں اکھڑوا کر لاشوں کو کوڑوں سے پٹوانا اور بیشمار امویوں کو قتل کر کے انکی لاشوں پر فرش بچھوا کر کھانا کھانا وغیرہ وغیرہ تاریخ قتل و شہادت کے افسوسناک اوراق اور کتاب ظلم و تشدد کے لرزہ خیز و درد انگیز ابواب ہیں مگر نہ تو ہم ان وقائع کا تذکرہ اور شہرہ عوام میں پاتے ہیں نہ ان وقائع کے ظالموں کے خلاف ہم کوئی نفرت انگیز جذبہ یا لٹریچر پاتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ کربلا کے واقعہ کی اس غیر معمولی شہرت کا راز نہ تو ظلم کی ہولناکی میں مضمر ہے اور نہ صبر و ثبات کی حیرتناکی میں پوشیدہ ہے۔ نہ اسکی یہ غیر معمولی شہرت کسی ایک جماعت کی یا ایک دن کی یا ایک قسم کی کوشش کی پیداوار ہے، بلکہ اس کے پیچھے متعدد جذبات کارفرما رہے ہیں۔ متعدد حکومتوں اور بیشمار جماعتوں نے اس کے مشہور کرنے میں حصہ لیا ہے اور تیرہ صدیوں تک ایسی مساعی نامشکور ایسی شہرت دلانے میں صرف ہوئی ہیں تب کہیں جا کر اس واقعہ کو یہ غیر معمولی شہرت ملی ہے۔

سیدنا حسینؓ کا یہ واقعہ قتل و شہادت اگر کفار کے مقابل ہوتا جب بھی مصائب حسینی کے یہ واقعات اسقدر شہرت نہ پا سکتے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جنگ کربلا میں سیدنا حسینؓ کا مقابل لشکر مسلمان ہی تھا اور جنگ دراصل محض سیاسی اسباب کی بنا پر تھی اس صورت میں بھی اس واقعہ کا اس قدر مشہور ہو جانا صاف بتاتا ہے کہ یقیناً اسکی شہرت نفس واقعہ کے

باعث نہیں کچھ مخصوص اغراض و اسباب کی بنا پر ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان اسباب خصوصی کی نشاندہی کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کی ذرا وضاحت کرتے چلیں کہ سیدنا حسین رضی کے مقابل جو لشکر تھا وہ باستثناء چند منافقین کے) مسلمانوں ہی کا تھا۔ آج اگر کوئی فرقہ حضرت حسین کے لشکر مقابل کو مطلقاً یا اسکے سپہ سالار کو یا بادشاہ عہد کو "لعین۔ شقی۔ ناری۔ جہنمی۔ کافر" وغیرہ مانتا اور منوانا چاہتا، کہتا اور کہلانا چاہتا ہے تو اپنی آخرت کے لئے جیسا کچھ سامان کر رہا ہے وہ جانے مگر ایک مسلمان، خاصکر ذیل کی حدیث دیکھنے کے بعد تو کبھی اس فوج کو مطلقاً یا سپہ سالار کو یا بادشاہ کو کافر و ملعون کہنے کی ہمت نہیں کر سکتا وہ حدیث یہ ہے۔

عن ام سلمۃ رضی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تدعی احدا یدخل علیّ۔ فجاء الحسین فاراد ان یدخل۔ فاخذتہ فلما اشتد فی البکا خلت عنہ فدخل حتی جلس فی حجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء جبرئیل وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امتک ستقتل ابنک ہذا فقال صلی اللہ علیہ وسلم یقتلونہ وہم مومنون بی؟ قال نعم۔ فخرج صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان امتی یقتلون ہذا فقال ابوبکر وعمر یا نبی اللہ وہم مومنون؟ قال نعم۔

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۱۸)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے ایکدن فرمایا دیکھو کسی کو میرے پاس آنے نہ دینا اتنے میں سیدنا حسین آئے اور اندر جانا چاہا تو ام المومنین نے انکو پکڑ لیا تو وہ زور زور سے رونے لگے تو ام المومنین نے انکو چھوڑ دیا وہ اندر پہونچے اور حضور کی آغوش میں بیٹھ گئے تو حضرت جبرئیل آئے اور انھوں نے حضور سے فرمایا کہ سنیئے آپ ہی کی امت ایکدن آپ کے فرزند کو قتل و شہید کردیگی تو حضور نے فرمایا ارے کیا وہ اسے قتل کرینگے اور مجھ پر ایمان لانے والے بھی ہونگے؟ حضرت جبرئیل نے کہا جی ہاں تو حضور باہر تشریف لائے اور صحابہ رض سے فرمایا سنتے ہو! میری ہی امت ایکدن اس بچہ کو شہید کردیگی تو ابوبکر رض و عمر رض نے تعجب سے پوچھا۔ اے اللہ کے نبی کیا وہ مومن ہونگے، فرمایا ہاں۔

دیکھئے اس روایت سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔ (الف) سیدنا حسینؓ کے مقابل لوگ مسلمان تھے اور انکے مومن ہونے پر دو معصوموں (حضرات جبریلؑ اور خود حضورؐ) کی مہر تصدیق ہے (ب) حضرات شیخین کو بھی سیدنا حسینؓ سے محبت تھی (ج) حضور کو اور شیخین کو بہت تعجب ہوا تھا کہ مسلمان ہوتے ہوئے، قتل حسین؟ .... (د) اس حدیث میں صرف قتل کی اطلاع دی گئی، سبب قتل، قتل کے احوال وظروف، قتل کے حق و ناحق ہونے کی تعیین کچھ نہیں۔

اس کے بعد اب آئیے اس واقعہ کی اسقدر غیر معمولی شہرت کے حقیقی اسباب تاریخ سے دریافت کریں۔

(۱) سب سے پہلے سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ۶۳ھ میں اس واقعہ سے متعلق مکہ میں اپنے خطبوں میں کچھ تذکرہ کیا اسی کے ساتھ مدینہ میں عبداللہ بن مطیع نے یزید کی مخالفت کی اور بیعت یزید توڑ دی جس کے نتیجہ میں ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو حرّہ کا افسوس ناک واقعہ پیش آگیا۔ انکی تقریروں سے مدینہ کی پبلک سخت مشتعل ہوگئی اور انھوں نے اموی والی مدینہ کو اور اکثر بنوامیہ کو قید کر دیا اور یزید کی بیعت فسخ کر دی اس پر شاہی فوج نے پہلے اتمام حجت کر لیا پھر مجبور ہو کر حملہ کیا جس سے حرم مدنی کی بیحرمتی ہوئی (واقعہ حرّہ کا مختصر ذکر ہم انشاءاللہ خاتمہ میں کرینگے)

(۲) ۶۶ھ مختار ثقفی نے (جو ایک صحابی کا بدبخت بیٹا تھا) طلب حکومت کے لئے اسی واقعہ کو آڑ بنایا۔ یہ وہی شخص ہے جسکے گھر مسلم بن عقیل کوفہ جا کر ٹھہرے تھے۔ اسنے کوفہ ہو کر توابین کے مقابل ایک جماعت بنا لی (توابین کی جماعت ایک پر فریب سیاسی جماعت تھی یہ لوگ اپنے اوپر سے قتل حسینؓ کا الزام مٹانے کے لئے سخت ندامت اور افسوس کا

اظہار کرتے۔ حضرت مسلمؓ اور حضرت حسینؓ کو بلا کر اور انکو حکومت کے مقابل کھڑا کر کے عین وقت پر انکا ساتھ چھوڑ دینے کو وہ اپنی غلطی تسلیم کرتے اور اس پر روتے اور توبہ کرتے۔ ہوشیار مختار نے اس کمیٹی میں ایک جارحانہ پروگرام تیار کیا، وہ یہ کہ اس نے اس جماعت کا نعرہ "انتقام حسینؓ" مقرر کیا تاکہ پبلک کی ہمدردی زیادہ سے زیادہ حاصل کیجا سکے۔ اس کے ساتھ اس نے چاہا کہ سیدنا حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ کو اس تحریک کا سرپرست بنائے تاکہ اس تحریک کا ملک میں وزن اور وقار اور اعتبار زیادہ بڑھے مگر ابن حنفیہ نے یکسر اس سے انکار کیا۔ تاہم مختار برابر اپنی طاقت خفیہ طور پر بڑھاتا رہا اور ڈیڑھ ہی سال کے اندر اس نے قاتلین حسین کے چاروں سرغنہ، شمر بن ذی الجوشن، خولی بن یزید، عمرو بن سعد، عبید اللہ ابن زیاد کو یکے بعد دیگرے قتل کر کے انکے سر حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس بھجوا دیئے۔ اس طرح چند سال تک مختار نے اپنی پولیٹکل غرض کے لئے اسی واقعۂ کربلا کو ہر جگہ بیان کیا اور اسے شہرت دی۔

(۳) ۶۷ھ میں جب مختار کی نیتیں اور شرارتیں کل پبلک کو معلوم ہوئیں کہ وہ نبوت تک کا دعویٰ کرنے لگا تھا تو کسی نے اسے قتل کر دیا۔ محمد بن حنفیہ نے بھی خلیفہ وقت عبد الملک کی بیعت کر لی تھی۔ اس لئے کوفیوں نے نہایت کوشش اور ہوشیاری سے علویین اور عباسیین دونوں کو واقعہ کربلا یاد دلا کر سخت مشتعل کر دیا آخر علویین نے ابو ہاشم علوی کو اور عباسیین نے محمد عباسی کو اپنا اپنا سر گردہ بنا کر بظاہر ماتم حسینؓ منانے کا بیغر مشغلہ جاری کیا، مگر اس پردے میں در اصل بنو امیہ کیخلاف سیاسی جماعتیں تیار کی گئیں اسطرح یہ واقعۂ کربلا تیسری مرتبہ سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا گیا کہ اسکو پبلک کے مشتعل رکھنے کے لئے قصداً اور ضرورت سے بہت زیادہ مشہور کیا گیا۔

(۴) یہ صورت حال ۱۳۰ھ تک باقی رہی۔ جب ابو ہاشم علوی کا انتقال ہو گیا تو عباسیوں نے علویوں کو مشورہ دیا کہ جب ہم دونوں خاندانوں کا مقصد واحد ہے تو سرپرست دو کیوں رہیں اب سے سرپرست اور سرگردہ ایک رہیگا اور وہ عباسی رہیگا۔ کام ہم دونوں ملکر کریں جب خدا ہمکو ہمارے مقصد میں کامیاب کریگا تو خلافت کے لیئے اولاد حسین ہی میں سے کسی کو نامزد کیا جائے گا۔ اس طرح دونوں خاندانوں کی متحدہ جد و جہد سے اسی واقعہ کربلا کو برابر شہرت دی جاتی رہی ظاہر میں تو ماتم حسین جیسے بے ضرر اور مظلومانہ پروگرام کی شکل میں مگر باطن میں بنوامیہ کو خلافت سے معزول کرنیکی غرض سیاسی ہے۔

(۵) آخر ۱۳۲ھ میں خفیہ ریشہ دوانیوں سے اور خاصکر ایک نومسلم ایرانی ابو مسلم خراسانی کی انتھک کوششوں سے بنوامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بنو عباس بالکل خلاف معاہدہ خود تخت خلافت پر بیٹھے۔ اب اگرچہ بظاہر ماتم حسین اور واقعہ کربلا کی یادگار باقی رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ مقصود تو اس سے حصول سلطنت اور زوال بنوامیہ تھا مگر پھر بھی عہد عباسی میں یہ واقعہ برابر منایا جاتا رہا۔ اسکی دو وجہیں تھیں ایک تو فرقہ سبائیہ اپنی اسلام دشمنی اور صحابہ دشمنی تحریک کو اسی واقعہ کی آڑ میں جاری رکھے تھا دوسرے بنو عباس یہ چاہتے تھے کہ علویین اور فاطمیین کے لیئے کوئی افیون ضروری ہے تاکہ وہ اسی کے نشہ میں سرشار رہیں اور خلافت کا حق نہ جتانے پائیں۔ اسلیئے بنو عباس نے علویین اور فاطمیین کی دلجوئی اور اشک شوئی کیلئے ایک تو ماتم حسین میں سیاہ پوشی کو اپنے دربار کا شعار بنا لیا' درباری لباس سیاہ' چتر شاہی سیاہ، علم سیاہ، دوسرے اس ماتم حسینؓ کے مشغلہ کو قبل خلافت ہی جیسے انہماک اور تیزی کے ساتھ اپنی خلافت میں بھی جاری رہنے دیا۔ خود حکومت کی طرف سے بھی اسکی ہمت افزائی کی جانے لگی پھر ظاہر ہے کہ ع ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است

(۶) ان سیاسی اسباب اور مساعی کے ساتھ ساتھ، جیسا اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے فرقہ سبائیہ ماتم حسینؓ اور واقعہ کربلا کو غیر معمولی اہمیت اور غیر معمولی شہرت دینے کے لئے جان توڑ کوشش کرتا رہا۔ چنانچہ اس نے ہزاروں اہلسنت والجماعت کے لوگوں کو، حضرات سادات کرام تک کو صحابہؓ سے بدظن کر دیا۔ حتیٰ کہ ادیب شہیر بدیع الزماں ہمدانی، صاحبِ مقامات کی شہادت ہے کہ اس نے سڑکوں پر لونڈوں کو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر تبرا کہتے سنا ہے اسی طرح یہی واقعہ کربلا دینی اور اعتقادی اغراض کے لئے عرصہ تک غیر معمولی طور پر بہت اہم اور مشہور کیا جاتا رہا۔ تقریباً سوا پانچسو برس بعد ۶۵۶ھ میں عباسیہ کے زوال کے بعد عین ممکن تھا کہ یہ ماتم حسینؓ اور واقعہ کربلا کی یاد تازہ کرنے کی رسم اپنی طبعی موت مر کر رہ جاتی، کیونکہ اس کے سرپرست عباسی لوگ اسیج پیچھے اقتدار حکومت کھو چکے تھے مگر چونکہ دور عباسی میں سبائیت کا یہ فتنہ اپنے آخری نقطہ عروج پر پہونچ چکا تھا اس لئے باوجودیکہ ہر زمانہ میں علماء حقانی یادگار محرم کے سلسلہ کی بدعات و شرکیات کو روکنے اور مٹانے کے لئے برابر تحریر و تقریر سے کوشش کرتے رہے مگر یہ فتنہ برابر قیامت ہی بنتا گیا جسکے لئے بعض دیگر حکومتوں نے کچھ دلکشی کے اسباب بھی پیدا کر دیئے تھے۔ عبرت کے لئے ایک واقعہ لکھتا ہوں ۳۵۲ھ میں ابن بویہ معزالدولہ دیلمی نے غم حسینؓ منانے کے لئے شاہی حکم عام نافذ کر دیا کہ دفاتر بازار بند رہیں ماتم حسینؓ کے لئے عورتیں بال کھولکر علانیہ نکلیں پھر ظاہر ہے کہ نفس پرست پبلک اس حسین رسم کو کیسے بند ہونے دیتی۔

(۷) فرقہ سبائیہ نے علم کے محاذ سے بھی اہلسنت والجماعت کے عقیدہ و عمل پر حملے شروع کر دیئے۔ کلبی نے جھوٹی روایات وضع کیں۔ ابومخنف نے اور دیگر سبائی مصنفین نے

---

(۱) ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۴۳۔

بہت بسط و تفصیل سے اپنی غلط روایات ملا ملا کر واقعات کربلا پر کتابیں لکھیں جنمیں حقیقت سے زیادہ مبالغہ کا اظہار اور عقلیت سے زیادہ جذبات کو مشتعل کیا گیا اور انکو اسقدر غیر معمولی شہرت دی کہ انکے بعد کے تمام بھولے اور سادہ طبع مورخین بھی نقل در نقل کرتے چلے آئے اسی کے ساتھ سنی مورخین کے ہمنام سبائی مورخین بھی پیدا ہوئے اور انھوں نے نام کو مشترک رکھکر بہت ناجائز فائدہ اٹھایا - آپ حیرت کریں گے یہ سنکر کہ ابن اثیر اور طبری کی تاریخو ں میں بھی واقعۂ کربلا کی روایات کو ابو مخنف ہی سے لیا گیا ہے

(۸) کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ماتم حسین منانے کی بدعت سب سے پہلے تیمور لنگ کے زمانہ سے آئی وہی تعزیہ کی خرافات کو خراسان سے یہاں لایا ۔ اسی نے ہندوستان فتح کرکے اس یادگار منانے کو عام کیا پھر تو تعزیہ اس شرک زار ہند میں خوب ہی پھلا پھولا کہ سونے کا تعزیہ، چاندی کا تعزیہ، لکڑی کا تعزیہ، ٹین کا تعزیہ، روئی کا تعزیہ، گھاس کا تعزیہ، کاغذ کا تعزیہ، بانسوں کا تعزیہ خوب بننے لگا اور مغل بادشاہوں خصوصاً نورجہاں کی سرپرستی میں یہ چھوٹے بڑے تعزیے اسی طرح کثرت سے بننے لگے جیسے نمرود کی سرپرستی میں چھوٹے بڑے بت - اور ان بتوں کے لئے اس شرک زار ہند میں بہت سے چابکدست آزر بھی پیدا ہوتے رہے جنھوں نے بت تراشی اور بت فروشی کو اپنا پیشہ بنایا اور امراء رؤسا نے انکی ہمت افزائیاں کیں، اس طرح یہ واقعہ کربلا تماشا پسند پبلک میں پہونچکر اسلامی تعلیما کا حریف اور ناصیۂ اسلام کا ایک بدنما داغ بن گیا -

(۹) آخر آخر میں اودھ کے نوابوں نے یادگار حسین کے اس مضحکہ خیز تماشے کو باقی اور جاری رکھنے کے لئے جو کوششیں کی ہیں اس سے تو سب ہی واقف ہیں کہ بستی بستی میں جس جس نے ۔ ۔ ۔ ۔ امام باڑہ بنانے اور تعزیہ رکھنے کا وعدہ کیا اسی

کو بے دریغ وظیفے، جاگیریں، خطابات اور عطیات لٹائے گئے

(۱۰) غیرہ یہ سب تو عہد بعہد کی متعدد سیاسی و ملکی تحریکیں اور متعدد حکومتوں اور پارٹیوں کی کوششیں تھیں جنھوں نے نہایت اہتمام سے اس واقعہ کو اپنی فاسد اغراض کے لئے آلۂ کار بنایا اور بڑی بڑی تدبیروں سے اس واقعہ کی یادگار کو اسی طرح چودہ برس تک زندہ رکھا جس طرح ایران کے آتش پرستوں نے اپنی مذہبی آگ کو کئی سو یا کئی ہزار سال تک زندہ رکھا تھا۔ لیکن اس واقعہ کی مزید شہرت اور پائیداری کے لئے ہوشیار لوگوں نے جن میں ۳۵۲ھ کا معزالدولہ دیلمی پہلا شخص تھا، ابلیس کے مشورہ سے کچھ ایسی دلکش چیزوں کا بھی اسمیں الحاق واضافہ کر دیا کہ اب اسکی یادگار محض اپنی ان دلکش تفریحوں ہی کے باعث اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور غیر معمولی طور پر مشہور ہوتے رہنے کے قابل ہو گئی۔ طبل ڈھول اور تاشہ۔ تعزیہ و دلدل۔ . . . .

مرد و عورت کا مخلوط ازدحام۔ سمع و بصر کے گناہوں کا اہتمام۔ . . . .

. . . . مرثیہ خوانوں کا حسن زیر و بم۔ سینوں پر موسیقی آفریں ضربات ماتم امردوں کے سبز و سیاہ ملبوس۔ ہائے حسینا کے نعرۂ ہائے افسوس۔ عوام سے داد طلبی اور حکام سے جاہ طلبی کہ اب سوا حضرت مہدی موعود کے کسی دوسرے مجدد کے بس میں بھی ان خرافات کا انسداد نہیں رہ گیا ہے

ظاہر ہے کہ جو واقعہ اتنے جتنوں اتنے معرکوں، اتنی کوششوں اور کاوشوں، اتنی جعلسازیوں اور سازشوں، اتنی متعدد حکومتوں کی سرپرستیوں، اسقدر حظوظ اور ہوس پرستیوں کے بل پر باقی اور جاری رکھا جائے اسکا اسقدر مشہور ہونا تعجب کی بات نہیں، — اتنا مشہور نہ ہوتا تو تعجب کی بات تھی، — ان متعدد وجوہ سے اسکی شہرت اسقدر غیر معمولی ہو گئی ورنہ یہ تعزیہ

سی خرافات، نہ تو نقلی طور پر زندہ رہ سکتی تھی اور نہ عقلی طور پر۔ نقلی طور پر تو اس لئے نہیں کہ حدیث میں ہے "لعن اللہ من زار بلا مزار و لعن اللہ من زار شبحاً بلا روح" (ترجمہ فتاوی عزیزی صفحہ ۲۲۰) ۔ یعنی ملعون ہے وہ بھی جو بے نعش کی قبر کے پاس دیکھنے جائے اور ملعون ہے وہ بھی جو کسی جسم بے جان (مورت، تصویر) کو دیکھنے جائے (یہ حدیث جو عوام میں ان الفاظ میں مشہور ہے کہ لعن اللہ من زار قبراً بلا مقبور تو ان الفاظ میں یہ حدیث نہیں ہے، الفاظ حدیث وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے) اس حدیث کے بعد کوئی ملعون ہی ہوگا جو ضریح تعزیہ جس میں دو قبریں بلا نعش کے ہوتی ہیں، اس کو بنائیگا یا اسکو دیکھنے جائیگا، یا اسکی سرپرستی کریگا۔

اور عقلی طور پر اس میں اتنے عرصہ تک باقی رہنے کی صلاحیت اس لئے نہیں تھی کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"پندرھویں قسم یہ ہے کہ بار بار کیجانے والی باتوں کو بالکل اصل واقعہ ہی سمجھ لینا یہ وہم اکثر کم عقلوں پر غلبہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ دریا کے پانی۔ چراغ کے شعلہ اور فوارہ کی دھار کو ایک ہی پانی ایک ہی شعلہ سمجھ لیتے ہیں۔ اکثر شیعہ اور روافض بھی اپنی رسوم و عادات میں اسی وہم و خیال میں غرق ہیں۔ مثلاً روز عاشورا کہ چاہے جس سنہ و سال میں بھی آئے روافض اس دن کو (۱۰ محرم ۶۱ھ والا) حضرت حسین کی شہادت ہی کا دن دن گمان کرتے ہیں اور اس دن ماتم، نوحہ و شیون، گریہ و بیقراری، شروع کرتے ہیں، جیسے عورتیں کہ ہر سال اپنے خاندان کے مُردوں پر یہی عمل کرتی ہیں حالانکہ عقل بالکل واضح طور پر جانتی ہے کہ زمانہ ایک رواں دواں چیز ہے اور اس کے کسی جزو کو ٹھہراؤ اور سکون نہیں۔ گئے وقت کا آنا بھی محال ہے۔ شہادت حسینؓ

اصل میں تو اس دن ہوئی تھی جسکا فاصلہ آج کے دن سے بارہ سو سال کا ہے پھر بھلا اس دن کو آج کے اس دن (عاشورا) سے کیا نسبت؟ دیکھو عید الفطر اور عید قرباں پر اس چیز کو قیاس نہ کرنا کیونکہ وہاں تو خوشی کی اصل وہ خود سال کے سال نئی بن بن کر آتی ہے۔ یعنی عید الفطر میں روزوں کا ادا کرنا اور بقر عید میں خانہ کعبہ کا حج کر تازہ بتازہ نعمت کے شکر کی وجہ سے ہر سال خوشی بھی نئی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا شریعت کی عیدیں اس لغو وہم پر چسپاں نہیں ہوتی ہیں بلکہ اکثر عقلاء نے تو نوروز اور مہرجان کو اور اسی طرح دوسری آسمانی تغیرات کو یا بار بار آنیوالی تبدیلیوں کو تہوار بنایا ہے کہ وہ ہر سال نو بنو آتی ہیں۔ اور اسی سے حکم کا بدلنا بھی ضروری ہو جاتا ہے ——— الخ" (تحفہ اثنا عشری از محدث دہلوی)

شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ واقعہ محرم کی یادگار منانا صریح توہم پرستی اور بے عقلی ہے۔

فصل دوم
یہودیت و سبائیت

یہودی اپنی اصل نسل کے اعتبار سے حضرت یعقوب عرف اسرائیل علیہ السلام کے بیٹے یہودا صحابی کی اولاد ہیں۔ یہ کسی زمانہ میں وقت کی سب سے شریف قوم تھی کیونکہ پیغمبر زادی تھی، سید زادی تھی، صاحب علم و عمل تھی۔ مگر جب بگڑی تو ایسی بگڑی کہ خدا سے کفر و شرک، انبیاء سے بغض و عداوت، شریعت سے بغاوت و سرکشی میں یہ اپنی پیش روؤں سے بدرجہا بڑھ گئی۔ خدا کو بخیل اور صاحب اولاد ہونے کی گالی انھوں نے دی، نبیوں پر

بہتان انھوں نے لگائے اور بے شمار انبیا کو قتل انھوں نے کیا۔ شریعت موسوی نے جب انکو کفار عمالقہ سے جہاد کا حکم دیا تو انھوں نے صاف کہدیا کہ اے موسیٰ جائیے آپ اور آپ کا خدا دونوں ملکر جہاد کر لیجئے ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں" انکو حق اور حامیان حق سے جس انتہائی درجہ کی عداوت اور کینہ تھا حق تعالیٰ نے اپنے آخری صحیفہ میں اسکی نشاندہی کہیں ان الفاظ میں کی ھم العدو فاحذرھم" اے رسول یہی ہیں آپ کے حقیقی دشمن۔ ان سے بہت ہوشیار رہیئے گا۔ کہیں اسطرح آگاہ فرمایا ولتجدن اشد الناس عداوۃ الخ سنو مسلمانوں کے سخت ترین دشمن یا تو بت پرست ہیں یا پھر یہود۔ کہیں یوں فرمایا "قد بدت البغضاء من افواھھم" الخ" کہ بغض وعداوت کی کچھ باتیں تو انکے منھ سے نکلکر ظاہر ہو بھی گئیں مگر ان کے دلوں میں حق اور اہل حق کیطرف سے جو غصہ اور بغض بھرا ہے وہ تو اس سے بہت زیادہ ہے"۔ ان کا حال یہ تھا کہ بزدلی اور منافقت، آرام طلبی اور بے حیائی، حرص مال ور جاہ پرستی، سرکشی اور عناد وغیرہ اخلاق رذیلہ انکی قومی خصوصیات بن چکے تھے، وہ کسی نبی کی تعلیم کو دنیا میں پھیلتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ اس کے عادی بن چکے تھے کہ پیغمبروں کو انکے صحابہ وحوارئین کو اور ان کے اہل خاندان کو محض اس غصہ میں قتل وشہید کردیں کہ وہ اُس دنیا میں خدا کا قانون کیوں پھیلا رہے ہیں جہاں یہ لوگ نفس وطاغوت کی خدائی اور کارفرمائی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس جرم کا وہ خود انبیا علیہم السلام سے اور ان کے صحابہ واہل خاندان سے کبھی دشمن بنکر انتقام لیتے اور کبھی بظاہر دوست بنجاتے اور درپردہ بیخ کنی کرتے رہتے۔ حضرت عیسیٰ سے قبل تک ہزارہا سال سے انکا قومی کیرکٹر یہی رہ چکا تھا۔ عہد عیسوی میں بھی اس قوم نے اپنی ان دو مشہور خصائص پر عمل کیا۔ پہلے تو کھلے دشمن بنکر حضرت عیسیٰ کے قتل کی سازش کی اور انھوں نے اپنے

زعم میں تو انکو شہید کر ڈالا۔ پھر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد بظاہر دوستی مگر در پردہ منافقت و مخالفت کا پارٹ ایک چالاک یہودی شاول عرف پولوس رپال، نے ادا کیا۔ وہ عیسائی بنا اور رفتہ رفتہ جھوٹے خواب مشہور کر کر کے اس نے عیسائیوں میں رسوخ حاصل کر لیا۔ پھر تو اس نے تحریف اور خود ساختہ شرحوں کے ذریعہ دین عیسوی کو مسخ کر کے رکھدیا۔ مثلاً ختنہ جو اس دین میں بھی سنت مؤکدہ تھا اور جسے خدا نے رہتی دنیا تک کے لیے اپنی غلامی کی علامت مقرر کی تھی اسے خلاف عقل و نقل کہہ کر عیسوی مذہب سے خارج اور ممنوع اور مذموم قرار دیدیا۔ توحید کو تثلیث کے گورکھ دھندے میں تبدیل کر دیا۔ جس طرح یہودیت میں حضرت عزیز کو ابن اللہ کہتے تھے اسی طرح اس نے دین عیسوی میں بھی حضرت عیسیٰ کو ابنُ اللہ مشہور کیا۔ انکی مفروضہ شہادت کو ساری دنیا کی طرف سے گناہوں کا کفارہ بنجانے کا عقیدہ پھیلا کر لوگوں کو گناہوں پر دلیر اور جہنم کے خوف کو دلوں سے دور کر دیا۔

جب اسلام آیا تو پھر اس قوم نے اپنی ہزارہا سال کی قومی خصوصیات کا یعنی نبی آخر الزماں سے عناد، پھر منافقت اور مسلمان بنکر دین کو تباہ کرنے کا مظاہرہ شروع کیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ جس طرح ہم نے بہت سی نبیوں کی تعلیمات کو منافقت اور تحریف سے مسخ کر کے دھر دیا ویسے ہی اپنے انھیں آزمائے ہوئے ہتھیاروں سے ہم اسلام محمدی کو بھی مسخ کر دینگے۔ مگر اسلام محمدی دین مؤید تھا اس لئے انکی توقع کیخلاف امت ثابت ہوا۔ تاہم انھوں نے اپنی جیسی ہر کوشش اس کے خلاف کر ڈالی۔

ہم ذیل میں ان کی تاریخی تباہ کاریاں یکجا مسلسل اور تاریخوار گناتے ہیں۔

(۱) سنہ ھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان دشمنان اسلام نے

ظاہرا اسلام قبول کر کے اسلام دشمنی کے سارے ہی کام خفیہ خفیہ کرنے شروع کر دیے پختہ کار مسلمانوں میں تو انہوں نے تفرقہ ڈالنے، انپر طعن و آوازے کسنے، انپر ریاکاری کے الزام رکھنے شروع کر دیے اور کمزور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے خود مرتد ہو کر انکو بھی مرتد ہونے کی ترغیب دی اور اسلامی احکام میں خرابیاں نکالنا، اہلبیت رسول پر نا پاک تہمت لگا کر نعوذ باللہ احترام نبوی اور احترام صحابہ کو دلوں سے زائل کرنے کی کوشش کرنا۔ مسلمانوں کی خبریں مشرکین کو پہنچاتے رہنا۔ مسلمانوں پر حملہ کے لیے مشرکین کو اکساتے رہنا۔ میدان جنگ میں عین قتل و قتال کیوقت مسلمانوں کو دھوکہ دیکر واپس چل دینا انکا کام تھا مگر حق تعالیٰ نے برابر ہی ان کے منصوبوں کو بیکار اور ان کے مکائد کو ناکام بنا بنا دیا۔ حفاظت الٰہی کے یہی کرشمے جس طرح خود حضورؐ کے عہد میں ہوئے بہ اذن الٰہی یہی کرشمے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی ظاہر ہوتے رہے۔

ﷲ ھ میں عبد اللہ بن سبا ایک ہوشیار یہودی فاتح خیبر سے اپنے رشتہ دار خیبری یہودیوں کے قتل کا انتقام لینے اور دین اسلام کو مٹانے کی نیت سے بظاہر اسلام لے آیا پہلے اس نے حضرت عثمان پر اپنا اثر جما کر کوئی عہدہ حاصل کرنا چاہا - - - - مگر حضرت عثمان نے اپنی روشن ضمیری سے اسے منہ نہیں لگایا۔ اس پردہ خفا ہو گیا اور اس نے ہر جگہ حضرت عثمان کو بدنام کرنا شروع کیا اور اس کے لیے چند نہایت خطرناک منصوبے تیار کیے جنکی تفصیل آگے آتی ہے۔ چونکہ اسلام دشمنی میں اسکے منصوبے ہولناک نتائج کا باعث بنے اس لئے بے ساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔

اے ابن سبا! لعنِ خدا بر تو فزوں باد "از فتنۂ تو دین مسلمان گلہ دارد"

(الف) اسے معلوم تھا کہ قبائل قریش میں اسلام سے پہلے باہم رنجشیں چلی آ رہی تھیں انمیں سے ایک بنو ہاشم اور بنو امیہ کی خاندانی چشمک بھی تھی اور معمولی چشمک بھی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علمی اور عملی تعلیمات اخلاق سے اسے جاہلیت کی دوسری برائیوں کی طرح پیروں سے کچل کر دھر دیا۔ اپنی بابرکت صحبت سے انکے قلوب کا تزکیہ فرما دیا خیالات وعقائد بدل دیے۔ جذبات کا دھارا نفس سے خدا کی طرف موڑ دیا اور یہ حضورؐ کا وہ معجزہ اور محیر العقول کارنامہ ہے جس پر غیر مسلم تک متحیر ہیں۔ خدا نے بھی فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (یعنی اللہ کی مہربانی سے تم سب صحابۂ رسول پہلے دشمن رہنے کے باوجود صحبت نبوی کی برکت سے بھائی بھائی بنگئے) ارشاد فرما دیا۔ ابن سبا نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسی قبائلی عصبیت کو نئے انداز سے ابھارا اور اسکے لئے حضرت عثمانؓ اموی پر جھوٹے اتہامات تراش کر پہلے عوام کو حکومت کے خلاف ورغلایا۔

(ب) اتفاق سے حضرت عثمان کے عہد میں فتوحات اسلام کا دائرہ بہت بڑھ گیا تھا بہت سے نئے ملکوں میں اسلام کی تعلیمات اور طریقے روشناس ہونے لگے۔ بہت سے نئے لوگ مسلمان ہوئے جنکو روح اسلامی یعنی صحابہ کی صحبت کا زیادہ موقع نہ مل سکا اور وہ مسلمانوں کی خصوصیات کو اچھی طرح سمجھ بھی نہیں پائے تھے کہ ابن سبا نے اسی خام مواد میں اپنی عناعی اور عیاری شروع کی۔ پہلے تو اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ لوگ حضرت عیسیٰ کی واپسی کے تو قائل ہیں مگر خود آنحضرت صلعم کی رجعت کے نمعلوم کیوں قائل نہیں؟ حالانکہ حضورؐ کا درجہ حضرت عیسیٰ سے بڑھا ہوا ہے۔ نومسلم لوگوں نے اس کی یہ بات بہت پسند کی پھر رفتہ رفتہ اس نے حضرت علیؓ کی تعریف زیادہ شروع کی۔

لہ کامل صؔ

(ج) اس نے کسی سے تو یہ کہا کہ ہاں صحابۂ رسول سب واجب التعظیم ہیں مگر حضرت علیؓ کا رتبہ ان سب سے زیادہ ہے کیونکہ وہ ہاشمی تھے حضور کے داماد بھی تھے اور داماد بجائے فرزند کے ہوتا ہے ۔ یہ قاتل زہر بہت کارگر ثابت ہوا چونکہ اسکے دل میں سب سے زیادہ غصہ حضرت علی کیطرف سے تھا اسلئے اسنے انکے بارہ میں حد سے زیادہ غلو اور خوش عقیدگی صرف اسلئے شروع کی کہ انسے انتقام کا ہولناک جرم اسکی وجہ میں کھلنے نہ پائے ۔

(د) کسی کو یہ سمجھایا کہ میں توریت وانجیل کا بھی عالم ہوں ۔ خدا کا دستور یہ رہا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ضرور ہوتا ہے یعنی وفات سے قبل نبی ایک شخص کے بارے میں ضرور وصیت اور ہدایت کر جاتا ہے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا ۔ اسی طریقہ کے مطابق حضرت علیؓ حضورؐ کے وصی تھے ۔ انھیں کو حضورؐ کی جگہ خلیفہ ہونا چاہیے تھا[1] ۔ نومسلم تو اس عجمی رسم کے عادی تھے ہی انکے دل میں یہ بات گھر کر گئی ، حالانکہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا کر اسلام نے اسی عجمیت کو توڑا تھا ۔ بس جب ابن سبا نے یہ افسوں زیادہ کارگر دیکھا تو برابر اسی کو دو آتشہ سہ آتشہ کرتا گیا ۔ کسی سے کہا خلفائے ثلاثہ نے حضرت علی کا حق غصب کر لیا ، کسی سے کہا کہ خلفائے ثلاثہ نعوذباللہ کافر تھے ان پر تبرا ہونا چاہیے[2] ۔ کسی سے کہا کہ غیر مستحقین سے خلافت نکالکر حضرت

---

[1] رجال کشی میں ہے کہ ..... ابن سبا نے اسلام ظاہر کر کے حضرت علی کے وصیٔ رسول ہونے ۔ حضرت علی کی امامت کے فرض ہونے ۔ انکے دشمنوں پر تبرّا کیئے جانے ۔ انکے دشمنوں کو کافر کہنے کا عقیدہ ظاہر کیا ۔ اسی سے مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع کی بنیاد یہودیت پر ہے ۔" (ص ۷۱) لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دشمن جنکو کہا ہے یعنی خلفائے ثلاثہ انھیں کو حضرت علیؓ زندگی بھر مسلمان کہتے رہے ۔ ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ان کو اپنا دوست بتاتے رہے ۔

[2] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ،، ۔

علیؓ کو دلوانے کے لئے ایک گروہ کا اور تنظیم کا ہونا بہت ضروری ہے

(۵) یہاں تک کہ اس کمبخت نے بعض سادہ لوحوں سے یہ بھی کہدیا کہ حضرت علیؓ خدا ہیں۔ حضرت علی نے جب یہ سنا تو غالباً ۳۹ھ میں اس کو پہلے تو سختی سے اس کفر سے منع کیا، مگر جب وہ نہ مانا تو آپ نے اُسے آگ میں جلوا دیا۔ وہ جلتے ہوئے بھی یہ کہہ رہا تھا کہ اب تو اور بھی یقین آگیا کہ آپ خدا ہیں اس لئے کہ سوا خدا کے کوئی دوسرا آگ سے عذاب نہیں دیتا۔ اسپر ستر آدمی اور اسی عقیدہ کو زبان سے کہتے ہوئے آئے اور حضرت علی نے ان سب کو بھی آگ سے جلوا دیا۔ نعوذ باللہ۔

اے ابن سبا! لعن خدا برتو نہ کم باد ۔۔۔ از فتنۂ تو دینِ مسلماں گلہ دارد

اسکی اس حرکت پر مثنوی مولانا روم کا وہ یہودی وزیر کا قصہ مشابہت کیوجہ سے یاد آگیا کہ اس نے بھی دین عیسوی میں رخنہ ڈالنے کے لئے مختلف لوگوں کو مختلف عقائد تعلیم کیے اور اسطرح انہیں باہم جنگ کرادی۔ پھر انہیں زیادہ رسوخ حاصل کرنے کے لئے اپنے ہاتھ، پیر، ناک تک کٹوا لینا گوارا کیا۔

میرے نزدیک ابن سبا کے تمام فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک شرارت قبائلی عصبیت کو از سر نو ہوا دینا اور اسکا قائل ہونا تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رنجشیں حضورؐ کے عہد میں بھی باقی تھیں۔ اس کا فر انہ فتنہ کی زد قرآن پر الگ پڑتی ہے اور حضورؐ کی ذات اقدس پر الگ۔ کیونکہ اسکا حاصل یہ نکلتا ہے کہ قرآن کا یہ دعوا بھی غلط ہے کہ تم بھائی بھائی ہو گئے نعوذ باللہ، اور حضورؐ کی برکتِ صحبت بھی غلط ہے، نعوذ باللہ، اس طرح خدا اور قرآن سے بھی ایمان کو زائل کرنا چاہا اور حضور کی رسالت کو بھی ناکام ثابت کرنا چاہا۔ معاذ اللہ منہا۔

(۶) عقائد و خیالات میں انقلاب اور اختلاف پیدا کر دینے کے بعد ابن سبا نے

مسلمانوں میں سیاسی شورش برپا کرنے کا انتظام کیا اس لئے کہ یہودیت کو ملک کا امن ایک آنکھ نہیں بھاتا یہ گروہ گویا سمندر کیڑا ہے کہ آگ کھاتا ہے اور انگارہ ہگتا ہے۔ یہود کبھی بغیر سازش اور شورش کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ آج کی تحریک کمیونزم ہی کو دیکھ لیجئے کہ کس طرح یہ سرخ خطرہ اپنے خونیں واقعات سے اپنے یہودی بانی کارل مارکس کی روح کو خوش کر رہا ہے۔ ابن سبا نے بھی سیاسی انقلاب پیدا کرنے کے لئے تمام اسلامی صوبوں کا خفیہ دورہ کیا۔ پہلے تو اس نے مدینہ ہی میں حضرت عثمانؓ کیخلاف شورش برپا کرنی چاہی مگر صحابہ تو حسب تصدیق خداوندی باہم بھائی بھائی تھے۔ بنوامیہ اور بنو ہاشم میں باہم الفت تھی اس لئے اسوقت مدینہ میں ہاشمیوں ہی نے ابن سبا کی سخت مخالفت کی اور اسے مدینہ سے نکال باہر کیا۔ پھر وہ مصر پہونچا وہاں نومسلموں اور کمزور عقیدہ والوں میں اس نے خلیفہ کے خلاف خوب شورش پھیلائی۔ اسکے بعد کوفہ گیا وہاں بھی اس نے حکومت کیخلاف باغیانہ خیالات کے بیج عراقی اور ایرانی نومسلموں میں اچھی طرح بو دیئے اس کے بعد دمشق پہونچا وہاں اس نے حضرات ابوذرؓ ابودرداؓ اور عبادہؓ کے پاس جاکر حضرت معاویہؓ کی برائی کی حضرت ابودرداؓ نے صاف کہا کہ مجھے تو تو یہودی معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت عبادہؓ اسے پکڑ کر حضرت امیر معاویہ کے پاس لیگئے وہاں سے بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر بھاگا اور حضرت امیر کی بیدار مغزی کے باعث شام میں اسکی دال نہ گل سکی اس کے بعد وہ دوبارہ مصر پہونچا وہاں اس نے رفتہ رفتہ خفیہ طور ایک جماعت بنالی اور اسنے اپنی جماعت کے سامنے لائحہ عمل یہ رکھا۔

۱۔ بظاہر متقی بنے رہو۔ عبادت و ریاضت کرتے رہو تاکہ عوام میں اعتبار بنا رہے

۲۔ خلیفۂ وقت کیخلاف الزام تراشتے رہو اور بے خبر پبلک کے کانوں میں یہ افسوں برابر

پھونکتے رہو۔

۳۔ مقامی حاکموں کو امن قائم رکھنا اور چین سے کام کرنا دشوار بناتے رہو۔ انھیں ظالم اور غیر متدین مشہور کرتے رہو

۴۔ ایک شہر سے دوسرے شہروں میں اپنے حاکموں کے فرضی مظالم لکھ لکھ کر بھیجا کرو۔

۵۔ مدینہ کے اکابر صحابہ کی طرف سے بھی جعلی خطوط دوسرے شہروں میں بھیجو تاکہ اس تحریک سے انکا بھی تعلق ظاہر ہو۔ (تاریخ ملت دوم ص ۲۶۶)

جب یہ فتنہ بڑھا اور خلیفۂ وقت کے خلاف الزامات کی افواہ زیادہ پھیلی اور خود حضرت عثمانؓ کے کانوں تک یہ بات پہونچی تو انھوں نے صحابہؓ کے مشورہ سے ہر صوبہ میں تحقیقاتی وفود بھیجے، ہر جگہ کے وفد نے آکر بیان کیا کہ ہر جگہ کے حالات پرسکون ہیں اور رعایا مطمئن مگر مصر کے حاکم نے یہ اطلاع بھیجی کہ تحقیقاتی وفد کے رئیس حضرت عمارؓ جب یہاں پہونچے تو وہ یہاں کی ایک جماعت کے شریک کار ہو گئے ہیں جن میں عبداللہ ابن سبا۔ محمد بن ابی بکر خالد بن ملجم وغیرہ ہیں۔

جب کچھ دنوں کے بعد بھی یہ فتنہ باقی رہا تو آپ نے تمام صوبوں کے عاملوں گورنروں کو مشورہ کے لئے بلایا۔ سب نے کہا کہ صرف مصر کے چند شر پسند لوگ یہ فتنہ پھیلا رہے ہیں اور

لہ مورخ خضری لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمار کو کسی معاملہ میں کچھ سزا دیدی تھی اس لئے وہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے کچھ کبیدہ تھے اسی طرح محمد بن ابی بکر پر بھی کچھ مطالبہ بیت المال کا آتا تھا حضرت عثمانؓ نے وہ مطالبہ سختی سے وصول کیا وہ بھی حضرت عثمانؓ سے کبیدہ و کشیدہ تھے ابن سبا نے بڑھکر ان دونوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور اپنی جماعت میں ملا لیا اس طرح یہ دونوں اور بھی حضرت عثمانؓ کے مخالف ہو گئے۔ (خضری دوم ص ۲۶۳ بحاصلہ)

سختی کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا،

" آپ لوگوں کا مشورہ میں نے سن لیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ وہی فتنہ نہ ہو جسکی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اگر یہ وہی ہے تو یہ برپا ہو کر رہیگا۔ مگر میری کوشش برابر یہی رہے گی کہ نرمی سے کام لوں اس میں چاہے میری جان چلی جائے مگر میں یہ قمیص خلافت[له] ہرگز نہ اتارونگا۔ کیونکہ مجھے حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ادھر تو تمام صوبوں کے گورنر مدینہ میں تھے ادھر ابن سودا (عرف ابن سبا) نے اپنے کارپردازوں کو لکھا کہ " موقع اچھا ہے ہر صوبہ میں شورش مچا دو " مگر کسی وجہ سے انکو اس ارادہ میں کامیابی نہ ہو سکی۔ اُدھر حضرت عثمانؓ کی نرم پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں امن رہنے لگا ابن سبا بھلا کب چپ بیٹھنے والا تھا اس نے ہر صوبہ میں اطلاع بھیجی کہ " ہر جگہ سے لوگ کثیر تعداد میں مدینہ آئیں، ہم خلیفہ سے بعض شکایات کا جواب لینا چاہتے ہیں " پھر کیا تھا ہر طرف سے

له اسکا راز احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضورؐ کو جہاں اسکی اطلاع دی تھی کہ آپکی شریعت ابدی ہے وہیں غالباً اسکی بھی اطلاع دی ہو گی کہ تحریف دین کا ایک فتنہ حسب دستور قدیم آپکی شریعت کو بھی پیش آنیوالا ہے اسکے لئے ضرورت ہے کہ جس طرح ہم نے دشمنان دین کی ناپاک تدابیر کو خود آپ کی نبوت و حیات تک نہیں پہونچنے دیا آپ بھی انتظام کر جائیے کہ جب تک آپکی خلافت ہم رنگ نبوت باقی رہے اسوقت تک دشمنوں کے ناپاک ہاتھ اسکے دامن تک نہ پہونچنے پائیں، چاہے خلیفہ کو جان دینی پڑے مگر وہ دشمنوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں، تخت خلافت نہ چھوڑیں کیونکہ خلیفہ ہم رنگ نبی کے معزول ہونے میں بھی ایک شبہہ اور ایہام ہو سکتا ہے آپکی نبوت کے ناکام ہونے کا۔ بس پھر اس کے بعد ہم دین کو مٹنے سے (بقیہ صفحہ ۴۷ پر)

وفود مدینہ پہونچنے لگے آخر انھوں نے خلیفہ کیخلاف اپنی شکایات پیش کیں، حضرت عثمان رض نے ان کے جوابات معقول دیئے، جس سے شبہات یا الزامات دور ہو گئے۔ اس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے مگر شورش پسند طبائع پھر بھی باز نہ آئے۔ ابن سبا نے سبکو لکھا کہ" لوگ حج کو گئے ہیں موقع اچھا ہے تم لوگ بھی حج اور عمرہ کے نام سے پھر نکلو۔ اس مرتبہ یا تو ہم خلیفہ کو معزول کر کے کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کریں گے یا پھر جنگ کر کے خلیفہ کو قتل کر کے رہیں گے"

چنانچہ پھر ہر صوبہ سے لوگ پہونچنے لگے اہل مصر حضرت علی رض کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اہل بصرہ حضرت طلحہ رض کو اور اہل کوفہ حضرت زبیر رض کو۔ الغرض یہ وفود مدینہ سے تین منزل باہر ٹھہرے۔ چند آدمیوں کو ان حضرات کا عندیہ لینے کے لئے بھیجا مگر سبھوں نے اس نامبارک حرکت کی سختی سے مخالفت کی اور وفود کو واپس جانے کا مشورہ دیا۔ وفود نے بھی سب پر یہی ظاہر کیا کہ اب ہم اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔ اہل مدینہ یہ دیکھکر مطمئن ومنتشر اور انکی طرف سے غافل ہو گئے، ناگاہ اگلے ہی دن انھیں وفود نے مدینہ پر حملہ کر دیا یہ دیکھکر اہل مدینہ گھبرا گئے حضرت علی رض نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ تو اپنے اپنے گھروں کی

(گذشتہ سے پیوستہ) بچا لینگے اس کے بعد کی خلافت بشکل ولایت ہوگی اس میں گو تلوار چلے خون بہے مگر اس سے دین پر حرف نہ آسکے گا"۔ مشکوٰۃ میں مناقب شیخین میں حدیث ابی بکرہ ہے جس میں حضور صلعم۔ ابوبکر رض۔ عمر رض۔ عثمان رض کے وزن کیئے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں صاف اشارہ ہے کہ حضرت عثمان رض تک خلافت ہمرنگ نبوت رہیگی یہی اصل وجہ اسکی کہ حضرت عثمان رض نے قمیص خلافت نہیں اتاری خوب کہا ہے کسی نے سے چو حافظ مصحف خدا ہست غنی + دین است غنی و دین پناہ است غنی + سر داد نداد حکم دروست یہود + حقا کہ بنا ر لا الہ است غنی۔

واپس جانے کا وعدہ کر کے چلے گئے تھے پھر کیوں پلٹ آئے؟ تو مصریوں نے ایک جعلی[1] خط فرمان کا نکالکر دکھایا کہ دیکھئے یہ خط خلیفہ کیطرف سے والی مصر کو لکھا گیا اور بھیجا جا رہا تھا کہ جب ہم لوگ واپس مصر پہونچیں تو والی ہمیں قتل کر دے۔ یہ خط اتفاق سے ہمارے ہاتھ لگ گیا اس فریب کا انتقام لینے ہم لوگ آئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ سے پوچھا کہ یہ مصری لوگ خیر آئے تو آئے تم لوگ ان کے ساتھ کیوں ہو؟ کہنے لگے ہم انکی مدد کو آئے ہیں آپ نے پوچھا کہ آخر تمھیں اسکی اطلاع کیونکر ہوئی کہ ان پر کوئی مصیبت آرہی ہے؟ اس پر وہ لاجواب[2] ہو گئے مگر چونکہ وہ طے کر کے آئے تھے کہ اس مرتبہ یا تو حضرت عثمان کو معزول کر دینگے یا شہید اس لیۓ حضرت عثمانؓ پر الزام لگانے کے لیۓ جعلی خط تیار کیا تھا۔ اسی اشتعال میں انھوں نے حضرت علیؓ سے صاف کہدیا کہ "اس شخص کا خون اللہ نے ہمارے لیۓ حلال کر دیا ہے" (نعوذ باللہ)

یہ سنکر حضرت علیؓ - - - - - - - - - - - - - - - - خاموش اور مایوس ہو کر مدینہ سے باہر جا کر رہنے لگے۔ البتہ حضرات حسنینؓ کو خلیفۂ وقت (جو ان کے خالو تھے) کی حفاظت کے لیۓ چھوڑ گئے۔ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ ہوا جو چالیس دن تک ممتد رہا آپ کو مسجد نبوی تک جانا ظالموں نے دشوار کر دیا اٹھارہ دن تک آپ پر کھانے اور پانی تک کی بندش کر دی۔ صحابہؓ نے رائے دی کہ آپ فوج کو حکم دیجیے کہ وہ ان مفسدین پر حملہ کر کے انکو منتشر کر دے بعض نے آپکو مدینہ چھوڑنے کا مشورہ بھی دیا۔ مگر آپ نے جواب دیا

---

۱ ابن العربی مالکی نے "العواصم من القواصم" کے حاشیہ میں تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ یہ خط جعلی تھا کیونکہ عراقی اور مصری باغیوں کے چلے جانے کے بعد بھی مالک اشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ میں تھے

۲ بلکہ انھوں نے کہا "ہمکو آپکا ایک خط ملا جسمیں آپ نے ہمیں لوٹ آنے کا حکم دیا تھا" اس پر حضرت علیؓ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے کوئی خط نہیں لکھا۔ (خلاصۃ المنتقی اللذھبی) یہ دونوں حاشیے افادات فاضل اعظمی ہیں

"میں مسلمانوں کی تلوار مسلمانوں پر نہیں اٹھنے دونگا۔ کیونکہ حسب ارشاد
نبوی ایک بار آپس میں تلوار اٹھنے کے بعد پھر امت میں برابر خون ریزی ہوتی رہیگی
اور میں مدینہ چھوڑونگا بھی نہیں، نہ میں اپنے غلاموں کو یا دوسرے مسلمانوں کو مدافعت
میں لڑنے دونگا کہ اس سے حرم مدنی کی حرمت ضائع ہوگی"۔ (تاریخ ملت دوم ص ۲۹۱-۹۲ تغیر یسیر)

بالآخر ابن سبا نے اور اس سے فریب خوردہ عام مفسد مسلمانوں نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ (۲۰ مئی ۶۵۶ء) کو خلیفہ برحق۔ داماد رسول۔ رسول کے "دست راست" گویا نفس نبی جامع قرآن۔ پیکر حیا۔ غنی فیاض۔ محسن خلائق کو شہید ہی کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تھا ابن سبا کا وہ عظیم فتنہ جو جنگ جمل پھر جنگ صفین پھر شہادت علی و حسن و حسین کا سبب بنا

ع تفو بر تو اے ابن سوداء تفو۔ یہ پہلا دن تھا جب حرم مدینہ کا احترام برباد ہوا۔

ابن سبا کے اس تباہ کن منصوبہ یعنی بیگناہ خلیفۂ وقت کیخلاف شورش کی بلاخیزی اور ہمہ گیری کا اندازہ حسب ذیل دو روایات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

(الف) بخاری میں ہے کہ "ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مصری نے پوچھا کیا آپکو یہ معلوم ہے عثمان جنگ بدر میں نہیں تھے آپ نے فرمایا ہاں معلوم ہے۔ پھر پوچھا کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عثمان بیعت رضوان میں بھی نہیں تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں نہیں تھے اس نے پھر پوچھا کیا آپ کو اسکی خبر ہے کہ عثمانؓ غزوہ احد سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ آپنے فرمایا ہاں یہ بھی ہوا تھا۔ بس اس نے فاتحانہ مسرت سے زور سے اللہ اکبر کہا۔ جب وہ خوب خوش ہولیا تو آپ نے فرمایا اچھا اب ادھر آ، اور ان الزامات کی حقیقت بھی سن لے بدر سے انکی غیر حاضری اس لئے تھی کہ حضورؐ کی صاحبزادی رقیہ جو انکے نکاح میں تھیں بیمار تھیں حضورؐ نے انکو حکم دیا تھا کہ تم جنگ میں نہ جاؤ انکی تیمار داری کرو تم کو سب کے برابر اجر اور

حصہ ملیگا۔ اور بیعت رضوان میں نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ اہل مکہ سے صلح کرنا چاہتے تھے
اس کام کے لئے باثر اور ذی وجاہت عثمانؓ سے زیادہ کوئی نہ تھا حضورؐ ہی نے انکو مکہ
بھیجا تھا پھر انکی شہادت کی افواہ پر جب بیعت لی جانے لگی تو حضورؐ نے اپنے دست راست
کو فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور اسے اپنے بائیں ہاتھ پر رکھکر انکی طرف سے خود بیعت کرلی
رہا جنگ احد میں فرار تو خوف جان سے اور ہوش میں نہیں تھا بلکہ حضورؐ کی شہادت کی خبر سنکر
بدحواسی اور بے اختیاری میں ہوگیا تھا اور اسے بھی خدا نے دوبار معاف فرمادیا۔ لے یہ
اصل واقعہ بھی اپنے ساتھ اپنے اہل وطن کے لئے لیتا جا" معلوم ہوا کہ ایسے ہی بے بنیاد
الزامات لگاکر لوگوں کو اس نے بدظن اور کفر میں مبتلا کردیا تھا۔

(ب) معجم کبیر طبرانی میں ہے:۔ حضرت سعیدؓ کہتے ہیں کہ "ہم حضرت علیؓ کے پاس بیٹھے تھے
انکی داہنی طرف حضرت عمارؓ اور بائیں طرف محمد بن ابی بکر (جو حضرت علیؓ کی پرورش میں تھے)
بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے آکر پوچھا کہ اے امیر المومنین آپ کی رائے
حضرت عثمانؓ کے بارہ میں کیا ہے؟ عمارؓ اور محمد جلدی سے بول پڑے" تو ایسے شخص کے بارہ میں
کیا رائے پوچھتا ہے جس نے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کیا (نعوذ باللہ) اور منافق ہوگیا" (نعوذ باللہ)

لے رب اغفر لابی انہ کان فی ھذا من الضالین اللہ تعالیٰ اس بزرگ کو معاف کرے انکی یہی سب حرکتیں تھیں جنپر حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے مصر میں انکو پکڑا اور باوجود حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی سفارش کے بھی نہیں چھوڑا اور قاتلین عثمان میں ہونے کے جرم میں انکو گدھے کی کھال میں زندہ سلواکر آگ لگادی اور جلوادیا۔ ابن سبا کی صحبت میں رہنے کی سزا انکو ملی تھی۔ اے اللہ انکے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طفیل میں اور انکے بیٹے قاسم بن محمد فقیہ مدینہ رضی اللہ عنہ کے طفیل میں انکی اس دنیوی سزا کو انکی سزائے آخرت کا وقایہ بنادے اور انکے گناہ (اختلاط با ابن سبا) کو انکے والد اور انکے فرزند کے طفیل بخشدے (آمین)۔

اس نے ان دونوں سے کہا کہ نہ تو میں تمھارے پاس آیا ہوں اور نہ تم سے پوچھ رہا ہوں حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "جو کچھ ان دونوں نے کہا خیر وہ تو میں نہیں کہتا۔۔۔" آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ دونوں برہم ہوکر (حضرت علیؓ) سے کہنے لگے "تو پھر ہم نے انھیں قتل کیوں کیا ہے؟ (مطلب یہ کہ کیا آپ انکو مسلمان اور ہمیں ایک مسلمان کا قاتل کہنا چاہتے ہیں) تو آپ نے فرمایا وہ خلیفہ با اختیار تھے، مگر اخیر دنوں میں انھوں نے بری حکومت کی کہ لوگ بدگمان ہوگئے تم لوگوں نے انھیں قتل کیا تو یہ بہت برا کیا۔ واللہ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمانؓ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے بھائی بھائی کی طرح دل صاف کرکے جنت کے تختوں میں آمنے سامنے بیٹھے ہونگے" (جمع الفوائد ج ۲ صفحہ ۲۱۱ بحوالہ معجم کبیر طبرانی)

(۴) سیدنا عثمانؓ کو شہید کرکے پہلے تو ذریت ابن سبا نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ آپ خلیفہ بنجائیں آپ نے منظور نہ فرمایا کیونکہ بلوائیوں کی تجویز و تحریک انتخاب اور شوریٰ امت میں معتبر نہ ہوتا۔ مگر جب تین دن بعد بلوائیوں نے دوبارہ کہا اور بعض مہاجرین و انصار نے بھی قبول خلافت کی درخواست کی تو آپ نے قبول فرمالیا۔ اسوقت سے سبائیوں نے آپ کا پیچھا اس طرح پکڑا کہ آپ کسی وقت مہاجرین و انصار سے اطمینان سے مل نہ سکتے تھے اور انکے بعض مشوروں پر عمل نہ کرسکتے تھے۔ ابن سبا کے ہمنوا دوست بنکر حضرت علیؓ کے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ مالک اشتر آپ کا مشیر کار اور دست راست بنا ہوا تھا۔ بعض صحابہ نے بیعت میں کچھ تامل کیا تو اشتر نے مشورہ دیا کہ انپر سختی کیجئے انھیں قید کیجئے۔ حضرت سیدنا زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما جو عشرۂ مبشرہ میں تھے جب بیعت سے کچھ رکے تو اسی اشتر نے تلوار نکال کر کہا کہ بیعت کرو ورنہ گردن اڑادونگا اور حضرت علی نے نہ اسکو منع کیا اور نہ سنت صدیقی کے مطابق ان کو مہلت دی۔ غرض سبائیوں نے اپنے مکر و زور سے کچھ اس طرح

اپنا اثر پھیلا رکھا تھا کہ آپ کا انکے فریب میں آجانا کچھ بعید یا قابل تعجب نہیں رہ گیا تھا۔

(۵) چونکہ سبائیوں کے پیش نظر بغض علی ہی نہیں بلکہ بغض اسلام تھا اس لئے وہ بڑے پیمانہ پر مسلمانوں میں شورش پھیلانا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے ہر وقت حضرت علی کیساتھ رہ رہ کران سے چند در چند سیاسی غلطیاں کرادیں اور آپ کے بھی دیانۃً یہی سمجھ میں آیا کہ ایسا کرنا درست ہے۔ ان امور پر اجتہادی غلطیاں ہونے کے باعث عنداللہ تو یقیناً حضرت علیؓ پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ ایک ثواب ہی ملیگا۔ مگر نتیجہ کے لحاظ سے اور دوسرے صحابہؓ کا مشورہ نہ ہونے کے لحاظ سے فیصلہ یہی ہے کہ وہ سیدنا علی کی سیاسی غلطیاں تھیں اور تھیں۔

ایک یہ کہ سبائیوں نے عمال عثمانی کے بارہ میں آپکو باور کرا دیا کہ وہ سب نالائق ہیں اور معزول کئے جانے کے قابل ہیں۔ آپ اس افسوں سے اسدرجہ شدت کے ساتھ متاثر ہوئے کہ آپنے خلیفہ ہونے کے بعد پہلا کام یہی کیا کہ ہر سابق عامل اور والی (گورنر) کو معزول کیا اور انکی جگہ نیا گورنر متعین کرکے مختلف صوبوں کو روانہ فرمادیا۔ اس موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو حضرت علیؓ کے طرفدار تھے (اور شاید ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی) آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ ابھی اسمیں جلدی نہ کیجئے ایک سرے سے عزل عمال سے ہر صوبہ میں اک آگ سی لگ جائیگی مبادا یہ عمال آپ کے مقابلہ پر آجائیں۔ کیونکہ ابھی تک نہ آپنے انھیں بیعت کی دعوت دی اور نہ انھوں نے بیعت کی۔ یہ رائے بہت معقول اور صائب تھی، مگر سبائیوں کا مشورہ زیادہ قوی التاثیر ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ نے حضرت مغیرہؓ جیسے مشہور سیاست داں وہی خواہ کے مشورہ پر عمل نہ کیا بلکہ بلوائیوں کی ہی رائے پر عمل کیا آخر وہی ہوا جو حضرت مغیرہ نے کہا تھا۔ ہر صوبہ میں نئے گورنروں کے پہنچنے پر نئے اور پرانے گورنروں میں اور حکومت اور رعایا میں وہ زبردست تصادم ہوا کہ خدا کی پناہ! ہر جگہ شورش

پھیلی اور ابن سبا کا علی سے انتقام میں یہ پہلا قدم تھا اسکے بعد حضرت علیؓ کے وقار کو خلافت کے وقار کو، اسلام کی اجتماعیت کو صدمہ پہونچنا شروع ہوا۔ حضرت علیؓ کے خلاف ہر جگہ ایک جماعت پیدا ہو گئی اور لوگوں کے دلوں میں خلافت وقت کی طرف سے میل بیٹھنے لگا جو ابن سبا کا عین منشا تھا۔ "اے ابن سبا لعن خدا بر تو نہ کم باد"

(۶) حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے پر صحابہ کی ایک جماعت نے جنہیں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے آکر مشورہ دیا کہ اب آپ سب سے پہلے حضرت عثمان کا قصاص لیجئے مگر حضرت علیؓ کچھ اس طرح ان بلوائیوں سے گھرے اور انکے ہر وقت کے مشوروں سے دبے ہوئے تھے کہ آپکو یہ بات ناممکن سی معلوم ہونے لگی۔ سبائی بھلا قصاص عثمانؓ کا تخیل کیونکر حضرت علی کے دماغ میں دیکھنا پسند کر سکتے تھے۔ انکی دراندازیوں سے حضرت علیؓ نے فرمایا میں قصاص ضرور لونگا مگر ابھی اسکا موقع نہیں نیز ابھی قاتلین عثمان بھی متعین نہیں ہیں اور ابھی دوسرے ضروری کام درپیش ہیں وغیرہ وغیرہ" بات یہ تھی کہ بلوائی خود ہی اس کا موقع حضرت علیؓ کو نہیں دینا چاہتے تھے کہ انکو آزادی اور اطمینان مل سکے اور وہ دوسرے صحابہ کے ہم خیال ہو کر قصاص عثمان کیطرف متوجہ ہوں اسلئے حضرت علیؓ کی توجہ ایک تو عمال کو معزول کرنے کی جانب لگا دی جیسے ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں دوسرے عبید اللہ بن عمر کے خلاف ہرمزان اور جفینہ کے قصاص کا ایک دفن شدہ مقدمہ دوبارہ اٹھوا دیا تیسرے حضرت علی کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ لوگوں کو بیعت کی عام دعوت لکھ بھیجئے اور جو بیعت نہ کرے اس پر سختی کرنیکا حکم عامل کو دیجئے۔ حضرت علی سنت شیخین دیکھ چکے تھے کہ بیعت سے تخلف اور تامل کرنے پر کبھی سختی نہیں کی۔ بیعت صدیقی سے خود حضرت علیؓ نے تخلف اور تامل کیا تھا۔ مگر چونکہ بیعت کرنا فرض نہیں تھا اسلئے نہ شیخینؓ نے اس

کسی کو مجبور کیا اور نہ سختی کی۔ مگر سبائیوں کے مشورہ سے آپ نے قصاص عثمان لینے میں
توتامل کیا مگر ان شورش انگیز امور کے شروع کرنے میں مطلق تامل نہیں کیا۔ سبائی تو چاہتے
تھے کہ مسلمانوں میں ہر جگہ شورش پھیلے۔ حضرت علی مفسدین کی اس چال کو یا تو سمجھ
نہیں رہے تھے یا مفسدین کی جماعت کو جو اس وقت انکی ہی خواہ و پشت پناہ بنی ہوئی
تھی ناخوش نہیں کرنا چاہتے تھے مگر دوسرے صحابہ تو اسے اچھی طرح دیکھ اور سمجھ رہے تھے کہ
ابھی تو خیر قصاص عثمان کا موقع بھی ہے لیکن اگر کچھ دن اور اسی طرح قصاص کیطرف سے
ڈھیل رہی تو یہ بلوائی اور زیادہ زور پکڑ جائیں گے پھر تو شاید قصاص ناممکن ہی ہو جائیگا
ان صحابہ نے جب حضرت علی رضؓ کا قصاص عثمان رضؓ لینے کے متعلق یہ جواب سنا تو بعض نے سمجھا کہ
شاید حضرت علی قصداً پہلوتہی کر رہے ہیں۔ بعض نے بلوائیوں ہی کو آپ کا مشیر دیکھ کر یہ گمان
بھی کیا کہ شاید قتل عثمان میں حضرت علی رضؓ بھی شریک ہیں۔ بعض نے کہا کہ اگر حضرت علی رضؓ
قصاص جیسے اہم کام کیطرف خود متوجہ نہیں ہوتے تو پھر ہمیں کو اپنے طور پر قصاص لینا
چاہیئے بہر حال قصاص میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔ یہ سوچکر حضرات طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ مکہ تشریف لے گئے
وہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حج کو گئی تھیں ملے اور ان سے مدینہ میں شورش کا
حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کا حضرت علی کی خلافت کا اور انکے قصاص خلیفہ کو ملتوی
کرنے کا حال بیان کیا۔ انکی بھی رائے یہی ہوئی کہ اگر علی قصاص سے پہلوتہی کر رہے
ہیں تو ہمیں کو لازم ہے کہ ہر صوبہ کے بلوائیوں کی تحقیق کریں اور جن پر جرم ثابت ہو انھیں
قتل کر کے خلیفۂ وقت کی امداد کریں۔ یہ سوچکر ۲ ربیع آخر ۳۶ھ کو حضرت عائشہ
وطلحہ و زبیر رضؓ نے بصرہ پہونچکر وہاں کے بلوائیوں کی تحقیقات کر کے انکو قصاص عثمان رضؓ میں
قتل کر دیا۔ (تاریخ ملت دوم صفحہ ۳۲۴) ....

.... قصاص عثمانی کے معاملہ کو سیدنا علی یکسر نظر انداز تو نہیں کرنا چاہتے تھے مگر وہ اسے ثانوی اور ثالثی درجہ دینا چاہتے تھے اور دوسرے صحابہ اسے سب سے اہم اور اقدم جانتے تھے۔ امام طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک کافر قریشی کو باندھکر قتل کرایا اسکے بعد فرمایا "آج کے بعد سے کوئی قریشی باندھکر قتل نہ کیا جائے بجز اس شخص کے جو عثمان بن عفان کو شہید کرے اگر ایسا نہ کروگے تو یاد رکھنا تم لوگ بھیڑ بکریوں کیطرح ذبح کیئے جاؤ گے" (جمع الفوائد مناقب عثمانؓ)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیر جس وقت حضرت علی کو قصاص عثمانی کا مشورہ دینے گئے تھے اس وقت انکو یہ حدیث یاد نہیں آئی۔ ورنہ آپ اپنی بات کی تائید میں یہ حدیث بھی حضرت علیؓ سے نقل کر دیتے اور اس صورت میں بہت ممکن تھا کہ حضرت علیؓ اس پر آمادہ بھی ہو جاتے کیونکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قصاص لینا عین منشاء نبوی تھا نیز بیعت رضوان کا سبب بھی تو یہی قصاص عثمان لینا ہی تھا کہ حضرت عثمان کی غلط خبر قتل پر انکا انتقام لینے کو حضور بنفس نفیس آمادہ ہو گئے اور اسپر سب صحابہ سے بھی جان دینے کا عہد اور بیعت لینے لگے تھے تو حضرت عثمان کے واقعی اور مظلومانہ شہادت پر قصاص لینے کیلئے بھلا حضور کا بلکہ خود حق تعالے کا بھی منشا کیوں نہ ہو گا؟ میرے نزدیک حضرت علی کی خلافت جو ناکام رہی اور آپکی بعد خلافت کی زندگی جو سخت پریشانی میں گزری اسکی واحد وجہ یہی تھی کہ آپ کے اجتہاد میں قصاص عثمان کا درجہ محض ثانوی یا ثالثی تھا۔

(۷) سبائیوں کو ام المومنین، حرم رسول، اعلم صحابہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ

کارنامہ بہت شاق گذرا اور انکو اس آئینہ میں اپنی موت دکھائی دینے لگی تو انھوں نے نمعلوم کس رنگ میں اسے حضرت علی سے کہا کہ حضرت علی ام المومنین کا مقابلہ کرنیکی نیت سے مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور آپ نے اس نامبارک کام کے لئے صحابہ کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت بھی دی۔ صحابہ اول تو ام المومنین حرم رسول شہر علم کی محرم راز سیدہ عائشہ کے مقابل آنے ہی کو برا سمجھ رہے تھے دوسرے وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نہ خود خلافت کرنا چاہتے ہیں نہ انکو حضرت علی کی بیعت سے انکار ہے۔ حضرت علی کیطرف سے قصاص عثمانی جیسے اہم کام میں ڈھیل دیکھکر دیانۃً ان سب کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک جماعت مسلمین ہی کو قصاص عثمان رض لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ قصاص ضرور لیا جائے اور جلد لیا جائے۔ اس لئے ام المومنین کے مقابلہ میں کسی کا بھی جانا فتنہ ہے فتنہ۔ اس لئے دوسرے صحابہ رض نہ خود اس کے لئے نکلے اور نہ حضرت علی کے نکلنے پر خاموش رہے بلکہ انھوں نے نہایت دلسوزی سے حضرت علی کو منع کیا مگر ابن سبا اور اشتر آپکو اس کے خلاف سمجھا رہے تھے اس لئے آپنے صحابہ کا مشورہ قبول نہ کیا اور آپنے مدینۃ الرسول چھوڑ کر بصرہ کا رخ کیا۔ یہ روانگی نتیجہ کے لحاظ سے سخت منحوس اور نامبارک ثابت ہوئی کہ پھر آپکو جوار رسول اور دیار رسول میں آنا میسر نہ ہوسکا۔

"ماں بیٹوں کی جنگ میں غلطی بیٹے ہی کی کہی جائیگی" (درر الفرائد مولانا عاشق آلہی ترجمہ جمع الفوائد صفحہ ۳۱۹) اگر ماں سے ایک اجتہادی غلطی یہ ہوئی تھی کہ خلیفہ کے ہوتے ہوئے قصاص لینے کا حق کسی دوسرے کو بھی ہوسکتا ہے، تو بیٹے سے بھی ام المومنین حرم رسول کی بے احترامی اور مقابلہ کرنے کی غلطی ہوئی جس سے وقار اسلامی کو سخت دھکا لگا۔ آخر مقابلہ کا اعلان کر چکنے

اور جنگ میں دونوں فوجوں کے آمنے سامنے آچکنے کے بعد حضرت علیؓ و عائشہ و طلحہ رضی اللہ عنہم کے درمیان زبانی گفتگو کر لینے سے غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ کاش اعلانِ مقابلہ سے پہلے ہی یہ صفائی ہو جاتی۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

نہ علی تھے دشمن عائشہ، نہ تو عائشہ ہی کو بغض تھا

انھیں ظالموں کا یہ کام تھا کہ پسر کو ماں سے لڑا دیا

(۸) مگر ابن سودا عرف ابن سبا نے اور اسکی ذریت نے اس صلح و صفائی کو اپنے لئے سخت مضر سمجھا۔ ادہر فریقین کے عام سپاہی تو یہ ارادہ کر کے رات کو سوئے کہ کل صبح سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو بخیر و خوبی واپس چلے جائینگے اُدہر ذریت ابن سبا نے مشورہ سے یہ طے کیا کہ اس صلح کو بیکار بنانا چاہیئے ہم رات ہی میں دونوں لشکروں میں تھوڑے تھوڑے پہونچ جائیں اور اُدہر سے اِدہر اور اِدہر سے اُدہر کچھ تیر پھینکدیں پھر دونوں فوجوں کو یقین دلادیں کہ فریق ثانی نے دہوکا دیا شام کو صلح کی بات چیت کر کے اس وقت شبخون مار رہا ہے اسطرح دونوں کو باہم لڑا کر خود الگ رہیں۔ چنانچہ فریقین کو ابن سودا اور اسکی ذریت نے ایک دوسرے سے بدگمان کر کے باہم لڑا دیا۔ پھر سخت جنگ ہوئی جسمیں دس ہزار مسلمان بلا وجہ شہید ہو گئے۔ ؏ - اے ابن سبا لعن خدا بر تو نہ کم باد۔

(۹) جنگ جمل کے بعد سبائیوں نے حضرت علی کو اپنی طرف اور زیادہ مائل کرنا چاہا۔ چنانچہ جنگ کے بعد جب آپ بصرہ سے کوفہ گئے تو وہاں سبائیوں نے آپ کا نہایت پرجوش استقبال کیا۔ یہ دیکھکر حضرت علی کو خیال ہونے لگا کہ یہاں میرے ماننے والے زیادہ ہیں اسی وقت آپنے جوار رسول کی بجائے کوفہ ہی کو دار الخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ؏ - تفو بر تو اے ابن سودا تفو۔ کہ حضرت عثمان کا دشمن بنکر ان سے مسجد نبوی چھڑائی اور حضرت علی

سے دوست بنکر مسجد نبوی چھڑائی۔

(۱۰) مگر چند ہی ماہ بعد ۳۶ھ کے آخر میں سبائیوں نے آپکو حضرت معاویہؓ کے مقابل صِفّین میں صف آرا کر دیا پہلے ہلکی لڑائیاں ہوئیں پھر صلح کے آثار پیدا ہو چکے تھے کہ شبث بن ربعی سبائی نے صلح کے راستہ میں روڑا اٹکا دیا آخر صفر ۳۷ھ میں باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ حضرت علیؓ کا پلہ بھاری تھا کہ یکایک حضرت معاویہؓ کو (از خود یا دوسروں کے مشورہ سے) ایک تدبیر سوجھ گئی، وہ وقت کے بہترین سیاست داں تھے اور سبائیوں کے حالات کا عرصہ سے بغور مطالعہ کرتے رہتے تھے انھیں یقین تھا کہ یہ سبائی بلوائی جو حضرت علی کے ساتھ نظر آرہے ہیں دل سے انکے ساتھ نہیں ہیں، یہ کسی ادنیٰ موقع پر بھی فوراً حضرت علی کا ساتھ چھوڑ بیٹھینگے اس لئے آپ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرو اور یہ نعرہ لگاؤ" آؤ قرآن ہمارے تمھارے درمیان حکم بنے جو اس کا فیصلہ ہو فریقین اُسے مان لیں" حضرت امیر معاویہ کا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔ سبائی نہ دل سے حضرت علی کے دوست تھے نہ حضرت امیر معاویہ کے دشمن۔ وہ تو صرف موقع کی تاک میں تھے اور اپنے کو شیعۂ علی کے پُرفریب لیبل کی آڑ میں چھپائے ہوئے تھے، نیزوں پر قرآن دیکھکر انھیں تو حضرت علی کو بدنام کرنے انکی مخالفت کرنے، بلکہ ان سے بغض دیرینہ نکالنے کا ایک موقع ہاتھ آگیا۔ انھوں نے فوراً جنگ سے ہاتھ روک لیا۔ اب وہی حضرت علی جو انکے نزدیک کبھی خلیفۂ برحق اور انکے محبوب اور بقول ابن سبا وصیٔ رسول بلکہ خدا تھے، وہی حضرت علی جنکا استقبال ابھی حال میں بڑا شاندار کیا گیا تھا وہ حکم پر حکم دے رہے ہیں کہ "یہ سب فریب ہے ان کے

مطلب یہ کہ قصاص عثمانی میں ہمارا اور علی کا اختلاف ہے۔ آؤ قرآن کا فیصلہ مانیں، اگر اس میں قصاص لینا ضروری لکھا ہو تو اسی کو سب مانیں۔ طبری ج ۶ ص ۲۳ پر ہو کہ جنگ جمل میں حضرت علی نے بھی قرآن بلند کرکے لوگوں کو جنگ سے روکنا چاہا تھا

دھوکہ میں نہ آؤ۔ لڑائی جاری رکھو۔ فتح ہمارے بہت قریب ہے۔ مگر سبائی ہیں کہ سنتے تک نہیں اور جب حضرت علی نے اس نافرمانی کو محض ایک اتفاقی ظاہری سرکشی سمجھ کر انکو ڈانٹا اور حملہ کے لئے انکو مجبور کرنا چاہا تو انھوں نے جنہیں زیادہ نمایاں ابن کوا۔ اشعث بن قیس کندی[عہ]۔ مسعر وغیرہ تھے نہ صرف یہ کہ انھوں نے لڑائی بدستور بند ہی رکھی بلکہ اپنے کو بے نقاب کردیا اور حضرت علی سے صاف کہدیا "یا تو آپ لڑائی بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو کل عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں" (خلافت راشدہ ص ۳۸۲ تا ۳۹۴ء) یہ سنکر حضرت علی بیحد گھبرائے اور مجبوراً آپکو لڑائی بند کرنے کا حکم دینا پڑا۔ اور جیتی ہوئی بازی ہارنی پڑی۔ ع۔ تفو بر تو اے ابن سود اتفو۔

نکتہ (۱) یہ موقع حضرت علی کے لئے نہایت نادر تھا کہ آپ اپنی فوج کی اس صریح نافرمانی اور دھمکی سے حضرت حسن کیطرح متنبہ ہو جاتے اور حضرت امیر معاویہ سے صلح کرکے قصاص عثمانی لیتے اور قاتلین عثمان جو اس موقع پر بے نقاب ہو گئے تھے۔ انکو سزا دیتے۔ مگر حضرت علی نے یہ نادر موقع کھو دیا۔ یہ انکی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔

(۲) یہاں یہ بات دوبارہ خوب واضح ہو جانی چاہیئے کہ آخر یہ کیا راز تھا کہ انکی

[لہ] یہی چیز تھی جس سے حضور نے حضرت عثمان کو منع کیا تھا کہ مفسدین تم سے امر خلافت چھیننا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق چلانا اور خلیفۂ وقت کو بے اثر اور اپنا تابع بنانا چاہیں گے مگر تم انکے ہاتھ کی کٹھ پتلی نہ بننا۔ تم انکے خواہش کیخلاف ہی کرنا ورنہ پھر تو امر خلافت بچوں کا کھیل ہو جائیگا۔ اور چونکہ "خلافت ہمرنگ نبوت کے آثار تو تمھارے اندر تک رہیں گے، تمھارے بعد ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے تم قتل وشہید ہو جانے کو گوارا کر لینا مگر انکے ہاتھوں میں بے بس نہ بننا۔

عہ۔ یہ روایت تاریخ ملت دوم ص ۳۵۱ کی ہے مگر اشعث دراصل خارجی نہ تھے۔

دو منٹ قبل تک لشکر علوی کے ہر فرد کیطرح یہ سبائی بھی بظاہر شیعہ علی اور ان کے محب تھے انکو وصی رسول، خدا ماننے والے تھے یہ قرآن بلند ہونے ہیں ایسی کونسی نئی تاثیر پیدا ہو گئی کہ کچھ لوگ حضرت علی کے مخالف ہو گئے - جنکو تاریخ نے خارجی کہہ دیا جنکے لئے دو منٹ کے اندر حضرت علی کی مخالفت انکی بدگوئی، انکو قتل کی دھمکی دینا سب کچھ جائز ہو گیا - اب تک یہی لوگ علی کے دوست بنکر خلفاء ثلاثہ کو برا کہتے تھے اب دو منٹ کے اندر یہی لوگ شیخین رضؓ کے دوست بنکر علی کو برا کہنے لگے - یہ ایک تاریخی معما ہے جسے بعض طبائع فہم و ذہن پر پھپھوند جما کر اس پر سے سرسری گذر جاتی ہیں - لیکن اس راز پر سے پردہ اٹھنا اور اس معمے کا حل ہونا بھی ضروری ہے - بات وہی ہے جو حضرت امیرؑ نے سمجھی تھی کہ وہ لوگ پہلے بھی دل سے حضرت علی کے طرفدار نہ تھے وہ حضرت علی کو اپنی اغراض فاسدہ کے مطابق اپنے اشاروں پر چلانا چاہتے تھے - قرآن بلند ہونے کے بعد اگر انکا ایک حصہ حضرت علی کا دشمن ہو گیا تو بقیہ سبائی بھی حضرت علی کے دشمن ہی تھے، فرق صرف خفیہ اور علانیہ کا تھا - اس کے علاوہ یہ دشمنی خلیفہ تسلیم کرنے کے وقت ہی سے تھی قرآن بلند ہونے کے بعد نہیں پیدا ہوئی - سبائیوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت اس موقع پر اپنی جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا ضروری سمجھا - پھر اگر خارجی بددین تھے تو یقین رکھئے کہ بقیہ سبائی جو علانیہ شیعہ علی بنے رہ گئے مگر خفیہ خارجی تھے، وہ بھی بددین بلکہ کافر تھے جنکا کفر سیدنا حسنؓ کو ایذا دینے کیوقت کھلا سچ کہا ہے کسی نے ؎

ہیں خارجی بددین پر ان سے تو ہیں اچھے[1] ۔ قائل تو ہیں شیخینؓ کے، قرآن کے، نبیؐ کے

---

[1] حافظ ذہبی ان روافض سے پھر خوارج کو بہتر سمجھتے ہیں - والخوارج مع مروقهم من الدين فهم من اصدق الناس والروافضة يقرّون بالكذب حيث يقولون "ديننا التقية" وهذا هو النفاق (رسالہ دار العلوم مارچ ۱۹۶۲ء)

(۱۱) ابن سبا اور اسکی ذریت نے جب اچھی طرح حضرت علی کو تول لیا پھر تو انھوں نے آخر وقت تک حضرت علی کو سخت پریشان رکھا اور اکثر حضرت علی پر دباؤ ڈال ڈالکر انکو ایسے رخ پر چلنے پر مجبور کیا جس میں حضرت علی کا کھلا ہوا نقصان تھا۔ مثلاً جب آپنے تحکیم کے موقع پر اپنی نمائندگی کے لئے ایک ہوشیار، بیدار مغز، معاملہ فہم صحابی حضرت عبداللہ بن عباس کو نامزد فرمایا تو آپکے لشکر کے انھیں علانیہ شیعہ مگر خفیہ خارجیوں نے اسکی مخالفت کی اور حضرت علی کو مجبور کیا کہ وہ ایک سیدھے سادے بھولے بھالے صحابی ابو موسیٰ اشعری کو اپنی جانب سے حکم بنائیں تاکہ حضرت علی کا پہلو کمزور رہے (تاریخ ملت دوم ص۳۵۴) چنانچہ اس کے نتیجہ میں آپ کو خلافت سے معزول ہونا پڑا۔ یہ تھی ابن سبائی دوستی۔ سچ کہا ہے غالب نے "ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو"۔

منقبت علی میں ایک مشہور حدیث ہے انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ یعنی اے علی تمھارا تعلق مجھ سے ویسا ہی ہے جیسا ہارون کا موسیٰ سے تھا ہاں مگر میرے بعد کوئی نبی ممکن نہیں۔ اس میں جہاں ایک غزوہ میں حضرت علی کو اپنا جانشین بنانے کی تشبیہ حضرت ہارون کے خلیفہ موسیٰ ہونے سے دی ہے وہیں میرے نزدیک ایک اشارہ شاید اس طرف بھی ہے کہ جس طرح حضرت ہارون کی بات یہودیوں نے نہیں مانی تھی اور انکو پریشان کیے رکھا تھا ویسے ہی اے علی جب تم خلیفہ ہو گے تو تم کو بھی یہودی پریشان رکھیں گے اور تمھارا کہنا نہ مانیں گے۔ اس صورت میں تشبیہ زیادہ مکمل ہوتی ہے۔ بالآخر تحکیم کے بعد انھیں سبائیوں نے خلافت تقسیم کرا کے چھوڑی۔ شام میں حضرت معاویہؓ نے اپنے لئے بیعت لی اور وہ وہاں خلیفہ ہو گئے اور عراق میں حضرت علی نے اپنے لئے دوبارہ خلافت کی بیعت لی۔ اسطرح اجتماعیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ وقار اسلامی کو سخت صدمہ پہونچا

نظام اسلام درہم برہم ہوکر رہا اور یہی ابن سبا کا منشا تھا ع تفو بر تو اے ابن سوا تفو۔

(۱۲) جب حضرت علی نے خوارج سے تین جنگیں کرنے کے بعد اپنی فوج سے شام پر حملہ کرنے کے لئے کہا تو یہ انا ھھنا قاعدون کہنے والوں کے سپوت پچاس بہانے کر کے بیٹھے ہی رہ گئے حضرت علیؓ نے اسوقت لاکھ لاکھ زور لگایا بڑے بڑے پرجوش خطبے دیئے مگر یہ ٹس سے مس نہوئے۔ آخر مجبوراً آپ کو شام پر حملہ کا خیال ترک کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ جب تک انکو انتشار پیدا کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اسوقت تک تو اپنی غرض کیوجہ سے حضرت علیؓ کو وصی رسول، شیخین سے افضل، امام مفترض الطاعۃ زبان و عمل سے ظاہر کرتے رہے مگر جب انھوں نے اسلام کے جمہوری نظام کو توڑ کر دھر دیا خلیفہ کا وقار خود نافرمانی کر کر کے دلو سے اٹھا دیا۔ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ خلافت کو دو حصوں میں تقسیم کرا دیا اور خلیفۂ وقت کو بالکل مجبور و بے بس بنا دیا تو یہی باتیں تو انکی کامیابیوں کی انتہا تھیں۔ اسکے بعد وہ حضرت علی کا حکم مانتے تو کیوں؟ اور آپ کی طرف سے کسی سے لڑتے تو کس لئے؟ اخیر عقلی طور انکو صرف اتنا کرنا رہ گیا تھا کہ کسی طرح حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کو ختم کر دیں۔ چنانچہ آخر اسے بھی کر ہی گذرے۔

نکتہ نادرہ۔ سیدنا علی نے اس موقع پر جو خطبے اپنی فوج کو ابھارنے کے لئے دیئے ہیں وہ سب کے سب کتاب نہج البلاغۃ میں موجود ہیں اب تک دنیا اس فریب میں مبتلا تھی کہ خطبے کل کے کل فی الحقیقت حضرت علی کے خطبے اور خطوط ہیں۔ یہی ظاہر کر کے ایک جماعت اس کتاب کی بیحد قدر کرتی اور اسے نعوذ باللہ قرآن مجید کے برابر یا اس سے افضل جانتی ہے مگر خدا بھلا کرے محققین کا انھوں نے تاریخ اور درایت سے ثابت کردیا

(الف) یہ خطبات حضرت علی کی شہادت سے کچھ اوپر تین سو سال بعد دنیا کے سامنے

اسی طرح پیش کیے گئے جس طرح پولس یہودی نے رفع عیسیٰ کے کافی مدت بعد ان کے ملفوظات دنیا کے سامنے پیش کیے

اب یہ خطبات منسوب ہیں صرف حضرت علی کی جانب ورنہ دراصل یہ تصنیف ہیں تین روافض کی ایک سید شریف مرتضیٰ اور دوسرے اس کا بھائی علامہ شریف رضی تیسرے محقق طوسی۔ ان باپ بیٹے روح القدس نے باہمی مشورہ سے جنگ جمل و صفین کے واقعات کی زمین پر خوب خوب تحریف کی نقاشیاں اور صحابہ کی بدگوئی کی گلکاریاں کی ہیں۔ خیر یہ تو محققین کی سعی مشکور تھی اب ایک کانٹے کی بات میں عرض کرتا ہوں اور وہ اول وہلہ میں خواہ کتنی ہی اجنبی اور نامانوس معلوم ہو مگر غور کرنے کے بعد اسکی حقیقت اور حقیقت دل میں اترے بغیر اور اپنے کو منوائے بغیر رہ نہیں سکتی وہ یہ کہ ذریت ابن سبا اس لئے اور محض اس لئے اس کتاب کی قدر کرتی اور اسے اچھالتی ہے کہ وہ انکی گوناگوں مساعی کی بہترین شاہکار، انکی ناپاک غرض دشمنی اسلام کیلئے ایک محفوظ آرٹ اور ان کے متعدد اعمال کی مجموعی یادگار ہے کیونکہ ان میں حضرت علی کی انتہائی بے بسی اور مجبوری اور سبائیوں کی بالادستی، احکام علوی سے نافرمانی اور سرکشی، خلافت اسلامی کی عہد علوی میں ناکامی، مسلمانوں کی مسلمانوں سے شمشیر زنی اور ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کے قتل کی دردناک تاریخ یہ سب نمایاں ہے اور انمیں سے ایک ایک چیز ذریت ابن سبا کا عین منشا، انکی کوششوں کا نتیجہ اور انکی کامیابی کی تاریخ ہے۔ وہ اس کتاب کے ذریعہ اپنی کامیابی پر خوشی منانا چاہتے ہیں، نہ کہ حضرت علی کی خطیبانہ اہمیت دکھانا۔ وہ اس کے ذریعہ اپنی اسلام دشمنی کیوجہ سے صحابہ کو بھی اور حضرت علی کو بھی (بزعم خود) رسوا کرنا چاہتے ہیں نہ کہ عظمت، وہ اس کے ذریعہ

مدح نہیں حضرت علی کی ہجو بلیغ کرتے ہیں۔

(۱۳) آخر ۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ کو تین خارجیوں نے جو پہلے شیعہ علی ہی تھے حضرت علی ومعاویہ وابن العاص رضی اللہ عنہم کو شہید کرنا اور اپنے جذبہ اسلام دشمنی کو تسکین دینا چاہا تھا یہ کہ عالم اسلام میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے انکی جڑ یہی تینوں ہیں انکے قتل سے ہر جگہ سکون ہو جائیگا۔ اے سبحان اللہ! بڑے صاف باطن بڑے پاک طینت" چنانچہ ایک سازش کے ماتحت تین خارجی ان حضرات کے لیئے ۱۷ رمضان کی نماز فجر کا وقت معین کر کے گھات میں لگے موخر الذکر صحابہ تو بحکم الٰہی بچگئے مگر ابن ملجم نے جو بحکم حدیث "اشقی ھذہ الامۃ" تھا کوفہ میں حضرت علی کو شہید کر کے خیبری یہودیوں کے انتقام کی دیرینہ تمنا پوری کرلی اور اسلام سے بغض کا مظاہرہ کردیا۔ ع۔ اے ابن سبا لعن خدا بر تو ندکم باد۔

(۱۴) لیکن ابھی سبائیوں کے سامنے سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما باقی تھے جن سے انکو اسلام کا خیبری یہودیوں کا انتقام لینا اور شہید کرنا تھا۔ شہادت علی کے بعد اہل کوفہ ہی نے یہ ...... کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت حسن کو اپنا خلیفہ بنانا تجویز کیا اور ایک منٹ کیلئے نہ سوچا کہ ہمارے اس فعل سے کہ باپ کی جگہ بیٹے کو خلیفہ بنایا جائے۔ سنت خلفا کا خون ہو رہا ہے اور اسلام میں رسم عجم جاری ہو رہی ہے اسلامی خلافت کے موروثی حکومت میں تبدیل ہونے کا دروازہ کھل رہا ہے۔ کہیں ہمارے اس فعل کے بعد لوگ باپ کی جگہ بیٹے کو خلیفہ بنانے کی سند نہ لینے لگیں اسوقت پھر ہمارا منہ اعتراض کا ندرہ جائیگا۔ غرض حضرت حسن کو حضرت علی کی جگہ خلیفہ بنا کر اسلام میں سب سے پہلے قیصر کے بعد قیصر اور کسریٰ کے بعد کسریٰ کی جانشینی کی بدعت (اگر یہ بدعت اور ممنوع ہے تو) اسلام میں جاری کی اور اسلام کی جمہوریت کو سخت دھکا پہونچایا یہ تو اتفاق اور خدا کا حکم تھا کہ امیر معاویہ نے خلافت کو بذریعہ صلح بنو ہاشم سے بنوامیہ

میں پھر منتقل کر لیا ورنہ دنیا دیکھتی کہ سیدنا حسن کے بعد سے مستقل طور پر اسلامی نظام خلافت کو موروثی بنانے کی بدعت بنو ہاشم ہی جاری کرتے اور اس رسم کے بادی اور بانی بنو ہاشم ہی ہوتے۔

(۱۵) سیدنا حسن نے خلیفہ ہونے پر تقریر فرمائی جسمیں مسلمانوں کی باہمی مسلسل خونریزی پر افسوس کا اظہار اور صلح کیجانب کچھ میلان تھا سبائی اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر اسوقت نہ بولے۔ آخر جب آپ شام پر حملہ کیلئے اس فوج کو لیکر چلے جو حضرت علی کے بار بار ابھارنے پر بھی آمادہ نہیں ہوئی تھی تو آپنے انکی حرکات سے محسوس فرمایا کہ وہ دل سے اسپر راضی نہیں تو آپ نے مقام ساباط پر تقریر میں صاف فرمادیا "لوگو! مجھے تمھاری خاطر منظور ہے اگر تم جنگ پسند نہیں کرتے تو میں بھی تمھیں مجبور نہیں کرتا۔ میں صلح کو پسند کرتا ہوں" ابھی تقریر ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ لشکر میں ایک جانب سے شور اٹھا "یہ لو! یہ تو حسن بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے" یہ کہکر کچھ لوگوں نے آپ پر حملہ بھی کر دیا۔ آپ کے نیچے سے مصلی گھسیٹ لیا جس سے آپ گر گئے آپکے کاندھے سے چادر سختی سے کھینچی جس سے آپکی گردن چھل گئی۔ یہ دیکھکر آپ نے قبیلۂ ہمدان کے سپاہیوں کو آواز دی۔ حملہ آور ناکام بھاگ گئے۔ مگر حضرت حسن اپنی "فہم سلیمانی" سے خطرہ کی گھنٹی پر متنبہ ہو گئے اور آپ نے حضرت معاویہ سے صلح کا ارادہ کر لیا (اس صلح کو حضرت حسین نے منع بھی کیا مگر آپ نے انھیں ڈانٹ دیا) غور کا مقام ہے کہ اسی جماعت نے ابھی چند ماہ قبل حضرت حسن کو خلیفہ مانکر ان کے سامنے حلف وفاداری اٹھایا تھا وہی مقام ساباط میں آپکو اور حضرت علی کو کافر کہتی اور آپ پر حملہ کرتی ہے۔ سبائیوں اور شیعیان علی کا ایمان اور حب علی اسی سے ظاہر ہے۔

تفو بر تو اے ابن سودا تفو

۵۶: تاریخ ملت دوم ص ۳۹۱

(۱۶) جب سیدنا حسن رضی آگے بڑھے تو ایک سبائی نے آپ پر حملہ کر کے آپکو زخمی کر دیا غالباً ارادہ قتل ہی کا تھا مگر ناکام رہا تو آپ نے ربیع اول سنہ ۴۱ھ میں حضرت معاویہؓ کے پیام صلح کو منظور فرمایا۔ یہ وہی صلح تھی جس سے تمام مسلمان مسرور و مطمئن ہو گئے جسکی مدح خود حضورؐ فرما گئے تھے مگر ایک سبائی سفیان نے آکر و بڑا آپکو مذل المسلمین (مسلمانوں کو ذلیل کرنیوالا) کا خطاب دیا۔ ع۔ تفو بر تو اے ابن سود اتفو۔

(۱۷) آخر سبائیوں نے سیدنا حسن کو ربیع اول ۵۰ھ میں صلح سے ۹ سال بعد خفیہ طور پر شہید کرا دیا اور اپنا جرم چھپانے کے لئے یہ ہولناک جرم کبھی یزید کے سر تھوپا اور کبھی سیدنا معاویہؓ کے دامنِ صحابیت پر لگایا۔ حالانکہ یہ ہولناک جرم سیدنا حسنؓ کی ایک بی بی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے کیا تھا۔ کیوں کیا تھا؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ سیدنا حسن نکاح بھی بہت کیا کرتے اور طلاق بھی بہت دیا کرتے۔ چار بیبیوں میں سے ایک کو طلاق دیکر پھر نکاح کرتے جعدہ نے دیکھا کہ ابکی طلاق کی میری باری ہے وہ آپ سے جدائی چاہتی نہ تھی کہ میری جگہ نئی سوت آکر رہے اس لئے صرف سوتیا ڈاہ اور غیرت محبت میں دیوانی ہو کر اس نے سیدنا حسنؓ ہی کو ختم کر دینا چاہا کئی بار انکو زہر پلایا آخر ایکبار سخت ترین زہر دیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت حسینؓ نے مرتے وقت آپ سے پوچھا کہ آپکا شبہہ کس پر ہے آپ نے فرمایا کہ جس پر مجھے شبہہ ہے اگر وہی ہے تو میں اسکا نام نہیں ظاہر کرنا چاہتا مگر اسمیں کچھ سبائیوں کا بھی ہاتھ تھا۔

(۱۸) حضرت حسینؓ کو حضرت علیؓ کے شیعوں کا قتل کی دھمکی دینا۔ پھر ایک خارجی کا انکو شہید کر دینا۔ پھر سیدنا حسنؓ کی شہادت اور اس سے قبل کی ایذائیں ان سب کا پورا علم تھا مگر نہ معلوم ان کوفی غداروں کے پاس ایسا کونسا جادو تھا جس سے حضرت حسینؓ نے (الف) انھیں غداران اہل کوفہ پر اعتماد کیا (ب) انکے افسوں کے آگے حسینؓ نے اپنے خیر خواہ

اعزہ اور احباب کے پانچ چھ مخلصانہ مشورے ٹھکرا دیئے۔ جب ذریت ابن سبا نے حضرت حسین رضؓ کو بھی اچھی طرح تول اور بھانپ لیا تو پھر حضرت مسلمؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ بھی انھوں نے وہی پالیسی اختیار کی جو حضرات علیؓ و حسنؓ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے رہے تھے یعنی ساتھ رہکر اور تعاون کا اطمینان دلا کر عین موقع پر دھوکہ دے جانا اور ساتھ چھوڑ دینا۔ چنانچہ انھیں سبائیوں نے پہلے حضرات مسلم و حسین رضی اللہ عنہما کو وعدے کر کر کے بلایا پھر حکومت کے مقابل انکو حریف بنا کر کھڑا کر دیا۔ پھر خود الگ ہو گئے اور محرم ۶۱ھ میں ان بزرگوں کو شہید کرا کے اپنے تئیں خیبر کے یہود کے قتل و قید کا بدلہ لیکر چھوڑا۔ اے ابن سبا لعین خدا بر تو نہ کم باد۔ کلمہ۔ کیا عجب ہے کہ یہ جو ذریت ابن سبا کبھی اسپر راضی نہیں ہو سکتی کہ یادگار محرم منانا کہیں بند ہو تو اسکی وجہ بھی دراصل یہی ہو کہ چونکہ یہ مفسدین خاندان نبوت سے اپنا قومی انتقام پورا کر چکے تھے اسلئے وہ یادگار محرم یعنی تعزیہ وغیرہ کو گویا فاتحانہ کارنامہ اور شاہکار مانتے ہیں اور اسی لئے وہ اسے اپنی فتح کا کارنامہ بنا کر مناتے رہنا چاہتے ہیں۔ اسکا بند ہونا پسند نہیں کرتے۔

(۱۹) پھر ۶۵ھ میں اس جماعت نے توابین کے پرفریب نام سے نیا جنم لیا اس کے مقاصد دو تھے بظاہر سیاسی مظلوم یا نادم مسلمان بنے رہکر در پردہ تخریب عقائد اسلام۔ اور دوسرے ملک میں سیاسی فساد مچا کر حکومت کی بیخ کنی اور امن دشمنی۔ اس لئے اس نے پہلے تو صرف شہادت حسینؓ سے توبہ و ندامت اور گریہ و ماتم کا عاجزانہ مظلومانہ پروگرام کچھ عرصہ تک چلایا مگر بعد میں انھوں نے "انتقام حسینؓ" کا جارحانہ اقدام بھی اپنے پروگرام میں بڑھا لیا۔

(۲۰) تقریباً ۷۰ھ تک اس مفسد گروہ ذریت ابن سبا نے کوئی نیا مستقل مذہب

نہیں بنا یا تھا اسوقت تک صرف اہلسنت والجماعت کا مذہب مروج تھا جسکی پیروی
خلوص سے انکے تمام ائمہ کرام (حضرات علی حسین محمد جعفر موسیٰ وغیرہم) رضی اللہ
عنہم بھی کرتے اور منافقت سے یہ لوگ بھی کرتے تھے۔ بعض متفرق گمراہ کن اوہام ضرور
پھیل گئے تھے مثلاً علی وصیٔ رسول تھے۔ شیخین نعوذ باللہ دین سے خارج تھے۔ آخر شتہ
کے لگ بھگ کوفہ میں کچھ نئے اور ذہین لوگ (مثل زرارہ اور ابو بصیر وغیرہ) اس کمیٹی
میں داخل ہوئے انکی ذہانت اور کوشش سے مذہب اہلسنت والجماعت کے متوازی ایک
مذہب ضرار تصنیف کرنے کی بنیاد پڑی۔ اسمیں بنیادی عقائد کے ساتھ اعمال مذہبی تیار
کیے گئے مثلاً تقیہ دین کا ۹/۱۰ حصہ ہے۔ متعہ ایسی عبادت ہے کہ جو ایک بار متعہ کرے ینہ ا حسین رض
کا درجہ پائے۔ اپنے مذہب کو چھپائے رکھنا ضروری ہے ورنہ خدا ذلیل کردیگا۔ ایسے دلچسپ
مذہب نے کے لئے حدیثیں ڈھلنے لگیں مگر اہلسنت کی طرح وہ حدیثیں حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم سے مروی نہ تھیں بلکہ حضرات باقر وصادق کو بھی چونکہ یہ لوگ پیغمبر صاحب وحی
مانتے ہیں اس لئے انھیں حضرات کیطرف منسوب کیجانے لگیں مگر لطف یہ کہ یہ حضرات
مدینہ میں مقیم تھے اور انکی لاعلمی میں انکے نام سے حدیثیں برابر کوفہ میں ڈھالی جارہی تھیں
"اہلبیت حدیثی" کے فضائل ومناقب کی اکثر حدیثیں اسی زمانہ میں گھڑی گئیں
بعض سبائیوں کی ڈیوٹی تھی کہ حضرات باقر وصادق رضی اللہ عنہما کی مجلسوں میں بھی
وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہیں بعض وقت تو سبائی عجب مخمصہ میں پھنس جاتے، مثلاً
(الف) کبھی ان حضرات کی نورانی مجالس میں اہلسنت اور ذریت ابن سبا دونوں
جمع ہوجاتے تو انکے سامنے سبائیوں کی مشہور کردہ باتیں جو ان حضرات سے منسوب کیجاتیں
انکا بھی ذکر آتا تو وہ حضرات اپنا عقیدہ اہلسنت کے مطابق بتاتے اور سبائیوں کو انکی

دروغ گوئی پڑا نٹتے۔ (ب) کبھی سنی لوگ سبائیوں سے کہتے کہ چلو ان حضرات سے تصدیق کراو اس عقیدہ کی کہ امام معصوم ہوتے ہیں ہم نے تو جب بھی پوچھا انھوں نے ان عقائد باطلہ سے انکار کیا تو سبائی اسکی ہمت نہ کر سکتے مگر یہ کہتے کہ آپ لوگوں کے سامنے یہ حضرات اپنے کو جھوٹ موٹ سنی کہدیتے ہیں۔ ہمکو یہ عقیدہ انھیں حضرات نے تعلیم کیا اور تعلیم کرکے یہ بھی کہدیا کہ ان عقائد کو چھپاتے رہو۔ ظاہر کردگے تو ذلیل ہو جاوگے (ج) جب ان سے کہا جاتا کہ تو تمھارا جھوٹ اور تمھاری خیانت کا پردہ کھل گیا، تمھارا کچھ اعتبار نہیں تم کہتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو تو کہتے کہ تقیہ تو (نعوذ باللہ نعوذ باللہ) انبیا علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے یہ تو افضل عبادت ہے۔ ہمارے اماموں کا ارشاد ہے کہ جو ہماری امامت تسلیم کرے پھر چاہے وہ جھوٹ بولے چاہے خیانت کرے اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔ حضرت علیؓ نے عمر بھر تقیہ کیا ہے (نعوذ باللہ) جو شیخینؓ کی تعریف کرتے رہے۔ سیدہ ام کلثوم کو حضرت عمر کی زوجیت میں جو دیا تو تقیہ ہی سے دیا (نعوذ باللہ) اس نکاح کی اصل وجہ ایک شاعر کی زبان سے سنئے۔ ع

علی نے بیٹی بیاہی تاکہ سب فضل عمر جانیں کہ لوگ اپنے سے بہتر دیکھکر داماد کرتے ہیں

جو سوئے عرب ہو گزر کبھی تو کروں یہ عرض کہ یا نبیؐ

جو علیؓ نے مدح عتیقؓ کی تو تقیہ اس کو بنا دیا

(د) جب ان سے کہا جاتا کہ تمھارے مذہب میں تو ہر روایت میں تناقض و تعارض ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری من گھڑت ہے تو کہتے کہ یہ اختلاف تو ہمارے ائمہ ہی ڈالوانا چاہتے ہیں اسی لئے وہ ایک سے کچھ جواب دیتے ہیں اور دوسرے سے کچھ اور جواب دیتے ہیں۔

غرض وہ مذہب ضرار اس شان سے بنا کہ سب سے پہلے انھوں نے اپنے ہی ائمہ کو اور اولاد رسول کو دروغگو فریبی اور تقیہ باز بنا بنا دیا۔ نعوذ باللہ ع۔ تفو بر تو اے ابن سودا تفو۔

علما کو جب ان خرافات کا علم ہوا تو اسے زیادہ اہمیت نہ دیتے بلکہ مذاق اور بچوں کا کھیل سمجھتے اور خیال کرتے کہ یہ مسخرا پن خود ہی کچھ دنوں میں مٹ جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ کام جو انھوں نے اس سلسلہ میں کیا وہ یہ تھا کہ اہلسنت والجماعت کو منع کر دیا کہ ان بددینوں کے پاس نہ بیٹھیں مگر عقلا کا فرمان سچ ہے کہ "دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد" علما کی اس سہل انگاری اور کم توجہی سے اس بددین جماعت نے بڑا ناجائز فائدہ اٹھایا کہ رفتہ رفتہ انھوں نے خفیہ طور پر اپنا مذہب ضرار مکمل کر لیا اور چونکہ اس مذہب میں حظوظ نفسانی کی چاٹ بھی تھی اور دلچسپی کا سامان مثل متعہ۔ تقیہ۔ صحابہ کو گالیاں دینا بھی تھا اس لئے اسے قوت بھی ہوتی رہی۔ (ماخوذ از مقدمہ تفسیر آیات خلافت از حضرت امام اہلسنت والجماعت حضرت مولانا فاروقی لکھنوی مدظلہ العالی)۔

۲۱۔ سنہ ۱۲۲ھ میں جب بنو امیہ کا آخری وقت تھا زید بن علی بن حسین نے کوفہ میں سبائیوں ہی کے سمجھانے سے اپنے لئے خفیہ طور پر خلافت کی بیعت لینی شروع کر دی ۱۵ ہزار آدمیوں نے فوراً بیعت کر لی اور تعاون کا وعدہ کیا۔ جب حضرت زید نے حکومت کے مقابلہ میں خروج کیا اور حاکم کوفہ آپکے مقابلہ میں آکر صف آرا ہو گیا تو عین وقت کوفی سبائیوں نے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت زید کا ساتھ چھوڑ دیا کل سو دو سو آدمی انکے ساتھ رہ گئے حضرت زید نے انکی غداری پر انکو "رافض" فرما دیا جو آجتک مشہور اور اس غداری کی یادگار ہے اور اس جماعت شنیعہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ بنا ہوا ہے۔ ع۔ اے ابن سبا لعن خدا بر تو فزوں باد کہ تیری ہی ذریت نے انکو بھی حکومت سے شہید کرا دیا۔ انا للہ۔

۲۲۔ سنہ ۲۵۰ھ میں ڈیلمیوں نے جو سبائیوں ہی کا ایک فرقہ تھا طبرستان میں حکومت قائم کی اور سنہ ۳۵۱ھ میں اس فرقہ نے اپنی صحابہ دشمنی کا مظاہرہ یوں کیا کہ ۱۸ ذی الحجہ کو

جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کی تاریخ تھی "عید غدیر خم" کی ہوس پرستانہ رسم جاری کی اور بغداد کی جامع مسجد پر صحابہؓ پر لعنت لکھوائی۔ انا اللہ۔ ع اے ابن سبا لعن خدا بر تو نہ کر باد ۔

۴۴۔ ۶۵۶ھ میں ذریت ابن سبا کے تین افراد ابن العلقمی۔ ابن الحدید اور غالباً ناصر خسرو نے باہم متفق ہو کر سازش سے ہلاکو کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی اور بغداد کو ویران خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل، ایک لاکھ مسلمانوں کو ہلاک اور لاکھوں بیش قیمت قلمی کتابوں کو غرق دجلہ کر دیا۔ ع۔ اے ابن سبا لعن خدا بر تو نہ کم باد۔ جائے عبرت ہے کہ اسی جماعت نے ایک دن بنوامیہ کا تختہ الٹنے میں بنوعباس کی مدد کی تھی آج انھیں عباسیوں کو تباہ و ہلاک کرنے کے لئے ہلاکو سے سازش کی۔ سچ ہے "ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو۔"

۴۶۔ اس وقت تک یہ گروہ اپنے یہاں امامت کا مسئلہ بڑی بڑی تدبیروں سے زندہ رکھے چلا آ رہا تھا ناگاہ حق تعالیٰ نے (انکے گیارہویں امام) سیدنا حسن عسکریؓ کو لاولد کر کے انکے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس جماعت نے مسئلہ بدا تصنیف کر لیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ خدا جاہل اور بے خبر ہے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اب اس نے خدا کا مقابلہ اسطرح شروع کیا کہ یہ مشہور کر دیا کہ سیدنا حسن کی ایک باندی نرگس یا سوسن، نامی انکی وفات کے وقت حاملہ پائی گئی (حالانکہ یہ صریح کذب و بہتان تھا) انسے (اپنے بارہویں امام) حضرت مہدی کی ولادت ۲۵۶ھ میں مشہور کی۔ وہ صاحب خدا کی قدرت کاملہ سے دو ڈھائی برس کی عمر ہی میں چالیس پاروں والا قرآن ساتھ لیکر اسقدر چپکے سے غار "سُرَّ مَن رَأٰی" میں جا چھپے کہ سوا زرارہ۔ ابوبصیر اور محمد بن نُصیر کے انکی پیدائش اور پھر غیبت کبریٰ کی اطلاع خود حضرت حسن عسکری کے ان بھائی کو بھی نہیں ہونے پائی

جنھوں نے حسن عسکری کے انتقال کے بعد اس باندی سے نکاح (یا نعوذ باللہ متعہ) کرلیا تھا اب وہ قرب قیامت میں کسی سال مگر ۱۵ شعبان ہی کو ظاہر ہونگے جن کے انتظار اور توقع میں یہ جماعت ہر سال ہی ۱۵ شعبان کو آتش بازی چھوڑ کر اور حلوا پوری پکا کر استقبال کرتی ہے مگر وہ بھی ایسے بے رحم ہیں کہ نہ خود آتے ہیں نہ وہ قرآن ہی لاکر دنیا کو دیتے ہیں۔

۲۵۔ لاولد سیدنا حسن عسکری کے اس فرضی مگر مجہول العقول فرزند کی پیدائش کا فقرہ پہلے پہل جس شخص کو سوجھا تھا اسکا نام محمد بن نُصیر تھا لوگوں نے اسکی اس ذہانت کی داد دینے اور قدر کرنے کے لئے اسے "باب"[1] کا لقب دیا۔ مگر ایک مشکل یہ آپڑی تھی کہ ابن نصیر کا

---

[1] اس لفظ یا نام ولقب کی داستان بھی سخت حیرت خیز اور عبرت انگیز ہے۔ حضورؐ نے ایک جامع حدیث میں اپنے چاروں خلفاء کی تعریف یوں فرمائی تھی "انا مدینۃ العلم وابوبکر اساسھا وعمر حیطانھا (او جدارھا) وعثمان سقفھا وعلی بابھا" کہ میں علم کا شہر ہوں ابوبکر اسکی بنیاد، عثمان اس کی چھت اور علی اس کے دروازہ ہیں۔ اس جماعت نے "پنجتن حدیثی" کو تو حذف کیا اور صرف دو لفظ "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" کو محرم کے تاشوں اور مجلسوں کے بتاشوں کے ذریعہ اتنا مشہور کیا کہ اب پڑھے لکھے سنی تک اتنی ہی حدیث جانتے ہیں۔ حالانکہ ابن جوزی نے صرف اتنے کو صاف موضوع لکھدیا ہے۔ بہرحال حضورؐ نے تو حضرت علی کو "باب" کہا تھا یہ شرپسند جماعت جو اپنے دوازدہ اماموں کو معصوم اور نبیؐ۔ نہیں بلکہ "منزہ صفات" کہتی ہے (نعوذ باللہ) اسنے علانیہ اپنے خفیہ امام کو پیغمبر کا درجہ دیکر ابن نُصیر کو وہی درجہ اور وہی لقب دلوادیا جو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ نعوذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ ہوا اس جماعت کی حضرت علی کو ماننے کی حقیقت! ۔ تفو بر تو اے ابن سودا تفو۔

مکان شہر کے دوسرے کنارہ پر تھا اور حضرت حسن عسکری کے مکان سے بہت دور، یہ بات کہ حسنؓ کے فرزند مہدی کی پیدائش کا حال شہر بھر میں ایک شخص کو اور وہ بھی ایسے شخص کو تو معلوم ہو جائے جو بہت دور کے محلہ میں رہتا ہو اور حضرت حسن کے خود بھائی کو یا پڑوسیوں کو نہ معلوم ہو یہ تو بالکل ہی سفید جھوٹ اور سیاہ گناہ اور غیر مقبول و نامعقول ہو جاتا تو اسکو کسی حد تک قابل قبول بنانے کے لئے سبائی کمیٹی کے ارباب حل وعقد نے یہ تجویز کی کہ جس طرح بھی ہو سکے حسن عسکری کے پڑوسی عثمان زیات کو اور اسکے بیٹے محمد کو بھی تو اس سازش میں شریک کر لیا جائے۔ آخر کوشش کر کے ایسا کیا گیا اور عثمان زیات کو تالیف قلب کے لئے "باب" کا لقب ابن نصیر سے واپس لیکر دیدیا گیا۔ یہ بھی تجویز کیا گیا کہ ابن نصیر جو اس "مذہب ضرار" کے لئے چندہ جمع کر کے ابتک اپنے پاس رکھتا ہے اب سے ابن زیات کے لڑکے محمد کے پاس جمع کیا کرے تاکہ اسکی بھی تالیف قلب ہو سکے ان دونوں کے ملجانے سے حسن عسکری کے ان فرضی اور محیر العقول فرزند کی پیدائش اور پھر غیبت بہت کامیابی کے ساتھ شہادت اور تصدیق ہو کر مشہور کیجاتی رہی۔ یہ مشکل حل تو ضرور ہو گئی مگر ابن نصیر نے جب دیکھا کہ یہ تو بڑی محرومی اور خسران مبین کا سامنا ہوا کہ "باب" کا لقب بھی چھن گیا اور روپیہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو اس پر اس نے خفگی ظاہر کی۔ بات بڑھنے لگی آخر ابن نصیر نے اپنی ذہانت کے اعتماد پر اس سے الگ ہو کر ایک نئے فرقہ "نصیری" کی بنیاد ڈالی جسمیں متعہ۔ تقیہ۔ تبرا کے جواز کے ساتھ ساتھ نماز۔ روزہ حج۔ زکات سے نجات کا اضافہ بھی تھا۔ بہر حال لوگ اسمیں بھی داخل ہونے لگے اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ علیؓ خدا ہیں۔ حضور انکے حاجب و درباں۔ سلمان فارسی ان کے باب ہیں۔ اس مذہب میں علیؓ۔ فاطمہؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسنؓ کا صرف نام جپنا۔ غسل وضو

نماز۔ روزہ۔ زکات کا قائم مقام ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات (ملتقط از رسالہ دار علوم ماہ مارچ ۱۹۵۶ء ص ۱۵)۔ انا للہ۔ حج۔ اے ابن سبا لعن خدا بر تو نہ کم باد۔

۲۶۔ ہندوستان میں یہ فتنہ امیر تیمور لنگ کے خراسانی لشکر کے ذریعہ آیا مگر اسکی باقاعدہ اشاعت اور علانیہ کثرت جہانگیر کی ملکہ نور جہاں ایرانی کی سحر طراز نگاہوں اسکی زلف گرہ گیر کی شکنوں اور اسکے ناز و ادا کے کرشموں کے ذریعہ ہوئی۔ بیچ میں کچھ دنوں کے لئے اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تماشے کو بند کر دیا تھا مگر پھر اسکے بیٹے معظم شاہ بہادر شاہ اول (۱۷۰۷ - ۱۷۱۲ء) کے عہد میں اسکو فروغ ہونے لگا۔ آخر ڈیڑھ سو سال بعد ۱۸۵۷ء میں سراج الدین ظفر بہادر شاہ ثانی کے عہد میں اس فتنہ نے سلطنت مغلیہ کو تباہ ہی کر کے چھوڑا اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا یہ قول صادق آگیا کہ اس فرقہ نے جس حکومت میں بھی دخل پایا اسے تباہ کر کے چھوڑا۔ سچ ہے ع۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ہوا یہ دوست جسکا دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

۲۷۔ نادر شاہ ایرانی کے فتنہ کا حال کون نہیں جانتا مگر یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ اسے ہندوستان آنے کی دعوت دینے والا ایک سبائی تھا۔ جسکی وجہ سے ۱۷۳۵ء میں تیس ہزار آدمی شہر دہلی میں مارے گئے۔ دلی لٹی۔ جامع مسجد شاہجہانی کے گرد آگ لگا دی گئی۔

۲۸۔ سراج الدولہ والئ بنگال کا سپہ سالار میر جعفر بھی سبائی تھا جس نے ۱۷۵۷ء میں لارڈ کلائیو سے سازش کر کے سراج الدولہ کو قتل کرا دیا اور چوبیس پرگنہ کی زرخیز جاگیر کلائیو کو دلوا دی۔

۲۹۔ ۱۷۷۴ء میں روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں پر انگریزوں کی مدد سے حملہ کرنے اور

روہیلہ حکومت کو ختم کرنیوالا شخص شجاع الدولہ سبائی ہی تھا۔

ب۔ ۱۷۹۹ء میں میر صادق سبائی نے اپنے محسن سلطان فتح علی ٹیپو سے دغا کی اور

اور انگریزوں سے اسے قتل کرادیا۔

۳۱۔ ان سیاسی شورشوں کے ساتھ مسلمانوں کے عقائد و عمل میں جو فتنہ اس جماعت نے پھیلا دیا ہے اسکی اصلاح اب کسی بڑے سے بڑے مجدد و قطب کے بس کی بات بھی نہیں رہ گئی ہے۔ البتہ صرف مہدی موعود ہی انشاء اللہ خنزیروں کے ساتھ یہودیوں کو بھی دنیا سے فنا کرینگے۔ نمونہ کے لئے چند فتنہ ہائے عقائد لکھتا ہوں۔

(الف) ایک شعر کسی جاہل سبائی نے کہکر ناواقف سُنیوں کو یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ اس سے بلائیں دفع ہوتی ہیں لہٰذا آپ سنی مسلمانوں کے دروازوں پر بھی قلمی یا مطبوعہ شکل میں اسے چسپاں پائینگے۔ وہ شعر یہ ہے ؂

لِی خمسۃٌ اُطفی بھا حرَّ الوباءِ الحاطمۃ   المصطفی والمرتضی وابناھما والفاطمۃ

فاطمہ پر آل داخل کرنا حرّ یا وبا جو مذکر ہیں انکی صفت حاطمہ مونث لانا۔ ابناھما میں ابن حقیقی اور ابن مجازی دونوں کو ایک ساتھ ایک ضمیر میں جمع کر دینا۔ ان بزرگوں سے بجائے دین سیکھنے کے صرف عملیات دفع کرنے کے منتر کا کام لینا۔ خلفائے ثلاثہ کا بابرکت لوگوں میں شمار نہ کرنا یہ غلطیاں صاف بتاتی ہیں کہ کوئی جاہل مگر ہوشیار سبائی بھولے بھالے سنیوں کو اپنے غلط عقیدے کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ ایک عالم نے اسکی اصلاح اہلسنت والجماعت کے عقائد کے مطابق یوں کی ہے۔

لھم خمسۃٌ نقفوا بھم آثار دینٍ تنجلی   احمدؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ الخامس علیؓ

(یعنی ہمارے پاس پانچ (پنجتن) ہستیاں ایسی ہیں جنکی بدولت ہم ایک دین کے روشن نشانات

کی پیروی کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔ حضور۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ اور پانچویں علی رضی اللہ عنہم (یہ پنجتن اسلامی ہیں جنکا ذکر حضورؐ نے حدیث مدینۃ العلم میں فرمادیا ہے لیکن چونکہ آل عبا رسولؐ کے اہلبیت حدیثی) بھی ہر مسلمان کو محبوب ہیں اسکے لئے دوسرا شعر الگ کردیا ہے۔ م۔

خَمْسٌ اُخَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ حُبُّهُمْ حُبُّ النَّبِي الطَّاهِرَةُ وَعَائِشَةُ وَفَاطِمَةُ وَابْنَا عَلِيٍّ

(یعنی ہمارے پاس پانچ ہستیاں اور بھی ہیں وہ حضورؐ کے گھرانہ والوں میں سے بعض ہیں جنکی محبت حضورؐ کی محبت ہے وہ یہ ہیں حضرت سیدہ خدیجہ طاہرہ پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما تو اہلبیت حقیقی اور سیدہ فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم اہلبیت مجازی وحدیثی)

(ب) دو شعر اور "ناد علی" کے نام سے کسی جاہل سبائی نے تعویذ کہہ کر بھولے سنیوں کو دیدیئے ہیں جنکا نہ وزن درست ہے نہ بحر درست نہ اسمیں خطاب کی رعایت، اور ان سب پر طرہ یہ ہے کہ انمیں صریح کفر و شرک کی تعلیم ہے۔

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ

كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي بِنُبُوَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ وَبِوِلَايَتِكَ يَا عَلِي (نعوذ باللہ)

(یعنی اے مخاطب! تو علی کو پکار کر جو عجائبات ظاہر کیا کرتے تھے تو تو انکو اپنی تمام مصائب میں اپنا مددگار پائیگا۔ اے محمدؐ آپکی نبوت کی بدولت اور اے علیؓ آپکی ولایت کی بدولت عنقریب ہر درد و غم کافور ہوجائے گا۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات۔

ایک عالم نے اسکی اصلاح میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں۔

نَادُوا الْعَلِيَّ الْكَبِيرَ الرَّبَّ خَالِقَكُمْ وَلَا تُنَادُوا عَلِيًّا إِنَّهُ بَشَرٌ

سِوَاهُ لَنْ تَجِدُوا عَوْنًا بِنَائِبَةٍ وَيُعْجِزُ الْغَيْرَ لَا يُغْنِي كَمَا الْغِيَرُ

تَوَسَّلُوا بِرَسُولِ اللهِ وَالْعَمَلِ فَيَنْجَلِي كُلُّ هَمٍّ سَاقَهُ الْقَدَرُ

وَلَا تُشْرِكُوا اَبَدًا مِنْ قَوْلِ كُلِّ غَوٍ — وَاَخْلِصُوا دِيْنَكُمْ لِلّٰهِ وَاَنْتُمْ وُ ا
اللّٰهَ فَادْعُوْا وَنَادُوْا وَاعْبُدُوْا وَسَلُوْا — بِهٖ اسْتَعِيْنُوْا حَنِيْفًا مَا سِوَاهُ ذَرُوْا

(یعنی پکارو تو اس بزرگ و برتر کو جو رب ہے تمہارا خالق ہے۔ دیکھو علی کو نہ پکارنا کہ وہ تو ایک انسان ہیں ہمیں جیسے۔ اللہ کے سوا کسی ایک کو بھی تم کبھی کسی ایک مصیبت میں بھی ہرگز مددگار نہ پاسکوگے ہر غیر اللہ مدد سے عاجز ہے اس بارہ میں فریب کی باتیں تمکو دھوکا نہ دینے لگ جائیں۔ وسیلہ پکڑو تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنے اعمال صالحہ کا۔ بس پھر ہر درد و غم جو تقدیر سے تم پر آبھی چکا ہے وہ دور ہو کر رہیگا۔ دیکھو کسی گمراہ کے کہنے سے شرک نہ کرنے لگا کرو۔ اپنا دین اللہ کی رضا کے لئے خالص کرتے رہا کرو اور تعمیل احکام کیا کرو۔ دیکھو بس صرف اللہ ہی کو پکارو اسی کو آواز دو، اسی کی عبادت کرو، اسی سے مانگو، اسی سے مدد طلب کرو یکسو ہو کر اور اسکے ہر سوا کو نظر انداز کر و امداد طلب کرنے میں۔ انتہی۔)

اکتیس نمبروں کی اس طویل فہرست سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہوگی کہ شجرۂ خبیثہ جس کا تخم ۳۳ھ یا ۳۴ھ میں عبداللہ بن سباء عرف ابن سوداء یہودی منافق نے ناواقف مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں میں بونا چاہا تھا وہ آخر کار کسطرح فساد عقیدہ فساد عمل، فساد معاشرت، فساد ملکی کے زہریلے برگ و بار لایا اور چودہ صدیوں تک ہر عہد اور ہر ملک میں اہل اسلام اور اسلام کو اس کے زہر سے کتنے سخت نقصانات پہونچے ہیں۔

ایک شبہہ اور اسکا ازالہ۔ یہاں ایک شبہہ ہو سکتا ہے کہ اگر "فتنہ ابن سبا" واقعی امت مرحومہ اور ملت مسلمہ کے لئے ایسا ہی ہلاک و مضر تھا تب تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ حضورؐ امت کو اس فتنہ سے اچھی طرح اور نمایاں طور پر ضرور آگاہ اور متنبہ کر جاتے

مگر ہمکو ذخیرہ احادیث میں کہیں "فتنہ ابن سبا" کا ذکر نہیں ملتا؟ جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے فی الواقع اس واقعہ کی مسلمانوں کو خبر دی ہے اور مفصل خبر دی ہے اور امت کو اس سے بہت ڈرایا ہے البتہ یہ ضرور ہوا کہ،

(الف) حضورؐ نے اس فتنہ کو متعین اور مشخص طور پر نامزد نہیں فرمایا۔

(ب) محدثین نے اس فتنہ کے متعلق ارشادات نبوی کو کسی ایک جگہ پورا، یکجا اور مسلسل ترتیب وار بیان نہیں کیا ہے بلکہ اس کے جستہ جستہ ٹکڑے الگ الگ احادیث میں ذکر کیے ہیں۔

اس لیے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اسکا ذکر نہیں فرمایا ورنہ اگر آج بھی ان تمام متفرق اجزا کو جمع اور مرتب کر لیا جائے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ حضورؐ نے اسے کس قدر برا کہا اور اسکی کتنی اہمیت بیان فرمائی ہے مثلاً ذخیرہ احادیث میں آپکو "فتن متماۃ" کے عنوان سے جو متفرق احادیث ملتی ہیں۔ خوارج کا ظہور۔ انکے عقائد اور بد دینی۔ چشمہ حوأب پر ایک زوجہ مطہرۂ رسول پر کتوں کے بھونکنے کا ذکر۔ زبیرؓ و علیؓ سے باہم جنگ کا ذکر۔ سیدنا حسنؓ کی صلح پر تحسین۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور بلوی کا ذکر۔ حضرت عثمانؓ کو معزول کرنے والوں کی ضلالت۔ حضرت علیؓ کے بارہ میں دو گروہوں کی ضلالت۔ صحابہ کو گالی دینے والی جماعت کا ذکر۔ سیدنا عثمانؓ کے قاتل سے قصاص لینے کی تاکید۔ (جسے میں نے سرورق پر درج کیا ہے) حسینؓ کو شہید کرنے کا ذکر وغیرہ تو یہ سب دراصل اسی شر انگیز جماعت ہی کا تو ذکر اور اس سے دور رہنے کا حکم ہے؟ میں انمیں سے صرف چار احادیث یہاں نقل کرتا ہوں۔

۱۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذو ھم غرضاً۔ اللہ سے ڈرنا۔ اللہ سے ڈرنا میرے صحابہ کے معاملات میں

من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن آذاهم فقد اذانی الخ (ترمذی)	دیکھنا میرے بعد انھیں کسی معاملے میں نشانہ ملامت نہ بنانا کیونکہ جنے محبت ہے تو وہ مجھ سے محبت ہی کیوجہ سے انسے بھی محبت ہوا اور جسے ان سے نفرت ہو تو وہ اصل مجھ سے نفرت ہے تب ان سے نفرت ہے ۔ جو انھیں ستائیگا وہ دراصل مجھے ستائیگا ۱۲ الخ ۔
۲۔ اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علی شرکم (ترمذی)	جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمھارے شر پر ۔
۳۔ لا تسبوا اصحابی من سبھم فعلیه لعنة اللہ (فتوح الغیب ص ۱۹۳)	میرے صحابہؓ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ جس نے انکو برا بھلا کہا اس پر اللہ کی لعنت ہے ۔
۴۔ عن انسؓ مرفوعاً ان اللہ عزوجل اختارنی واختار لی اصحابی فجعلهم انصاری واصهاری وانه سیجیئ فی آخر الزمان قوم ینتقصونهم الا فلا تواکلوهم ۔ الا فلا تشاربوهم ۔ الا فلا تناکحوهم ۔ الا فلا تصلوا معهم ۔ الا فلا تصلوا علیهم علیهم حلت اللعنة (فتوح الغیب ص ۱۹۳)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے مجھکو چنا اور میرے لئے میرے صحابہؓ کو چنا پھر ان میں سے کسی کو میرا مددگار و انصار بنایا اور کسی کو رشتہ دار بنایا اور یہ مروی ہے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم آئیگی جو انکی تنقیص کریگی خبردار رہو جاؤ! نہ ان کے ساتھ کھاؤ نہ انکے ساتھ پیو ۔ خبردار! ان کے ساتھ رشتہ ناطہ نہ کرو نہ انکے ساتھ نماز پڑھو ۔ نہ ان پر نماز جنازہ پڑھو کیونکہ یہی لوگ وہ ہیں جن پر خدا کی لعنت نازل ہو چکی ہے ۔

اس جماعت شیعہ میں ہر متقدم سبائی کی دور اندیشی اور متاخر سبائی کی اشارہ شناسی واقعی قابل دید اور لائق داد ہے اگر کسی متقدم سبائی نے کوئی اقدام کیا اور کسی بدعت کی بنیاد ڈالنی چاہی تو ہر متاخر سبائی بھی اس غضب کا اشارہ شناس اور تیز فہم ثابت ہوا کہ اس نے خشت اول کی وضع ہی سے بانی اول کے تمام دھندلے نقوش و اشارات کو بھر اس سے

تعدد بدعات کے امکانات کو نہایت ذہانت سے اس طرح واضح طور پر دیکھ اور پڑھ لیا اور پھر اس پر پوری عمارت اٹھا کھڑی کی کہ اگر بالفرض بانی اول کو اس خشت اول سے تکمیل منصوبہ کی عمر اور قدرت دیدیجاتی تو وہ بھی شاید اس سے بہتر نہ تیار کر سکتا۔ اَتَوَاصَوْا بِہٖ ؟ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ !

فصل سوم

بنو ہاشم اور بنو امیہ کا نسب اور تقابل

سیدنا علیؓ و معاویہ رضی اللہ عنہما کے یا سیدنا حسینؓ کے حالات لکھتے وقت لوگ عموماً دو چیزوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

(الف) یہودیت اور سبائیت کو جو مضلّلتھم کے ابلیسانہ دعوے کے ساتھ اسلام دشمنی اور پیغمبر دشمنی کی خبیث نیت سے خم ٹھونک کر پہلے ہی میدان میں آچکی تھی اس لئے جنگ صفین یا کربلا وغیرہ کو کسی وقتی اور سطحی سبب کے باعث ماننا اور یہودیت و سبائیت کو اس کے پس منظر میں موثر ترین عامل کی حیثیت سے نہ دیکھنا اپنے سادہ لوح ہونے کا اقرار کرنا ہے۔

(ب) حضرات معاویہؓ و علیؓ میں اور پھر حضرت حسینؓ اور یزید میں نسبی قریبی تعلق کو اور اسکو کہ دونوں میں انکے اپنے موروثی و خاندانی اثرات بھی الگ الگ تھے اس لئے ذکر واقعات میں یا کسی واقعہ کے متعلق رائے قائم کرنے میں انکی قریبی رشتہ داریوں کا اور انکے الگ الگ موروثی اثرات کا لحاظ نہ کرنا سخت بے بصیرتی ہے۔

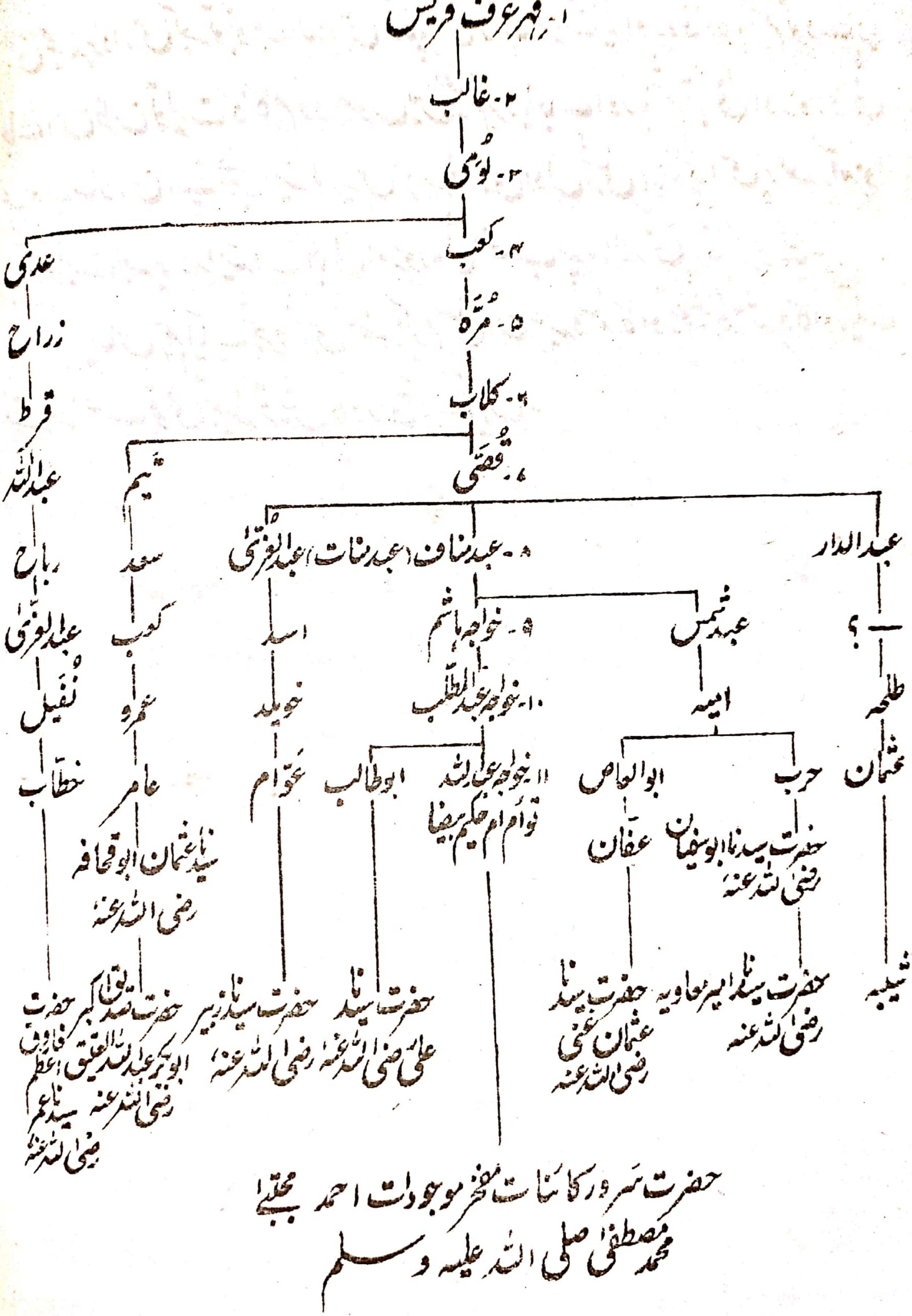
پہلے جزو کے متعلق ہم فصل سابق میں مفصل حال لکھ آئے ہیں۔ آئیے! اس صحبت میں ہم اس دوسرے جز پر ایک تحقیقی مگر منصفانہ نظر ڈالیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہویں جد امجد فہر عرف قریش پر حضرات خلفاء اربعہ بلکہ عشرہ بشرہ اور عباس و معاویہ رضی اللہ عنہم سبھی کا سلسلۂ نسب جا کر ملجاتا ہے۔ اس لئے یہ سبھی حضرات الائمۃ من قریش کے معیار پر امامت اور خلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔ فہر سے لیکر چھ پشت نیچے ایک بزرگ قصیّ آنحضرت کے پانچویں جد امجد تک، سپاہ سالاری کا عہدہ حضور کو اجداد کے پاس تھا۔ تولیت کعبہ قصیّ کے پاس نہ تھی بلکہ دوسرے خاندان بنوخزاعہ میں تھی۔ قصیّ نے ۴۴۰ء میں (حضور سے ۱۳۱ سال قبل) بنوخزاعہ میں شادی کر کے تولیت کا منصب بھی حاصل کرلیا۔ اس طرح خود قصی سپہ سالار قریش بھی تھے اور متولی کعبہ بھی تھے۔ مگر انتقال کے وقت تولیت کعبہ کا منصب اپنے نالائق بیٹے عبدالدار کو اور سپہ سالاری کا منصب دوسرے بیٹے عبدمناف کو دے گئے۔ عبدمناف سے یہی سپہ سالاری وراثت میں ہاشم کو ملی۔ ہاشم کے پاس انکا موروثی منصب سپہ سالاری ہی تھا۔ تولیت کعبہ کا منصب ان کے پاس وراثۃً نہیں آیا تھا۔ اس طرح حضور کے اجداد میں ہاشم تک آٹھ پشتوں تک مسلسل سپہ سالاری ہی کا عہدہ چلا آتا رہا۔ بیچ میں کچھ دنوں تک خود قصیّ متولی ضرور بن گئے تھے مگر وہ تولیت انکے مرنے پر حضور کے عمود نسب سے پھر باہر چلی گئی مگر چونکہ ہاشم بھی قصی کیطرح ایک حوصلہ مند شخص تھے انھوں نے بنوعبدالدار سے تولیت کعبہ بھی حاصل کرنی چاہی کچھ تو اپنی حوصلہ مندی اور سپہ سالاری کیوجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ بنوعبدالدار کی نااہلی کے باعث اسوقت دینی کام میں ابتری اور قومی وقار میں کمزوری اور بدنامی آنے کا اندیشہ تھا۔ مگر بنوعبدالدار تولیت چھوڑنے پر آمادہ

نہ ہوئے قریب تھا کہ جنگ ہونے لگے کہ قومی پنچائت نے بیچ میں پڑ کر یہ فیصلہ کیا کہ حجابت یعنی کلید برداری کعبہ تو بنو عبد الدار ہی کے پاس رہے مگر سقایہ اور رفادہ ہاشم کو دے دیا جائے اس طرح تولیت کا کام دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہاشم آبائی اور موروثی عہدہ سپہ سالاری اپنے بھتیجے امیہ کو دیدیں" (سیرۃ النبی اول شبلی) چنانچہ اسی پر عملدرآمد ہوا ہاشم تولیت کعبہ پر اور امیہ اپنے آبائی اور موروثی منصب سپہ سالاری پر فائز ہو گئے۔

یہاں ہم ایک شجرۂ نسبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور عشرۂ مبشرہ کا اور ایک نقشہ مناصب قومی قبیلہ قریش کا درج کرتے ہیں۔

شجرۂ نسبی حضرت رسول کریم و عشرۂ مبشرہ صلی اللہ علیہ و علیہم وسلم



نقشہ مناصب قریش و عہدہ داران بعہد نبوی

شمار و نام مناصب	تشخیص خدمات	نام عہدہ دار بعہد نبوی	نام قبیلہ
۱۔ سدانت و حجابت	خانہ کعبہ کی کلید برداری۔ غلاف پوشی۔ جاروب کشی وغیرہ	عثمان بن طلحہ شیبی	بنو عبدالدار
۲۔ سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام	حجاج کے لیے زمزم کا انتظام۔ کعبہ و مسجد حرام کی روشنی	حضرت سیدنا عباس رضؓ	بنو ہاشم
۳۔ رفادہ	حجاج کے قیام وطعام واستعمالی پانی کا انتظام	خواجہ ابوطالب و سیدنا علیؓ	ایضاً
۴۔ عدالۃ	قومی مقدمات اور خونبہا کا فیصلہ۔ خونبہا کی وصولی اور تقسیم وغیرہ	حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ	بنو تیم
۵۔ خطابۃ	قومی مجالس میں اور وفود حجاج کے سامنے قوم کی نمایندگی اور تقریر۔	ایضاً	ایضاً
۶۔ قیادۃ	قومی فوج کی سپہ سالاری۔ فوج کشی۔ مدافعت	حضرت سیدنا ابوسفیانؓ	بنو امیہ
۷۔ الویۃ و عقاب	علم اور جھنڈوں کی تیاری۔ حفاظت۔ علم برداری۔	سیدنا عثمان بن عفانؓ	ایضاً
۸۔ سفارۃ	قبائل عرب یا بیرون ملک سے حکومت کی سطح پر معاہدات و معاملات۔	حضرت سیدنا عمر فاروقؓ	بنو عدی
۹۔ ندوہ	قومی کونسل کا انعقاد و انتظام	یزید بن زمعہ	بنو اسد

شجرۂ نسبی اور نقشۂ مناصب پر نظر ڈالنے سے بہ ادنیٰ تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ۔

۱۔ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کا نسب عبد مناف تک سیدنا علیؓ سے کسی طرح کم نہیں بلکہ برابر ہے۔ نور نبوت سے قرب میں حضرت معاویہؓ، عبد مناف تک حضرت علیؓ کے برابر رہے ہیں البتہ حضرت علیؓ دو پشت اور نیچے خواجہ عبد المطلب تک نور نبوت کے قریب رہے جاہلیت کے عہد میں اسکے علاوہ حضرت علیؓ کو کوئی دوسرا شرف حاصل نہ تھا۔ رہا کعبہ میں پیدائش تو اسکے متعلق علما نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا ہے حضرت علیؓ کا نہیں ہے (اکمال فی اسماء الرجال)

نوٹ ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت امیرؓ کے مقابلہ میں یقیناً چند امور میں فضیلت حاصل ہے (الف) معاویہؓ سے پہلے اسلام لانا (ب) انسے زیادہ غزوات میں شرکت (ج) ہجرت (د) ابتداء اسلام کی سختیاں جھیلنا (ہ) حضورؐ کی زیادہ معیت اور خدمت (و) حضورؐ کا چچیرا بھائی ہونا (ز) حضورؐ کا داماد ہونا (ح) علم قرآن معاویہؓ سے زیادہ ہونا۔

۲۔ جس طرح قریش کے دو معزز عہدے سقایہ اور رفادہ بنو ہاشم میں تھے اسی طرح دو معزز عہدے قیادہ اور لواء بنو امیہ میں تھے اول الذکر عہدے دینی مناصب تھے اور موخر الذکر دنیوی۔

۳۔ جس طرح حضرات علیؓ و عقیلؓ حضورؐ کے قریبی رشتہ دار اور بنی عم تھے اسی طرح امیر معاویہؓ بھی حضورؐ کے قریبی رشتہ دار اور بنی عم تھے۔ اول الذکر عم قریب کی اولاد تھے اور موخر الذکر عم بعید کی بلکہ حضرت معاویہؓ بمقابلہ حضرت زبیرؓ کے آپکے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "ابلیس ھذہ الامۃ" ابن سبا کی شر انگیزیوں سے قبل بنو امیہ حضرت علیؓ کے ہمدرد و دوست ہی تھے انکی حمایت

میں کسی سے کم نہیں تھے۔ ذیل کا واقعہ دونوں خاندانوں (بنو ہاشم اور بنو امیہ) کی باہمی الفت و خلوص ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عام شروع ہو گئی تو بنو ہاشم شریک نہیں ہوئے بلکہ بیت فاطمہ میں جمع ہو کر حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے اسمیں جس طرح بنو اسد سے زبیر، عباس و علیؓ کے شریک تھے اسی طرح بنو امیہ سے ابو سفیان بن حرب بھی شریک تھے۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں

کان فیمن تخلف عن بیعة ابی بکرٍ ابوسفیان بن حربٍ۔ وقال ارضیتم یا بنی عبد مناف ان یلی ھذا الامر علیکم غیرکم۔ وقال لعلی بن ابی طالب امدد یدک ابایعک

(یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۴)

بیعت ابو بکرؓ سے جو لوگ رکے رہ گئے تھے۔ ان میں ابو سفیان بن حرب بھی تھے۔ انھوں نے کہا، اے عبد مناف کی اولاد! کیا تم اس پر راضی ہو گئے ہو کہ اس امر خلافت میں تم پر کوئی غیر حاکم بنے۔ اے علیؓ ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری ہی بیعت کروں۔

نیز یہ کہا" اے علی! خدا کی قسم اگر تم اٹھ کھڑے ہو تو میں سوار پیادے کثرت سے لا کر مدینہ کی گلیاں بھر دوں" ظاہر ہے کہ یہ بات اسی اخلاص اور خاندانی محبت اور علی کی حمایت اور ہمدردی میں کہی گئی تھی جس طرح اسی وقت بیت فاطمہ میں حضرت زبیر کہہ رہے تھے کہ لوگوں کو علیؓ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے جو انکار کریگا میں تلوار سے اسکی خبر لونگا" یا دو تین دن قبل حضورؐ کے مرض الموت میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا" اے علیؓ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ (جمع الفوائد اول ص ۳۱۵)

اسی طرح بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان الفت و محبت۔ رشتہ داری وغیرہ میں نکاح سے بھی اضافہ ہوتا رہا اس کے بھی کچھ حالات سن لیجئے:۔

(۱) جس طرح حضورؐ نے اپنا ایک نکاح سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے بنو اسد میں کیا تھا اسی طرح بنو امیہ میں بھی حضرت سیدہ ام حبیبہؓ بنت سیدنا ابی سفیانؓ سے کیا تھا

(۲) حضورؐ کی ایک پھوپھو ام حکیم بیضا ہاشمیہ کا نکاح کریز اموی سے ہوا تھا جو حضرت عثمانؓ کے نانا تھے۔ دوسری پھوپھی صفیہ ہاشمیہ کا نکاح پہلے حارث اموی سے ہوا تھا (پھر دوسرا نکاح عوام سے ہوا جن سے حضرت زبیر پیدا ہوئے)

(۳) حضورؐ نے اپنی چار صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علیؓ ہاشمی سے کیا اگر تین صاحبزادیوں کا نکاح بنو امیہ میں کیا بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کو حضرت ابو العاصؓ اموی سے بیاہا۔ پھر سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کو یکے بعد دیگرے وحی خداوندی کی تعمیل میں حضرت عثمانؓ اموی سے بیاہ دیا (یہ دونوں صاحبزادیاں اگرچہ پہلے ابولہب ہاشمی کے لڑکوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی گئی تھیں مگر رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے بیاہنا نہ بیاہنا برابر تھا)

(۴) حضرت سیدنا حسینؓ نے ایک نکاح حضرت امیر معاویہؓ کی بھانجی سے کیا جن سے علی (اکبر) پیدا ہوئے (خضری ج ۲)۔

(۵) یزید بن معاویہ کا نکاح سیدنا حسینؓ کی بھتیجی سیدہ ام محمد (بنت عبداللہ بن جعفر) کے ساتھ ہوا تھا (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۶۲)

(۶) بنو امیہ کے پانچویں بادشاہ عبدالملک بن مروان (وفات ۸۶ھ) کا ایک نکاح علی (بن ابی طالب) کی ایک بیٹی سے ہوا اور ایک نکاح عبداللہ بن جعفر کی بیٹی سے ہوا (خضری ج ۲ ص ۱۲۶)

ان تمام واقعات حمایت و ہمدردی اور تعلقات نکاح کو انصاف سے دیکھنے کے

بعد کوئی احمق ہی ہوگا جو ذریت ابن سبا کے اس پروپیگنڈے پر کان دھریگا کہ (نعوذ باللہ) قرآن کی تعلیمات اخوت اور نبیؐ کے فیضان صحبت کے بعد بھی بنو ہاشم اور بنو امیہ کی ایام جاہلیت کی کوئی رنجش دلوں میں دشمنی اور کینہ کی حد تک جمی رہی اور اسلام انکے اخلاق کے بدلنے میں (نعوذ باللہ) ناکام رہا یہاں تک کہ وہی قدیم کینہ حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی آویزشوں کا اور واقعہ کربلا کا سبب بنا۔ نعوذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

۴۔ ہاشم تک ۸ پشت سے اور علیؓ و معاویہؓ تک ۱۱ پشت سے خاندان قریش میں سپہ سالاری ہی کا عہدہ چلا آتا تھا۔ تولیت کعبہ کا عہدہ تو ہاشم کے بعد صرف تین پشت اس خاندان میں رہا (عبد المطلب۔ ابوطالب۔ علیؓ) اور اس تولیت کے لینے کی وجہ بھی یہ ہوئی کہ تولیت عبد الدار کے شکست ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ اگر اسوقت ہاشم جارحانہ اقدام حصول تولیت کے لئے نہ کرتے اور موروثی عہدہ سپہ سالاری امیہ کو دیکر خود تولیت کے لئے فارغ نہ ہوجاتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور کے عہد مبارک تک ظاہر اسباب کے لحاظ سے قریش کے قومی مسائل کسقدر پیچیدہ ہوجاتے اور قومی وقار کتنا کچھ گر جاتا۔

اس کے بعد زرا انصاف و دیانت سے اس پر غور کیجئے کہ تولیت کا دینی عہدہ فی نفسہ کن صفات کا متقاضی ہے اور قیادت کا دنیوی منصب اپنی فطرت میں کن صفات کا طالب ہے تو آپکو حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی طبائع اور صفات کا ایک قدرتی اور نفسی فرق ملیگا جس سے دونوں کے حالات و معاملات کے متعلق زیادہ صحیح رائے قائم کیجا سکے گی

(الف) سدانت و تولیت ایک دینی منصب ہے اس کے لئے نرم مزاجی۔ خدا ترسی۔ تواضع۔ صاف دلی۔ ہر ایک پر اعتماد۔ دغا و فریب سے دوری۔۔۔۔۔۔ پیچیدہ حالات میں پریشانی اپنی سجادہ نشینی کا احساس۔ سیاست سے قلت مناسبت۔ اختلافات

کا برداشت نہ ہونا۔ اپنی رائے پر اصرار وغیرہ ایسے صفات ہیں جو عموماً اس منصب والے میں ہوتے ہیں۔

(ب) قیادت کیلئے حزم واحتیاط۔ تیقظ وبیداری۔ سختی ونرمی کی آمیزش۔ سخاوت و سیرچشمی شجاعت۔ پیچیدہ حالات میں اوسان بجا رکھنا۔ سخت حالات میں تدبیر اندیشی بالخصوص کی رعایت وغیرہ صفات ضروریہ ہیں۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ حق تعالیٰ نے نبی صاحب الملحمہ بنایا تھا اس لئے آپکی ذات مبارک میں سیادت کی لینت وسادہ دلی اور قیادت کی غلظت وتیقظ دونوں کی اعلاترین جامعیت اور لطیف ترین آمیزش ودیعت کیگئی تھی یہ جامعیت دین ودنیا یا بالفاظ دیگر "لا یخدع ولا یُخدع" کی صفت تو حضورؐ میں آپکی ذات عالی کے مناسب تھی اور آپکے بعد حضرات شیخینؓ میں انکی ذوات کے مناسب موجود تھی۔ شیخینؓ کے بعد چونکہ حضرت عثمانؓ میں خلافت[1] ہمرنگ نبوت کے بہت کچھ آثار تھے اور وہ سنت شیخین کی تعظیم وتقلید بھی کرتے تھے

---

(۱) خلافت ہمرنگ نبوت یا علیٰ منہاج النبوۃ جسکا نام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "راشدۂ خاصہ" رکھا ہے بہ اشارات احادیث حضرت عثمانؓ تک ہی ملتی ہے حضرت علیؓ میں نہیں ملتی۔ وہ اشارات یہ ہیں (۱) حضورؐ کی خاتم مبارک کا حضرت عثمانؓ کے عہد میں بیراریس میں گر پڑنا (۲) مشکوٰۃ مناقب عمرؓ میں حدیث ابوبکرہؓ میں ہے کہ کسی صحابی نے حضورؐ سے خواب عرض کیا کہ آسمان سے ترازو اتری اسمیں آپؐ اور صدیقؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ تلے پھر ترازو اٹھالی گئی (۳) مشکوٰۃ مناقب عثمانؓ کی آخری حدیث میں ہے کہ ابوبکرؓ حضورؐ سے اور عمرؓ ابوبکرؓ سے اور عثمانؓ عمرؓ سے وابستہ نظر آئے (۴) مشکوٰۃ مناقب عثمانؓ میں ہے کہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب صحابہ حضورؐ کی حیات ہی میں صرف ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے نام توسلسلہ وار لیا کرتے تھے باقی سب کو برابر سمجھتے تھے (۵) قرآن کو امت میں اختلاف نہ ہونے دینا منصب نبوت کا بھی ایک اہم جز تھا جسے حضرت عثمانؓ ہی نے لغت قریش پر ایک نسخہ پر جمع کر کے دیا

اس لئے شیخین سے مشابہت کا اور انکی جامعیت کا بڑا حصہ حضرت عثمان میں بھی تھا۔ لیکن حضرت علی رضؓ چونکہ سنت شیخین کے پابند نہ تھے اس لئے انمیں یہ جامعیت زرا کم تھی ان نفسیاتی اور عمرانی حقائق کی روشنی میں اب اگر آپ حضرت علی کے حالات دیکھئے گا تو آپکو سیرت علی رضؓ میں ہر جگہ "المومن غرٌ کریمٌ" کی سی سادہ طبعی۔ ہر ایک پر اعتماد۔ اپنی رائے کی صحت پر اصرار۔

. . . . . - . . . .

. . . . - . . .

- - - - - - - - - - . . . . . - اہل فریب کی باتوں سے دھوکا کھانا وغیرہ کے واقعات ملینگے اور صاف معلوم ہوگا کہ آپ اپنی ذات سے تو تین چار پشت کی موروثی صفت "سدانت" و خلافت دینی ہی کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ البتہ حضورؐ جیسے جامع استاد کے فیض صحبت سے نیز قدیم وراثت سپہ سالاری سے اپنی استعداد کے بہ قدر قیادت و حکومت کی کچھ نہ کچھ صلاحیت بھی آپکے اندر ضرور تھی مگر زیادہ مناسبت سدانت سے تھی۔

اس کے برخلاف آپکو حضرت امیر معاویہ کی سیرت میں کہیں مرکب تازی، کہیں سپر اندازی۔ فتنوں کا دفعیہ اور مفسدین کی سرکوبی۔ انتظام ملکی و مالی۔ اقتدار کے ساتھ حلم و عفو۔ ماتحتوں کا مشورہ ماننا اور انکی رعایت وغیرہ کے واقعات ملینگے۔ البتہ حضورؐ جیسے جامع استاد کے فیض صحبت سے آپنے بقدر اپنی استعداد کے "سدانت و خلافت" کے دینی کام کی صلاحیت بھی پائی تھی۔ حضرت امیرؓ کے حقیقی بھائی یزید بھی تدبر مملکت کے ماہر تھے والد بھی، دادا بھی۔ اس لئے حضرت امیر کا سیاست میں تجربہ کار ہونا زیادہ قرین قیاس تھا حضرت علی رضؓ کو یہ مواقع حاصل نہ تھے اسلئے سیاست کی پیچیدگیوں میں انکی ناکامی عقلی طور پر سو فیصدی فطری اور عین ممکن تھی۔

یہ ایک نیا نظریہ ہے اور غالباً آج پہلے پہل اس ناکارہ کے قلم سے اہل انصاف کے

سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن اگر آپ اس پر شرعی احکام و نظائر سے بھی نظر ڈالیے تو بھی اس میں نہ کوئی بات قابل حیرت ہے اور نہ اس میں کسی کے لئے کوئی ادنیٰ شائبۂ اہانت و منقصت۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نبی وقت افضل زمانہ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے طالوت نام ایک عام انسان کو بادشاہ اور حکمران بنانے کا حکم دیا کیونکہ بحکم حدیث بنی اسرائیل کی سیاست علمی و نظری تو نبی وقت کیا کرتے تھے مگر اسکے عملی پہلو کا اجرا و نفاذ ملوک دنیا ہی کے ذریعہ ہوا تھا کیا اسمیں حضرت سموئیلؑ کی کوئی منقصت ہو گئی؟ کیا کہیں سے یہ بھی لازم ہے کہ جو بڑا عبادت گزار ہو وہ عمدہ فرماں روا بھی ہو؟ کیا ملائکہ کو انکے تقدس پر نظر کر کے خلافت ارضی کا پیچیدہ کام انکے سپرد کر دینا صحیح ہوتا؟ حضرت علیؓ نے خود ایکبار فرمایا کہ "مجھ سے قبل تینوں خلافتوں میں جو کام اچھی طرح چلتا رہا تو اس لئے کہ ان تینوں کی امارت کیساتھ وزارت ہم لوگوں کی تھی اب میرے زمانہ میں جو کام بگڑا ہے تو اسلئے کہ میری امارت اور تمہاری وزارت ہے" مطلب یہ ہے کہ سیدنا علیؓ اپنے بارہ میں خود اعتراف فرماتے ہیں کہ میں امارت سے زیادہ وزارت کا کام عمدہ کر سکتا تھا۔ اودھر حضرت معاویہ کا حال یہ تھا کہ انکو حضرت عمرؓ جیسے مردم شناس نے بازنطینی حکومت کے مقابلہ میں گورنر بنایا تھا اور انکو کسریٰ العرب کہا کرتے، لوگ انکو عموماً داہیۃ العرب کہا کرتے تھے۔ اگر کہیں حضرت معاویۃؓ میں سابقیت اسلام اور ہجرت کے شرف بھی موجود ہوتے تو میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ اپنی دینی اور دنیاوی صلاحیتوں کے باعث شاید حضرت عمرؓ کے بعد ہی خلیفہ بنا دیے جاتے۔ بہر حال جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جناب امیرؓ نے جو رفتہ رفتہ حضرت علی سے حکومت و خلافت لے لی پھر ۴۱ھ میں سیدنا حسنؓ سے صلح کر کے خلافت بالکلیہ اپنی طرف منتقل کرالی تو یہ میرے نزدیک ایک طرف تو اسوقت کی اہم ترین سیاسی ضرورت، امت کی بہترین خدمت، ملت کی افضل ترین مصلحت تھی اور

دوسری انکا یہ فعل قریش کی تاریخ میں ہاشم اور عبدالدار کی داستان کا اعادہ اور خاندانی روایت کی عین اقتدا تھی حضرت معاویہؓ نے واقعہ تحکیم میں وہی کیا جو ہاشم نے عبدالدار سے کیا تھا یعنی خدا نا کردہ واقعہ تحکیم اور واقعہ صلح کے موقعوں پر حضرت سیدنا معاویہؓ زرا بھی سختی دکھاتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سبائی فتنہ کے زور اور آل علی کی کمزوری، سادگی اور فتنہ میں تحیّر اور بے بسی کے باعث امت مرحومہ آج کس قعر ذلت میں پہونچ گئی ہوتی!

یہاں بے موقع نہ ہوگا اگر ہم حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارہ میں دو دو ارشاد نبوی درج کرکے اسکی روشنی میں بھی دونوں حضرات کا موازنہ و تقابل کریں۔ شاید ان احادیث میں میرے اس نظریہ "عدم تفاضل درمیان علیؓ و معاویہؓ" پر بھی شاید کچھ روشنی پڑ جائے۔

(الف) حضرت علیؓ کے بارہ میں ——— کہ اس کے راوی بھی خود حضرت علیؓ ہی ہیں ——— حضورؐ نے فرمایا "...... وان تؤمّروا علیّاً ——— ولا اُراکم فاعلیہ تجدوہ ھادیاً مھدیاً یاخذ بکم الطریق المستقیم" (مشکوٰۃ مناقب العشرۃ عن احمد) یعنی اے لوگو... اگر تم علی کو میرے بعد میرا پہلا جانشین بناؤ گے (اور میں تو نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے) تو تم انکو ہدایت یافتہ اور ہدایت آموز پاؤ گے وہ تمکو صراط مستقیم ہی پر لئے رکھینگے"۔ اس ارشاد نبوی میں خصوصیت کیساتھ دو باتیں زیادہ توجہ کی مستحق ہیں، ایک یہ کہ حضورؐ نے فرمایا" ولا اراکم فاعلیہ" "میں تو نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے" کے دو ہی صحیح محمل ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ جس جماعت میں ابوبکر و عمرؓ ہوں اسمیں تم لوگ علیؓ کا انتخاب کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہر حیثیت سے علیؓ سے افضل ہیں اور یا پھر یہ کہ میرے بعد دین اور خلافت کو چونکہ استحکام کی سخت ضرورت ہوگی اسوقت علیؓ خلیفہ بنائے جانے کے قابل نہیں وہ اپنی افتاد طبع کے باعث میرے بعد کی پہلی خلافت کے لئے وہ موزوں نہیں ہیں۔ البتہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد کسی وقت وہ خلیفہ ہو بھی سکتے ہیں کیونکہ

وہ ہادی، مہدی ہیں اور طریق مستقیم پر تمکو لئے رہینگے۔ اگر یہ دوسرا محمل بھی صحیح ہو تو یہ وہی بات ہے جسے میں نے "سیرت متولیانہ" کہا ہے بہر حال اس حدیث میں ایک تو لاارٰکم فاعلیہ قابل توجہ ہے اور دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کے تین اوصاف اس حدیث میں بیان فرمائے ہیں، ہادی، مہدی، یاخذ بکم الطریق المستقیم، اس کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کے بارہ میں حضورؐ کی دعا ہے (اور معلوم ہی ہے کہ نبی کی دعا مستجاب ہوتی ہے) "اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھد بہ" یعنی اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت یافتہ، ہدایت آموز بنا دیجیے اور انکے ذریعہ دوسرونکو بھی ہدایت ہی پر رکھیے۔ عجب اتفاق ہے کہ حضورؐ نے حضرت معاویہؓ کے لیے بھی انھیں تین اوصاف کی دعا فرمائی جن کا حضرت علیؓ کے بارہ میں اثبات فرمایا تھا یعنی ہادی۔ مہدی اور واھد بہ۔ جو مآل و معنی کے لحاظ سے ٹھیک یاخذ بکم الطریق المستقیم کا مرادف ہے اسمیں احقر کے نزدیک حضورؐ نے امت کو اور صحابہ کو اشارہ فرمایا ہے کہ امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے برابر سمجھو، معاویہؓ میں حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جو میری صحبت اور ہجرت نکرنے وغیرہ کیوجہ سے اخلاق کی اصلاح میں اور تزکیۂ روح میں کمی ہے اسے میں اپنی دعائے مقبول سے پوری کئے دیتا ہوں چنانچہ (غالباً اسی ارشاد نبوی کی تعمیل میں) جملہ صحابہؓ کا عام اور مستقل اور غیر متبدل عقیدہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد تمام صحابہ برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں جیسا ابن عمر کا ارشاد بخاری میں ہے "..... ثم لا نفاضل بین احد منھم" کہ ہم کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(ب) مسند احمد ہی کی روایت ہے جس کے راوی بھی حضرت علیؓ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "یا علی ان ولیت الامر الخ" یعنی اے علیؓ جب بھی تمکو میرے بعد کار خلافت ملے تو تم نجرانی عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا" (افسوس ذریت ابن سبا کی شرارتوں کے باعث آپکو اسکی تعمیل کا

موقع نہ مل سکا) اور حضرت معاویہؓ کے بارہ میں فرمایا "یا معاویۃ! ان ولیت امراً الخ یعنی اے معاویہ اگر تمہیں کہیں کی حکومت ملے تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف ہی کرتے رہنا" معاویہؓ کہتے ہیں کہ اسی وقت سے مجھے خیال رہنے لگا کہ حضورؐ نے جب فرمایا ہے تو مجھے کہیں نہ کہیں کی حکومت ضرور ملیگی" (جمع الفوائد) صاف معلوم ہوتا ہے کہ (۱) حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھی امارت کی پیشین گوئی دی اور حضرت معاویہؓ کو بھی دی۔ اس سے حکومت کا خیال دونوں کو لگا رہنا فطری امر تھا جس کا امیر معاویہؓ نے خود اقرار لفظوں میں کر دیا اور حضرت علیؓ نے گو لفظوں سے اس انتظار کا اقرار نہ کیا مگر عمل سے حضرت عثمانؓ کے منتخب ہونے کے بعد تک برابر کرتے رہے (۲) حضرت علیؓ کو "الامر" فرمایا جس میں خلافت راشدہ کا اشارہ نکلتا ہے اور حضرت معاویہؓ کو "امراً" کہا جس سے خلافت راشدہ کے باہر کا اشارہ نکلتا ہے۔ (۳) چونکہ حضرت علیؓ کی صحبت

لہ جمع الفوائد میں معجم کبیر طبرانی سے نقل کی ہے "عن ابن عباسٍ رفعہ: اول ھذا الامر نبوۃ ورحمۃ ثم تکون خلافۃ ورحمۃ ثم تکون ملکاً ورحمۃ الخ (ج ۲ ص ۳۱۷ - ۳۱۸) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا اس دین کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہے (میں نبی رحیم ہوں) پھر خلافت اور رحمت کا زمانہ ہوگا (میرے بعد کچھ خلفاء رحیم ہونگے جنکی مدت تیس سال ہوگی) پھر ملوکیت اور رحمت ہوگی (یعنی ایک ملک رحیم ہوگا مراد امیر معاویہؓ) الخ حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خلافت کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں (۱) راشدۂ خاصہ۔ ابوبکرؓ سے عثمانؓ تک جسے بعض اہل علم خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بھی کہتے ہیں (۲) راشدہ مطلقہ۔ حضرات علیؓ و حسنؓ کی خلافتیں جسے بعض اہل علم خلافت علیٰ منہاج الولایۃ کہتے ہیں (۳) عادلہ۔ حضرات معاویہؓ عمر بن عبدالعزیزؒ کی اسلامی شان کی حکومتیں۔ (۴) عامۃ ناقصہ۔ دنیا کا کوئی مسلمان بادشاہ۔ ۱۲۔ (از مقدمہ آیات خلافت ص ۵ بحوالہ ازالۃ الخفا)

یافتگی اور تزکیہ قلب کیطرف سے آپکو اطمینان تھا اس لئے انکے ذمہ دنیوی کام "عیسائیوں کو عرب سے باہر نکالنا لگا دیا اور حضرت معاویہؓ کو چونکہ حضورؐ کی صحبت نسبتاً کم ملی تھی اس لئے انکو دینی اور روحانی ہدایت تقویٰ و عدل اختیار کرنے کی دی۔ کچھ تقابل آئندہ فصل میں آرہا ہے۔

فصل چہارم

بعض صحابہ پر نقد و تبصرہ

فصل سابق میں اصولی طور پر بنو ہاشم اور بنوامیہ کے موروثی صفات اور چند احادیث نبوی سے حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کا کچھ تقابل کیا گیا تھا ضرورت تھی کہ واقعات کی روشنی میں اس عقلی نظریہ کی تصدیق بھی درج کر دی جائے تاکہ اس نظریہ کو لوگ فرضی نہ تصور کر لیں۔ اہل تاریخ نے بعض شخصیتوں کی سیرت کا چونکہ ایک ہی پہلو (مدح یا قدح) ضرورت اور حد عقل و شرع سے بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے اس لئے ہم بہ ضرورت اور بمجبوری بلکہ دلی کراہت کے ساتھ صرف دوسرے غیر مشہور پہلو کا ذکر ذرا وضاحت مگر انصاف سے کریں گے تاکہ (۱) مدح و قدح دونوں صورتوں میں مسلمانوں کے عقائد اعتدال پر آجائیں (۲) تاریخ کے اکثر دہ واقعات (جن پر سے سرسری طور پر گزرنے یا عقیدت کی عینک لگا کر دیکھنے سے بعض سیاسی اور تاریخی گتھیاں لاینحل رہ جاتی ہیں) سمجھ میں آنے لگیں (۳) مورخانہ دیانت کا خون نہ ہو ہم جانتے ہیں کہ ہمارا یہ فعل کج طبائع کو سخت ناگوار گزرے گا مگر ہم انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور مستند حالات[لہ] و معتمد روایات درج کریں گے۔ البتہ کہیں اسکے ساتھ غیر منصف

لہ۔ چنانچہ بیشتر حالات ہم تاریخ ملت حصہ دوم سے اور سیر الصحابہ حصہ ششم ہی سے نقل کریں گے۔

مورخوں کے تعصب بھرے الزامات کی موزوں ترین تاویل کریں گے کہیں انکا الزامی عجب اب دب گے اور وہ اس لئے تاکہ اہلسنت اہل قلم ان حالات سے واقف ہو کر دیگر صحابہ کے ساتھ بدزبانی، بیباکی، حد سے گزرے ہوئے الزامات لگانا چھوڑ دیں۔

دیگر صحابہ کے ساتھ بیباکی کی ایک ادنیٰ مثال نمونہ کے طور پر درج کیجاتی ہے۔

حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے تقابل میں ایک سنی اہل قلم نے یہ جملہ بھی لکھا ہے۔

"ابن عم رسول خلیفہ راشد علی مرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا۔ ع

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا" (سیر الصحابہ جز ۶ ص ۴۹ طبع دوم)

میں صاحب ایمان سے انصاف طلب ہوں کہ کیا اسمیں "تنقیص معاویہ" کا پہلو نہیں نکل رہا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے "اصحابی کالنجوم" یعنی میں آفتاب ہدایت ہوں اور میری صحبت کا فیض اور میری نبوت کا نور بقدر استعداد پاکر ہر صحابی ایک جیتا جاگتا چمکتا جگمگاتا تارا ہے (گو آپس میں ایک دوسرے سے روشنی میں کم وبیش ہے مگر ہے تارا روشن) اس ارشاد کے ہوتے ہوئے فاضل مصنف نے ایک شاتم صحابہ گروہ کی پیروی میں حضرت معاویہ کو چراغ مردہ (بجھا چراغ) فرمایا ہے کیا اسکی کوئی سند وہ کتاب وسنت سے یا اقوال فقہاء سے اپنے پاس رکھتے ہیں؟ (عرفاء وصوفیہ کا قول اس بارہ میں معتمد نہیں کیونکہ وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں) فاضل مصنف نے حضرت علیؓ کی تشبیہ کی زبان میں جو کچھ فرمایا ہے ہمیں اس پر مطلق اعتراض نہیں۔ ہم بھی اسکے ہمنوا اور مؤید ہیں مگر اتنا ضرور عرض کریں گے کہ ان دونوں حضرات میں جو تقابل۔ موازنہ نامناسب جناب نے قائم کیا ہے وہ غلط ہے اور یقیناً غلط ہے۔ گمراہ کن ہے اور یقیناً گمراہ کن ہے۔ اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے اور یقیناً خلاف ہے۔ شبہہ ہو تو محتاط علماء سے استفتا کر لیجئے!

بہرحال میری تنقید کو انشاء اللہ نمونہ مذکورہ کیطرح کوئی شخص تنقیص تو نہ پائیگا یہ بات دوسری ہے کہ خلاف معمول یا خلاف مذاق پاکر میری تنقید کو کوئی شخص تنقیص سمجھ بیٹھے ایسے موقع پر محتاط علما سے تحقیق کیجیے گا تو انشاء اللہ یہی معلوم ہو گا کہ وہ تنقیص نہیں۔ تاہم اندیشہ ہے کہ کچھ لوگ نقد صحابہ ہی کو قابل اعتراض کہنے لگیں گے تو اسکا علمی اور تفصیلی جواب تو علما دینگے میں مختصراً چند باتیں عرض کئے دیتا ہوں۔

۱۔ صحابہ چونکہ معصوم نہیں اس لئے انسے گناہوں کا صدور ممکن بھی ہے اور وقوع بھی ہوا مگر صحبت نبوی کی برکات اور فیوض سے انمیں نیکیاں بہ کثرت اور گناہ اور برائیاں کم، بہت کم اور بہت ہی کم تھیں اسلئے مجموعی طور پر انپر انکی نیکیوں کے لحاظ سے حکم نیکی ہی کا کیا جائے گا محض اتفاقی گناہ یا لغزش کے باعث انپر سے اعتقاد کم کرنا کسی طرح جائز نہیں کہ دین کے وہی راوی اول ہیں۔

۲۔ صحابہؓ کو غلطی اور گناہ پر اصرار اور قرار کبھی نہیں ہوتا تھا۔ انکو گناہ ہونے پر توبہ کی توفیق اور غلطی ہونے پر رجوع کی توفیق جلد اور بہت جلد ہو جاتی تھی کیونکہ انکے قلوب انوار ایمان اور برکات صحبت نبوی سے کافی منور ہو چکے تھے۔

۳۔ صحابہ کے اندر جس طرح ظاہر جسم میں کوئی نقص مثل نابینائی ضعف جسم قلب ضعف وغیرہ ممکن اور واقع تھا اسی طرح انکے اندر قلبی اور باطنی طور پر اپنی رائے پر ضد اور اصرار بھولا پن اور ہر ایک پر جلد اعتماد، دوسرونکے مقابلہ میں اپنے شرف نسب یا شرف عمل کا احساس بھی ممکن اور واقع تھا منجملہ بشری کمزوریوں کے یہ بھی کمزوریاں انکے اندر ممکن تھیں اور موجود تھیں البتہ ممنوع حد تک نہیں تھیں۔ یہ کمزوریاں یقیناً ہم جیسے دنیاداروں کیطرح زیادہ یا راسخ ہرگز ہرگز نہیں تھیں۔

۴- ہر صحابی مجتہد تھا۔ کسی معاملہ میں اسکی رائے صحیح یا غلط جیسی بھی قائم ہو جاتی وہ انکے لئے خطا اور گناہ نہ تھی غلط رائے ہی کو اجتہادی غلطی کہتے ہیں۔ ایسی غلطی پر انکو ایک ثواب ملتا ہے مواخذہ اخروی سے وہ یقیناً بری اور بعید ہیں۔

۵- صحابہ کی رائے کی غلطی کا ذکر یا انکے جسمانی کسی نقص کا ذکر یا انکے کسی باطنی نقص کا ذکر جسے عام طور پر تنقید کہتے ہیں گناہ نہیں ہے انکا صحیح ذکر اور رائے زنی علمی و شرعی ضرورت ہو مثلاً سیرت و تاریخ میں یا اسماء الرجال میں تو ناگزیر اور لازم ہے۔ تاریخی دیانت ہے۔ محض ادب یا دیانت اور صداقت کا خون کرنا کوئی دینی فعل یا محمود فعل نہیں۔ البتہ بلا ضرورت تنقید سوء ادب ہے

۶- البتہ بعنوان حدیث "لا تتخذ وھم غرضاً" انکو کسی فعل پر نشانہ ملامت نہ بنانے لگنا چاہیئے۔ انکو برا نہ سمجھنے لگنا چاہیئے۔ انسے دل میں بغض نہ رکھنا چاہیئے۔ نشانہ ملامت بنانے میں کسی کی ذات کو برا سمجھنا لازمی ہوتا ہے صحابہؓ کی غلطی کا ذکر یا اس سلسلہ میں رائے زنی ایک چیز ہے اور اس غلطی پر انکو نشانہ ملامت بنانا انکی بے ادبی کرنا دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کا مطلب کسی کے فعل یا رائے کو برا سمجھنا ہے اور دوسری کا مطلب کسی کی ذات کو برا سمجھنا ہے۔ پہلی چیز جائز ہے اور دوسری ناجائز اور حرام۔ پہلی چیز تنقید ہے اور دوسری چیز تنقیص۔ مناظرہ یا الزامی جواب میں بعض وقت ایسے طرز سے بات کرنی پڑتی ہے جس پر نشانہ ملامت بنانے کا شبہہ گزر سکتا ہے مگر وہ ابہام ہی ابہام ہوتا ہے۔ اگرچہ غلطی کا ذکر بھی بضرورت ہونا چاہیئے۔

۷- نہ تو خوش اعتقادی کو اس حد تک بڑھادے کہ انکی کسی غلطی کو بھی اچھائی یا کچھ "اسرار خداوندی" بنا کر پیش کرے اور انصاف کو بالائے طاق رکھدے۔ دماغ پر پھپھوندی جم جائے اور عقل پر قفل پڑ جائے۔ اور تنقید میں اتنی بے باکی اختیار کر جائے کہ تنقید سے تنقیص پر اتر آئے۔

۸- سب سے بڑھکر اس غلطی کا مرتکب نہ ہو کہ بعض صحابہ خصوصاً حضرات علی و حسن و حسین

رضی اللہ عنہم کو تو تنقید سے بالاتر یقین کرے اور بعض صحابہ کو خصوصاً حضرت سیدنا ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنقید، تنقیص سبھی کا مستحق سمجھے کر یہ آواز بازگشت ہے ابن سبا اور اسکی ذریت کی، اور یہ بقایا ہے سیدنا علی وحسن وحسینؓ کو معصوم سمجھنے کا۔

مثلاً۔(۱) امام ابن تیمیہ نے حضرت سعد بن عبادہ کی شان میں لکھا ہے کہ "انہیں امید ہونے لگی تھی کہ انصار کیطرف سے وہ امیر ہو جائینگے مگر یہ بات حاصل نہ ہو سکی تو انکے دل میں یہ بات حصول امارت کی بقیہ خواہش بنکر رہ گئی" (منہاج السنۃ ج۲ صفحہ ۲۳) اب اگر حصول امارت کی بقیہ خواہش کا لفظ ایک صحابی کے لئے لکھا جا سکتا ہے اور امام ابن تیمیہ جیسا مجدد اور حدود سے واقف شخص لکھ سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تاریخ میں ایسے ہی حالات دیکھنے کے بعد بھی یہی لفظ سیدنا علی وسیدنا حسین کے لئے نہ استعمال کیا جا سکے اس لفظ میں اگر کوئی سوئے ادب ہے تو سب کے لئے ہے اور اگر سوئے ادب سیدنا سعدؓ کے لئے نہیں ہے تو سیدنا علیؓ وحسینؓ کیلئے بھی نہیں ہے۔ یا مثلاً (۲) مولینا شبلی حضرت امام ابن زبیرؓ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ "وہ اہل شام کے نزدیک باغی تھے"۔ اگر اہل شام کے نزدیک باغی کا لفظ امام ابن زبیر کے لئے لکھا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہی لفظ سیدنا حسین کے لئے استعمال نہ کیا جا سکے۔ درآنحالیکہ دونوں کا اقدام ایک نوعیت کا تھا اور اہل شام کے خلاف تھا۔

آگے ہم تین صحابہ کے متعلق بعض احوال لکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

آپکے مناقب ومکارم صحیحہ ثابتہ پر ہمارا بھی اسی طرح ایمان ہے جیسا ایک صحیح العقیدہ سنی حنفی اہل علم کا ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ یہاں برکت کے لئے ہم ایک حدیث آپ کی منقبت کی لکھتے ہیں۔

"ابوذر رفعه: یا علی من فارقنی فارق الله ومن فارقك یا علی ـ فارقنی (جمع الفوائد ج۲ مناقب علی) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی جو مجھ سے الگ ہوگا وہ خدا سے الگ ہوگا اور اے علی جو شخص تجھ سے الگ ہوگا وہ مجھ سے الگ ہوگا" (یا اللہ مجھے اور تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس وعید سے بچائیے اور حشر میں حضرت سیدنا علیؓ کے پیچھے ماننے والوں کی جماعت میں حضورؐ کے سامنے پہونچائیے۔ آمین) لیکن قبل اس کے کہ میں خود کچھ حالات آپ کے مع نقد و تبصرہ خود لکھوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثال کے لئے ایک بے مثال عالم و درویش کا مثالی نقد و تبصرہ اور پھر ایک مورخ کا مورخانہ تبصرہ پہلے پیش کردوں۔

"مقدمہ یازدہم: تعیین فضل را دو طریق است اول نص شارع دوم تتبع احوال و اعمال ... طریق اول لفظ افضل و خیر کہ نص در مدعا است در حق ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما صحیح و مشہور است و لفظ سیّد و احبّ در حق علی و فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہم ورود یافتہ و سابق گذشت کہ سیادت و احبیت دلالت بر فضل جزئی می کندو

۱؎ چنانچہ اسکا اظہار کرنا تو نہ چاہیئے تھا مگر تحدیث بالنعمۃ کی نیت سے (نیز بعضوں کا وہم دور کرنے کے خیال سے) ظاہر کردیتا ہوں کہ میں روزانہ تین بار سیدنا علی و حسنین رضی اللہ عنہم کے ارواح مبارکہ کو ایصال ثواب کرتا ہوں تاکہ رفض و خروج کا زہر میرے دل میں اثر نہ کرنے پائے وللہ الحمد۔

۲؎ حضورؐ نے لفظ سید حضرت حمزہ کو بھی فرمایا ہے "سید الشہداء حمزہ" اور شیخین کو بھی کہا ہے "ھذان سیدا کہول اہل الجنۃ" اور چچیرے اور رضاعی بھائی ابوسفیان بن حارث کو بھی فرمایا "سید فتیان اہل الجنۃ" (رحمۃ اللعالمین دوم ص)۔

طریق دوم ..... پس از آنجملہ جہاد است ..... گویند مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ
در جہاد افضل بود از صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما گویم جہاد سہ قسم است اول
جہاد زبانی کہ دعوت اسلام و فہمانیدن شرائع و وعظ و نصیحت ..... می باشد
دوم جہادیکہ نزدیک جنگ می شود بہ تدبیر دوا و القاء رعب ..... سوم جہاد بدست
خود بطعن و ضرب ..... و آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نفرمودند مگر دو قسم اول را۔
پس لابد آں دو قسم اعلیٰ و افضل باشند از غیر خود۔ و دریں دو قسم ابوبکر و عمر بر جمیع صحابہؓ
پیش قدم بودند ..... نیز آنحضرتؐ اشجع الناس بود و ابوبکر و عمر در جہاد ہرگز مفارقت آنحضرتؐ
نمی کردند پس جہاد ایشاں افضل شد از جہاد دیگراں مثل حضرت علی مرتضیٰؓ و زبیرؓ
و حمزہ و از آنجملہ است علم ..... گویند کہ حضرت علی در علم افضل بود از دیگراں ... گویم
زیادتی در علم بدو طریق تواں دریافت: اول کثرت روایات و فتاویٰ۔ دوم استعمال
آنحضرتؐ شخصے را در مقدمہ کہ تعلق بہ تعلیم دارد ..... و بالقطع معلوم است کہ آنحضرت
ابوبکر صدیق را بر نماز حج و جہاد عـــہ امیر ساختہ۔ و عمر را بر صدقات عامل فرمودہ و نزد
محدثین اکثر روایات صدقات ابوبکر رسیدہ و مسائل زکوٰۃ را شرح دادہ و حدیث
زکوٰۃ کہ از طرف مرتضیٰ علیؓ مروی شدہ بدرجہ صحت نہ رسیدہ ..... نیز معلوم است
کہ ابوبکر و عمر ہمیشہ مسافر و مصاحب و مشیر و وزیر آنحضرتؐ می بودند و ہر قدر کہ صحبت پیغمبر باشد
اطلاع بر احکام و فتاوی بیشتر ..... پس اگر مدت حیات ابوبکرؓ با مدت حیات
دیگراں و موانع روایت او را با موانع دیگراں قیاس کنم معلوم می شود کہ نزد ابوبکرؓ

عـــہ اور زکات پر بھی چنانچہ ایک خاتون کے جواب میں آپ نے فرمایا میرے بعد ابوبکر کے پاس زکات لانا ۱۲

اضعافِ علمِ دیگراں بود و بر ہمیں قیاس باید کرد فتاویٰ را و ہمچنیں است حالِ عمر
و از انجملہ است علمِ قرآنؐ است و اشتغال بہ قرارت او در ینجا خود بالقطع معلوم ست
کہ علی مرتضیٰؓ را زیادتی در علمِ قرآن بر ابوبکرؓ و عمرؓ نبود بالاتفاق و تقدیم آنحضرت ابوبکرؓ
را بر علیؓ در نماز نیز دلالت می کند بر اینکہ علیؓ از ابوبکرؓ اقرأ نبود. و کذا افقہ در علم نبود و از انجملہ
است تقویٰ و اتباعِ شریعت بالیقین معلوم است کہ ابوبکرؓ ہیچگاہ مخالفِ آنحضرت
کلمہ نگفتہ چنانچہ صلحِ حدیبیہ و اخذ فدا بدریاں معلوم است و ارادہ او گاہے مخالف
ارادہ آنحضرتؐ نبود و در امتثال او امر گاہے تہاون نکردہ و از حال علی مرتضیٰؓ نیز
معلوم است کہ در خطبہ دختر ابوجہل و در تقیید نمازِ تہجد (؟) مورد عتاب گردیدہ۔
و از عمرؓ اگرچہ جا بجا مخالفِ آنحضرت کنگاشے و مشورہ واقع شدہ محض برائے تشدد
فی دین اللہ ..... واقع شدہ ..... پس این قسم مخالفت عین اتباع و
موافقت است ..... و از آنجملہ است زہد گویند کہ ازہد الناس علیؓ بود و معلوم است
کہ ابوبکرؓ اسلام آورد و مال بسیار داشت و آں ہمہ را للہ فی مرضات اللہ و رسولہٗ
صرف کرد و جماعتے از ضعفائے مسلمین را خریدہ آزاد فرمود تا آنکہ ہیچ درم از مالِ او باقی
نماند۔ و از یں جہاں گذشت و ہیچ مزرعہ و عقارے برائے خود نخریدہ برائے خود

مہ۔ چنانچہ باغِ فدک اور میراثِ رسول ہی کا مسئلہ کہ قرآن کی آیت فے موجود۔ رسولؐ کا عمل
موجود۔ پھر بھی حضرت ابوبکر سے طلبِ میراث کرنے پر صحیح جواب ملنے کے باوجود حضرت علی و عباس
رضی اللہ عنہما حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہد تک اسے ترکہ اور اپنا حق سمجھتے رہے جیسا آگے حدیث آتی ہے

نگزاشت...... بخلاف علی مرتضیٰؓ کہ ضیاع و عقار بسیار گرفت و مزارع و باغات احداث فرمود...... اما علی مرتضیٰ چوں فوت شد چار زن گذاشت و نوزدہ سریہ و خادمان و غلامان بسیار و قریب سی کس اولاد۔ و برائے ایشاں از عقار و ضیاع بہ قدریکہ بہ سبب آں اغنیا بودند گزاشتہ رفت ...... نیز زہد حقیقی آن است کہ نہ خود لذت دنیا بردارد، نہ اقارب و اولاد خود را بداں منتفع سازد۔ و حال ابوبکر ہمیں است کہ مثل طلحہ بن عبداللہ برادرزادہ داشت و مثل عبدالرحمن بن ابی بکر پسرے و مثل عائشہ دخترے ویکے را ازینہا عامل نہ فرمود۔ و مرتضیٰ علیؓ عبداللہ بن عباس را عامل بصرہ فرمود، و عبید اللہ بن عباس را در یمن، و قثم ابن عباس را بر مدینہ و جعدہ ابن ہبیرہ را کہ ہمشیر زادہ اش بود بر کوفہ و محمد بن ابی بکر را کہ ربیبش بود بر مصر و حضرت حسنؓ را بعد از خود خلیفہ ساخت...... پس زہد آنہا (ابوبکرؓ و عمرؓ) او فر و اتم باشد از زہد علیؓ کہ محض برجان خود بود، نہ بر اقارب خود و آں ہم در خس خوری و خس پوشی۔ نہ در اتخاذ ضیاع و عقار و ازواج و سرایا (؟ سراری) و جواری و غلمان...... و از آنجملہ است صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ و ایں خود امر ظاہر است کہ مرتضیٰ علیؓ را دریں باب مشارکت نیست با ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما۔ و آنچہ گویند کہ علی مرتضیٰؓ ہیچگاہ بت نہ پرستیدہ بر خلاف ابوبکرؓ و عمرؓ گویم نہ پرستیدن بت بہ سبب صغر سن بود، ہیچ بزرگی ندارد، و عمر مرتضیٰؓ در وقت بعثت دہ سال بودہ باشد و دریں عمر ہمیشہ در خانہ آنحضرتؐ پرورش یافتہ

؎ ۔ مطلب یہ کہ خواجہ ابوطالب کے ساتھ رہتے تو انکی دیکھا دیکھی بت کو حضرت علی بھی ضرور ہی (باقی ص ۱۰۷ پر)

وقاعدہ اطفال است کہ آنچہ از بزرگان خود می بینند بموجب آں عمل میکنند ..... وازآنجملہ است خلافتؓ وحسن سیاست ..... ودرینجا خود افضلیت ابوبکر وعمر ظاہر وباہر است زیراکہ اول بعد از موت پیغمبر فتنۂ مرتدین واقع شد ودرآں واقعہ ضعف ہیچکس ثابت تر از ابوبکر نبود ..... وغلبۂ اسلام روزبروز در ترقی وتزاید شد ..... بخلاف مرتضیٰ علی کہ در وقت او ہیچ قریہ مفتوح نشد وغیر از خانہ جنگی وقتال وجدال اہل اسلام را کارے نماند وقرأت قرآن وعبادات ہمہ منسی وفراموش گشت وغیر از طعنہ در کبرائے اسلام وتجسس عیوب ہمدیگر وبدگفتن بعض مر بعض را شغلے دیگر نداشتند۔ پس مثل آفتاب روشن گشت کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ را ہم در جہاد وہم در علم وہم در قرأت وہم در زہد وہم در تقویٰ وخشیت وصدقہ۔ وحسن سیاست وخلافت واطاعت خدا ورسول ومحبت دین وترویج احکام شریعت۔ مرتبہ الیست کہ دیگرےؓ را اصلا نیست و ہمیں امور را شارع موقع فضل وبزرگی گردانیدہ وسابق گذشت کہ زیادت وعلو نسب وقرابت با رسول اللہ ..... را با ایں کہ متنازع فیہ است ساے نیست (کتاب السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل مصنفہ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلوی انصاری برقی پریس۔ دہلی ۱۳۵۵ھ۔ از ص ۱۹ تا ۴۳۔ حذفا واختصارا)

(بقیہ ۱۰۶) پوجتے۔ حضورؐ کی پرورش میں رہکر جو بت پرستی نہیں کی تو کوئی بڑا کمال نہیں کیا البتہ ابوبکر نے بھی بت نہیں پوجا تو یہ انکا ایک بہت بڑا کمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو بھی کرم اللہ وجہہ بزرگوں نے لکھا ہے۔

عہ یعنی حضرت علیؓ کو بھی اور دو سرونکو بھی۔

اس تفصیلی رائے کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

کسی شخص کے افضل ہونے کا علم دو ہی طرح ہو سکتا ہے ایک تو شارع علیہ السلام کی غیر مبہم رائے اور دوسرے اس شخص کے احوال و اعمال کی تحقیق۔ پہلی چیز یعنی نص اور رائے شارع کا حال یہ ہے کہ افضل و خیر کے لفظ ہی افضل ہونیکو زیادہ واضح کرتے ہیں اور یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارہ میں فرمائے ہیں رہا سید اور احب کے الفاظ تو یہ افضل ہونیکو نہیں بلکہ محبوب اور ممتاز ہونیکو اور جزوی فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں اسی لیے حضورؐ نے یہ الفاظ علی فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہما کے بارہ میں فرمایا۔ اب احوال و اعمال کو لیجئے تو

(الف) کہا جاتا ہے کہ حضرت علی جہاد میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل تھے۔ جواب یہ ہے حضور ہی سب سے زیادہ شجاع تھے انھوں نے یا تو دعوت اسلام اور وعظ کا زبانی جہاد فرمایا اور یا جنگ میں موقع جنگ اور دشمن کو مرعوب کرنے کی تدابیر عمل میں لانے کا جہاد کیا اور یہ دونوں قسمیں دست بدست جنگ سے بدرجہا افضل ہیں۔ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے برابر اول الذکر قسموں کے جہاد میں حصہ لیا اسلئے شیخین جہاد میں علی، حمزہ، زبیر رضی اللہ عنہم سے بڑھکر ہوئے۔

(ب) کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علم میں دوسروں سے بڑھکر تھے جواب یہ ہے کہ حضور نے ابوبکر کو نماز۔ حج۔ جہاد پر امیر بنایا تھا۔ محدثین کو زکات کی احادیث بھی بروایت ابوبکر ملی ہیں۔ حضرت علی کی مروی روایتیں صحت کے درجہ کو نہیں پہونچ سکیں اسکے علاوہ شیخین رضی اللہ عنہم آنحضرت کے وزیر و مشیر زیادہ رہے انکو علم و فتاویٰ کا زیادہ تھا۔

(ج) علم قرآن میں بھی علیؓ، ابوبکرؓ سے اقراء اور افقہ نہ تھے۔ نماز کی امامت ابوبکرؓ ہی کو تھی۔

(د) اب تقویٰ اور اتباع شریعت کو لیجئے۔ ابوبکرؓ نے کبھی حضور کی مخالفت نہیں

کی تو حضرت علیؓ ابوجہل کی لڑکی سے پیام نکاح بھیجنے پر اور نماز تہجد کے بارہ میں (۶) حضورؐ نے عتاب فرمایا۔ رہا حضرت عمر نے جو بعض مشوروں میں حضورؐ سے اختلاف کیا تو یہ مخالفت عین موافقت ہوئی۔

زہد میں حضرت علیؓ کو سب سے بڑھکر کہا جاتا ہے۔ جواب ہے کہ ابوبکرؓ اسلام لانے سے قبل بڑے مالدار تھے انھوں نے اس مال سے کمزور غلاموں کو خرید کر خدا کی راہ میں آزاد کیا اور تہیدست ہو گئے پھر نہ جائداد خریدی اور نہ وارثوں کیلئے ترکہ میں کچھ چھوڑا۔ مگر حضرت علی نے بہت جائداد خریدی۔ باغ لگوائے وفات کیوقت ۱۹ کنیزیں اور بہت سے غلام چھوڑ کر انتقال فرمایا اور اولاد کے لئے اتنی جائداد چھوڑی جس سے وہ لوگ غنی ہو گئے۔ اسکے علاوہ اصلی زہد تو یہ ہے کہ لذات دنیا سے نہ خود فائدہ اٹھائے نہ اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کو نفع اٹھانے کا موقع دے۔ ابوبکر نے عبدالرحمن جیسے فرزند کو کبھی کہیں کا گورنر نہیں بنایا۔ اور علیؓ نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا۔ عبید اللہ کو یمن کا۔ قثم کو مدینہ کا۔ اور ابن ہبیرہ کو کوفہ کا۔ محمد بن ابی بکر کو جو آپ کی پرورش میں تھے مصر کا گورنر بنا دیا۔ اور حضرت حسن کو اپنے بعد خلیفہ بنا گئے اس سے معلوم ہوا کہ شیخین کا زہد حضرت علی کے زہد سے بڑھکر تھا اور زہد علی جو تھا بھی تو محض موٹا جھوٹا کھانے پہننے ہی میں تھا۔ مال، جائداد، کنیز و غلام حاصل کرنے میں نہ تھا۔

(۹) صدقہ خیرات میں حضرت علی کو شیخین سے کوئی نسبت نہ تھی (۱) حضرت علی کا بت نہ پوجنا اس وجہ سے تھا کہ آنحضرت کی پرورش میں تھے گھر میں بت پرستی نہیں دیکھی اسلئے نہیں کی انہیں کوئی بزرگی نہ تھی (۲) اب خلافت اور سیاست کو لیجئے۔ وفات نبوی کیوقت ارتداد کا فتنہ حضرت صدیق ہی نے دبایا پھر اسلام کو دن دونی ترقی ہوتی رہی اور حضرت علی کے عہد میں کوئی گاؤں تک فتح نہ ہوا۔ انکے عہد میں سوا خانہ جنگی اور جدال و قتال کے مسلمانوں کو کچھ کام ہی نہ رہگیا تھا عبادت تلاوت کو لوگ بھول بیٹھے۔ اکابر مسلمین کو طعنے دینا اور ایک دوسرے کے عیب نکالنا اور

برا کہنا مشغلہ تھا ـــــ غرض مثل آفتاب کے روشن ہوگیا کہ حضرات شیخین کو ـ جہاد میں ـ علم میں ـ قراءت قرآن میں ـ زہد میں تقویٰ میں ـ صدقہ خیرات میں ـ خلافت و سیاست میں ـ اطاعت اللہ و رسول میں ـ دین کی محبت میں ـ احکام شرع کے رواج دینے میں سب صحابہ سے بلند مرتبہ حاصل ہے ـ

انتباہ ـ جیسا ہم ص کے حاشیہ میں بھی کہہ آئے ہیں حضرت علیؓ کے علم کے بارہ میں لوگوں کو حدیث بہت یاد ہے "انا مدینۃ العلم و علی بابھا ـ حالانکہ ابن جوزی ـ ذہبی ـ یحییٰ بن معین جیسے علماء نے ان الفاظ میں اسے جعلی کہا ہے ـ البتہ دیلمی کی کتاب فردوس میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے " انا مدینۃ العلم و ابوبکرؓ اساسھا و عمرؓ حیطانھا و عثمانؓ سقفھا و علیؓ بابھا (او کما قال) یہ حدیث مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے جمع الفوائد کے ترجمہ ص ۹ پر اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی تفہیمات الٰہیہ میں، اور شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی فاروقی مدفون اجمیر رحمۃ اللہ علیہ نے نیل المطالب فی فضائل علی ابن ابی طالب میں ص ۱۰ پر دیلمی کی کتاب فردوس کے حوالہ سے لکھی ہے ـ

بعض دیگر مورخ و تبصرہ:-

ولیعہدی کا خیال ـ مورخ خضری نے اسکا ذکر بہت مختصر کیا ہے اس کے متعلق حسب ذیل باتیں بھی پیش نظر رہنی چاہئیں جو ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں اور جن کا درجہ تاریخ سے یقیناً بڑھکر ہے ـ

(الف) حضور کی وفات کے وقت حضرت علیؓ خود خلافت چاہتے اور ولیعہدی کی تمنا رکھتے تھے کیونکہ جن صحابہؓ کو اسکی اطلاع ملی وہ سخت صدمہ اور رنج کے باوجود تین جماعتوں میں منقسم تھے ـ

عام مہاجرین:- ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ (رضی اللہ عنہم) حضور کے جسد اقدس

کے پاس تھے انتظامات غسل و تکفین شروع کرنے کی فکر میں تھے کہ کسی نے باہر سے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ عمرؓ یہاں آؤ۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا چلو ہٹو ہم تمھاری بات نہیں سن سکتے کیونکہ ہم حضورؐ کے کام ہی لگے ہیں۔

(مسند ابو یعلےٰ بحوالہ فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۴)

بنو ہاشم۔ حضرت علیؓ عباسؓ اور زبیرؓ اور انکے ہمخیال فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جمع تھے کہ حضورؐ کا خلیفہ علیؓ کو ہونا چاہیئے۔ اور حضرت زبیرؓ نے تو حضرت علیؓ کی حمایت میں کہا کہ جب تک لوگ علی کی بیعت نہ کرینگے میں تلوار میان میں نہ رکھونگا (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۴ اور طبری ص ۱۸۲۰)

اس موقع پر خضری نے (ج ۱ ص ۱۶۹ پر) جو یہ لکھا ہے کہ حضرت علی تجہیز رسول میں مشغول تھے غلط ہے۔ غسل وغیرہ تمام کام ابو بکرؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد انکے حکم سے عمل میں آئے ہیں۔ یہ بات حدیث میں موجود ہے جسکا درجہ تاریخ سے بڑھکر ہے۔

انصارؓ مدینہ۔ اپنے چوپال سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہیئے

(ب) وفات رسول سے قبل حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جاؤ اپنے لیئے پوچھ لو ورنہ تین دن کے اندر تم غلام بنجاؤ گے۔ حضرت علیؓ نے کہا میں نہ جاؤں گا اس لئے کہ اگر حضورؐ نے اسوقت انکار فرما دیا تو لوگ ہمکو پھر امارت کسی طرح بھی نہ دینگے۔ (بخاری)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود خواہش خلافت کے حضرت علیؓ میں خود بھی اپنے بارہ میں تذبذب و بے یقینی کی کیفیت تھی اور شیخینؓ کے سامنے اپنے اندر استحقاق کم پاتے تھے۔

(ج) انتخاب خلافت کے موقع پر عام صحابہؓ نے آخر میں کہا کہ "ابو بکر ہی کو خلیفہ بنانا چاہیے

کیونکہ حضورؐ نے آخر کی سترہ، ۱ نمازوں میں اپنا جانشین ابو بکرؓ ہی کو بنایا تھا۔ تو جب حضورؐ نے انکو ہمارے دینی کام نماز کے لئے مقتدا و امام پسند فرمایا تو ہم انکو اپنے دنیوی کام خلافت و سیاست کے لئے امام کیوں نہ پسند کریں چنانچہ اس استدلال پر سب نے ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۱۶)

مگر حضرت علیؓ رکے رہے اور انکے رکنے سے بہت سے ہاشمی صحابہؓ بھی بیعت ابو بکرؓ سے رکے رہے۔

(۵) جب ابو بکر منتخب ہو گئے تو حضرت علیؓ نے ابو بکر سے خفیہ بیعت کی مگر یہ بھی کہہ دیا کہ ہم خلافت میں اپنا حق سمجھتے تھے ہمکو پوچھا بھی نہیں" اس بیعت کے چھ ماہ بعد آپ نے دوبارہ حضرت ابو بکر کے ہاتھ علانیہ بیعت کی جسکی وجہ مسلم شریف میں یہ ہے "سیدۂ فاطمہ کی زندگی تک لوگوں میں حضرت علی کی ایک عزت بنی ہوئی تھی جب انکا انتقال ہو گیا تو لوگوں کی توجہ حضرت علیؓ سے ہٹنے لگی"۔ تو چھ ماہ تک نہ حضرت علیؓ نے ابو بکرؓ سے بیعت کی اور نہ کسی ہاشمی نے مگر حضرت علیؓ نے (انتقال فاطمہ کے بعد) دیکھا کہ لوگوں کا رخ آپکی طرف سے پھر گیا ہے تو آپ ابو بکرؓ سے صلح (اور بیعت) پر مجبور ہو گئے۔ (جمع الفوائد اول ص ۲۰۴ خضری ج ۱ ص ۱۷۰)

معلوم ہوا کہ آپ نے بھی بیعت ابو بکر کراہت کیساتھ اور مجبوراً ہی کی تھی۔

(۶) حضرت عثمانؓ کے منتخب ہوتے وقت حضرت عبد الرحمٰنؓ ابن عوف نے پہلے حضرت علیؓ سے گفتگو (آجکل کی زبان میں انٹرویو) کی تو جمع الفوائد بحوالہ بخاری میں ہے کہ "ثم قام علیؓ من عندہ وھو علی طمع" یعنی پھر حضرت علیؓ انکے پاس سے امید لئے ہوئے اٹھے اور جب ابن عوف نے عثمانؓ سے

۱۰؎ یہاں خلافت ہماری نزدیک بیعت روایت سے یعلکہ (حضرت علی بیعت ابو بکر کا حال سنکر دوڑ کر تہہ بند ہوئے ادر علانیہ بیعت کر لی) بلا لحاظ کیا ان اس روایت کا مسلم و بخاری کی روایتوں کے مقابلہ میں کیا درجہ ہو میں نقل مرں یز یہ ملوم آت سے ہوتا کرتا ہوں ناظرین بقیہ

[illegible]

ے سنت شیخینؓ کی پابندی ارادہ بنا اور انکے ہاتھ پر پہلے خود بیعت کر کے
انکی خلافت کا اعلان کیا تو حضرت علیؓ پیچھے ہٹے اور فرمانے لگے "سیبلغ الکتاب اجلہ" یعنی تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہیگا۔ (خضری ج ۲ ص ۲۴)

(و) اپنے عہد میں صفین کے میدان میں آپنے اپنی فوج کے سامنے جو تقریر ۳۷ھ میں کی اسمیں بھی آپنے فرمایا "ہمیں شیخینؓ سے خلافت کے معاملہ میں اہلبیت (حدیثی) ہونے کی حیثیت سے اپنی حق تلفی کی شکایت تھی۔ مگر پھر ہم نے ان دونوں کی یہ غلطی معاف کر دی۔ (خضری ج ۲ ص ۶۳)

ان چھ شواہد سے بشرط صحت صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کو قرابتِ رسول اور خاندانی عہدہ سدانت (آجکل کی زبان میں پیرزادگی) کی وجہ سے خود کو وراثۃً خلافت کا حق دار سمجھتے تھے اور اسکے خواہشمند بھی تھے۔ . . . .

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

. . . . جب اس قدر
شدت سے حضورؐ کی ولیعہدیؓ کا شوق اور خیال آپکو تھا تو اگر کہیں وفات رسولؐ کے بعد آپکو

ل چونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جماعت انبیا علیہم السلام کے بعد انسانوں کی (باقی ص ۱۱۴)

خلافت ملجاتی تو پھر خلافت اسلامی موروثی اور خاندانی بنکر رہتی یہ بات خیر اس حد تک تو شرعاً جائز بھی تھی کہ خلیفہ میں اہلیت ہو۔ لیکن آگے چل کر وہی ممنوع چیز جو رسم مجم تھی آجاتی کہ خواہ خلیفہ میں اہلیت ہو یا نہ ہو خلیفہ اور جانشین بنتا خاندان ہی کا آدمی۔

غرض جب حضرت علی کی تمنائے خلافت اس درجہ رہی ہو تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ نے جو قبل وفات خلافت کے متعلق کوئی تحریر لکھانی چاہی تھی جس کا ذکر بخاری میں ان الفاظ میں ہے کہ "اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنہ واعھد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون الخ" تو بہت ممکن ہے کہ یتمنی المتمنون سے مراد حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ ہوں یا انصار میں سے حضرت سعدؓ کیونکہ حضورؐ کی وفات کے بعد تمنائے خلافت انہیں

(بقیہ ص ۱۱۳) بہترین اور افضل ترین ومقدس ترین جماعت تھی اس لئے اگر انہیں ہم طلب حکومت و امارت کا کوئی واقعہ ملتا ہو تو یہ کوئی گناہ نہ تھا انکا طلب حکومت کرنا ہمارے طلب حکومت کرنے کی طرح نہیں تھا انکے پیش نظر آخرت تھی اور ہمارے پیش نظر دنیا۔ ع۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔ وہ ایمانداری سے بلا شائبہ نفس اپنے اندر حکومت کا تقاضا پاتے تھے اور وہ تھا اس عزم کے ساتھ کہ ہم رضا حق کے لئے شاید دوسروں سے بہتر طور پر اسکا حق ادا کر سکتے ہیں۔ یہ انکی ایک ایماندارانہ رائے تھی جس پر انکیں اجر ہی ملے گا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے بھی تمنائے حکومت کی تھی "ھب لی ملکا" اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھی تمنائے حکومت کی تھی "اجعلنی علی خزائن الارض" اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے اول ترین اور افضل ترین مصداق تھے انکی طلب امارت بھی نفسانیت سے نہیں تھی۔ البتہ یہ انکی اجتہادی غلطی ضرور تھی کہ اس تقاضے کی شدت سے مغلوب ہو کر بعض دوسری مصالح انکی نظروں سے مخفی ضرور ہو گئیں۔ بعض وقت اسی غلبہ حال سے حریف مقابل کی خوبیاں پر بھی نظر نہیں رہ گئی تھی

دو بزرگوں سے ظاہر ہوئی۔

۲۔ فدک میراث ہے۔ آپکا خیال تھا کہ باغ فدک وغیرہ میراث رسولؐ ہے اور اسمیں ہمارا حق پہونچتا ہے اور ابو بکرؓ و عمرؓ نے غلطی کی جو ہمکو ہمارا حصہ نہیں دیا۔ بخاری ج ۲ باب الفرائض میں ایک حدیث ہے جسکی شرح ہم حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مدظلہ العالی کی تحریر سے بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔

مالک ابن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر تھا کچھ دن چڑھ گیا تھا کہ حضرت عمرؓ کا قاصد مجھے بلانے آیا میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت عمر ایک بورئیے پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کوئی اور کپڑا بھی بچھا ہوا نہیں تھا۔ میں سلام کرکے بیٹھ گیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمھاری قوم کے کچھ لوگ ضرورتمند آئے تھے میں نے انکو کچھ دینے کو کہدیا ہے تم اسکو لیجاکر انپر تقسیم کردو۔ میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لئے کسی اور کو تجویز فرما دیتے تو اچھا تھا۔ ارشاد فرمایا نہیں، تمھیں تقسیم کردو۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آپکے خادم جنکا نام یرفا تھا حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرات عثمان عبدالرحمن بن عوف۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حاضری کی اجازت چاہتے ہیں (بعض روایات میں حضرت طلحہؓ کا بھی شمار ہے) حضرت عمرؓ نے حاضری کی اجازت دیدی، یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں یرفا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباسؓ اور علیؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اجازت فرمادی، وہ دونوں بھی تشریف لائے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کردیجئے (حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے) دونوں حضرات

میں سخت کلامی ہوگئی۔ حضرت عثمان وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے انھوں نے انکی تائید اور سفارش کی کہ آپ انکا فیصلہ ضرور کردیجئے اور ایک کو دوسرے سے نجات دیدیجئے (مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ مجھے انکی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ ان دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید اور سفارش ہی کے لئے آگے بھیجا تھا۱۲) حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا ٹھہرو' اسکے بعد اس جماعت کیطرف خطاب کرکے فرمایا تمکو اس ذات پاک کی قسم دیکر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین آسمان قائم ہیں کیا تمکو معلوم ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے" اس جماعت نے اقرار کیا کہ بیشک حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ ان دونوں (عباسؓ و علیؓ) کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح انسے بھی قسم دیکر دریافت کیا' ان دونوں حضرات نے بھی اسکا اقرار کیا۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا" اول سے سنو! اللہ جل شانہٗ نے یہ فیئی کا مال (باغ فدک وغیرہ) مخصوص طور پر حضورؐ کو دیا' کسی دوسرے کی اسمیں شرکت نہ تھی۔ لیکن حضورؐ نے اسکو اپنے لئے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ تم لوگوں پر تقسیم کردیا اور بہت تھوڑا سا حصہ اس میں کا اپنے اور اپنے عیال کی گذر کے لئے رکھا اور اسمیں بھی گذر دوں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا وہ اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا ایسا ہی تھا کہ نہیں؟ اول ان پانچوں کو قسم دیکر ان سے اسکی تصدیق کرائی اسکے بعد ان دونوں حضرات سے قسم دیکر تصدیق کرائی پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسکے بعد حضورؐ کا وصال ہوگیا اور حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے اور

انھوں نے اس سب پیداوار میں اسی طرز کو جاری رکھا جو حضورؐ کا معمول تھا
اور اللہ پاک کی قسم ابوبکرؓ اپنے اس رویہ میں نیکی پر تھے، راہ راست پر تھے حق
کا اتباع کرنے والے تھے لیکن تم لوگوں نے انکو خیانت کار سمجھا تم عباسؓ اپنے
بھتیجے کی میراث طلب کرنے آئے اور تم علیؓ اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے

---

۵ ۔ حضرت عباسؓ کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ کو خود تو میراث نبوی کچھ بھی نہ ملتی اس لئے وہ بیوی فاطمہؓ کا حصہ لینے آئے تھے بعض روایات میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بھیجا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ سے اپنے والد کا ترکہ مانگو۔ یہاں حضرات عباس۔ علی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حضرات اہلبیت رسول امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے وسیع علم اور بے مثل زہد و قناعت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں سے کسی ایک زوجہ رسول نے بھی تو فدک وغیرہ میں سے اپنا ترکہ پانے کا مطالبہ نہیں کیا اور کسی ایک ام المومنین کا مطالبہ میراث نہ حدیث میں کہیں ثابت ہے نہ تاریخ میں۔ بخاری کتاب الفرائض ج ۲ میں ابن مسلمہ سے ایک روایت ضرور ہے مگر وہ بھی یوں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضورؐ کی وفات پر بقیہ ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ کے واسطہ سے حضرت ابوبکرؓ سے حضورؐ کے ترکہ کا مطالبہ کریں مگر سیدہ عائشہ نے انھیں یاد دلایا کہ حضورؐ نے تو یہ فرمایا ہے کہ "ما ورث فھو صدقۃ" تو سب رک گئیں، رضی اللہ عنہن۔ واقعی ان امہات المومنین اور اہلبیت رسول کی شان ہی کچھ دوسری تھی۔ دوسری خواتین اسلام تو کجا خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی امہات المومنین کے درجہ کو نہیں پہونچتیں کیونکہ لَسْتُنَّ کاحدٍ من النساء انھیں امہات المومنین کیلئے ہے اور یہ نص صریح انکی افضلیت کی ہے۔ جسے افسوس ہے کہ سبائیوں کے پروپیگنڈے کیوجہ سے ۹۹ فیصدی سنی مسلمان بھی بھول گئے ہیں۔

آئے حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کے ارشاد کو کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" سنایا مگر تم نے انکی بات کو صحیح نہ سمجھا۔ اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا۔ اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک میں حضورؐ اقدس اور ابوبکرؓ کے طریقہ کے موافق اسمیں عمل کرتا رہا اور اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس طرز میں، سچا، نیکی پر عمل کرنیوالا، حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اسکے بعد تم دونوں میرے پاس پھر آئے اور وہی ایک کلمہ ہی ایک بات "بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کے حصہ کا" میں نے تم سے حضورؐ کا ارشاد کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" سنا دیا مگر اسکے بعد میں نے مناسب یہ سمجھا کہ بطور تولیت کے اسے تمہارے حوالے کردوں تو میں نے تم سے عہد و پیمان لیا کہ تم اسمیں اسی طرح عمل درآمد کروگے جس طرح حضورؐ اقدس اور حضرت ابوبکرؓ اور دو برس تک میں خود عمل کرتا رہا تم نے اسکو قبول کیا۔ اور اس طرح میں نے اسکو تمہارے حوالہ کیا تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا میں نے اسی طرح نہیں کیا تھا؟ اس جماعت نے بھی اسکا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اسکا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم اسکے خلاف مجھ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں میں اسکے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کرونگا اگر تم اسکے انتظام سے عاجز ہو تو مجھے واپس کردو میں خود انتظام کرونگا۔"

(خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ص ۲۵۵ و ۲۵۶)

۳۔ **خلافت کو خاندانی اور موروثی بنانا چاہتے تھے۔** اسلام میں یہ خیال سب سے پہلے حضرت علی ہی نے ظاہر کیا ۲ صفحات قبل ۔۔۔۔۔۔ جو کچھ

کیا جا چکا ہے اسے ایک بار پھر پیش نظر کر لیجئے اور اسکے ساتھ ذیل کے چند امور پر بھی نظر ڈال لیجئے۔

(الف) حضرت علیؓ ۱۷ رمضان جمعہ کو نماز فجر کے وقت زخمی ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے بیٹے سیدنا حسنؓ کو نماز جمعہ پڑھانے کا حکم دیا۔ چونکہ صدر اسلام میں نماز میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانے کے معنی اسکو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے ہوتے تھے اس لئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی خلافت اسلامی کو خاندانی اور موروثی بنا دینا چاہتے تھے ورنہ آپکو اس سے ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح بچنا چاہیئے تھا۔

(ب) ایک یا دو دن بعد جب امید حیات منقطع ہو گئی تو کسی نے پوچھا "کیا ہم لوگ آپکے بعد حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں" آپنے فرمایا نہ میں تمھیں اسکا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں (خضری ج۲ ص۴۰۸) اس سے معلوم ہوا کہ آپ اہل کوفہ کو کنایۃً سمجھا رہے تھے کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنا سکتے ہو، اور چونکہ یہ چیز اسلام میں جائز تھی ممنوع نہیں تھی اسلئے آپنے ایسا کیا۔ غالباً اسی سے حضرت امیر معاویہ کی بھی ہمت بڑھی کہ وہ اسکو سنت علوی سمجھیں اسمیں انھوں نے ضرورت وقت کے لحاظ سے اتنا اور اضافہ کر دیا کہ اپنے سامنے اپنے بیٹے کو نامزد کر گئے اور اسکے لئے بیعت بھی لیکر راستہ صاف کر گئے۔ بیٹا بھی بقول مورخین اسی ملوکیت کا پورا اہل تھا جو حضرت معاویہ سے شروع ہو چکی تھی۔ انھیں وجوہ سے شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلوی نے بھی صاف لکھ دیا کہ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنے بعد خلیفہ بنایا۔

جب سیدنا علیؓ خود ہی فرماتے رہے کہ ہم خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور آپنے نماز پر حضرت حسن کو اپنا قائم مقام بھی بنا دیا اور لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ نہ میں تمھیں حسنؓ کے

خلیفہ بنانے کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضور کی وفات کے بعد ہی پہلے خلیفہ کہیں حضرت علیؓ ہو جاتے تو پھر سو فیصدی خلافت اسلامی خاندانی اور موروثی بنکر رہتی۔ نیز اس موروثی خلافت اسلامی میں ابتداء کے دو چار خلیفہ تو اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہوئے خلیفہ بنتے مگر اسکے بعد یہ مرحلہ بھی آتا کہ ہونے والے خلیفہ میں خلافت کی اہلیت ہوتی یا نہ ہوتی محض خاندانی حق سمجھکر اس خاندان کے افراد دعویدار خلافت ہوتے اور پبلک مجبوراً اس خاندانی حق کو نباہتی رہتی اور اسلام کا یہ مایۂ ناز قانونِ مساوات یا رسم استخلاف کی گرانقدر اصلاح جو دنیا کے سامنے حضرت ابوبکرؓ ہی کے پہلے خلیفہ ہونے سے ظاہر ہوئی تھی سب تشریف لیجاتی اور معترضین کو اس بجا اعتراض کا موقع ملتا کہ حضور نے نئی قوم اور نئی شریعت صرف اپنے خاندان کو نفع پہونچانے اور حکومت دلانے کے لئے تیار کی تھی۔

(۴) اپنی رائے پر اصرار۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد قدرتؔ نے ایک زرین موقع آپکو خلیفہ ہونے کا دیا تھا اور ممکن تھا کہ خلافت اسی وقت بنو ہاشم میں آجاتی اور حضرت علیؓ کا دیرینہ انتظار خلافت پورا ہو جاتا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت علیؓ سے انٹرویو میں پوچھا تھا کہ سنت شیخین پر عمل کیجئے گا؟ آپنے فرمایا "نہیں بلکہ میں خود اپنی فہم پر اعتماد کرونگا" یہ کہکر آپنے وہ موقع کھو دیا ورنہ سنت شیخین پر عمل کرنا کوئی کفر و شرک یا حرام و ممنوع نہیں تھا آخر حضرت عثمانؓ نے جنکا درجہ حضرت علیؓ سے باتفاق صحابہ بڑھکر تھا سنت شیخین پر چلنے کا وعدہ کرلیا اسی طرح اگر آپ بھی سنت شیخین پر چلنے کا وعدہ کر لیتے تو یقیناً حضرت عمرؓ کے بعد آپ ہی خلیفہ ہوتے اور خلافت اسیوقت بنو ہاشم میں آجاتی۔ مگر بقول خضری "آپ بڑے بڑے قریش کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے"۔ اسلئے آپنے ابوبکرؓ و عمرؓ کے بالکل برابر اپنے آپ کو

سمجھا حالانکہ خدا اور رسولؐ کے نزدیک اور تمام صحابہ کے نزدیک شیخینؓ کا درجہ حضرت علیؓ سے بڑھکر تھا۔ بہر حال آپنے خلیفہ ہوتے ہی دوسرے عمّال کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ جیسے نیکنام اور کامیاب گورنر کو بھی ــــ جو رومیوں کے مقابلہ میں نہایت کامیابی کے ساتھ فوج کشی اور مدافعت کرتے رہتے تھے ــــ فوراً معزول کر دیا۔ نہ آپنے اسکا انتظار کیا کہ مختلف صوبوں کے لوگ بھی آپکی بیعت کر لیں۔ نہ آپنے ان گورنروں کو اپنی بیعت کرنے کو کہا۔ نہ تمام صحابہ کا آپکی بیعت پر اتفاق ہونے پایا۔ نہ آپنے اس پر نظر فرمائی کہ خلافت میرے پاس اموی خاندان ہی سے منتقل ہوکر آرہی ہے اسوقت بنوامیہ کو نہ چھیڑنا چاہیئے۔ دوسرے گورنروں کو معزول کروں تو چنداں مضائقہ نہیں مگر اموی عمّال اور گورنروں کے معزول کرنے میں مجھے جلدی نکرنی چاہیئے۔ میرا زمانہ اب ویسا نہیں ہے، جیسا پہلے تھا کہ ہاشمی پیغمبر کی خلافت بنوتیم میں پہونچی مگر خلفشار نہ مچنے پایا۔ پھر بنوتیم سے خلافت بنوعدی میں پہونچی تو بنوتیم نے شورش نہیں مچائی، پھر بنوعدی سے خلافت بنوامیہ میں آئی تو بنوعدی چوں نہیں کر سکے اب عبداللہ ابن سبا ابلیس ثانی نے قومی عصبیت کو کافی ہوا دیدی ہے۔ اب قبائلی حمیت اور قومی وخاندانی عصبیت کافی زور پر ہے کہیں بنوامیہ کے عاملوں کی معزولی پر یہ لوگ میرے مخالف نہ ہوجائیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت علیؓ کو اسی کا مشورہ دیا مگر ابن سبا وغیرہ کا مشورہ اتنا موثر ثابت ہوا کہ آپنے معقول مشورہ صحابہ کا نہ مانا اور سب کی معزولی کا حکم صادر فرمادیا۔ حضرت علیؓ کا یہ فعل مفتوحہ ممالک کے نئے مسلمانوں کے سامنے موقع تہمت بنکر رہا۔ انھوں نے اس سے سمجھا اور ابن سبا نے دراندازی کر کے یہی سمجھایا کہ یہ معزولی

کا حکم، خاندانی جتھابندی اور قبائلی حمیت ہی کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اس خیال نے قومی عصبیت کی مردہ لاش میں از سر نو جان ڈال دی۔ پھر ظاہر ہے کہ بعد کے واقعات کو اس سے متاثر ہونا ہی چاہیئے تھا۔

نوٹ۔ یہاں ہم اپنا ایک تاثر ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے وہ یہ کہ جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں کہ ابن سودا عرف ابن سبا نے وصی رسول کا نیا نظریہ نکالا تو کچھ سمجھ کر حضرت علیؓ ہی کا انتخاب کیا حالانکہ حضورؐ کے حقیقی وارث حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ موجود تھے چچیرے بھائیوں میں ابن عباس تھے، دامادوں میں دو لائق داماد موجود تھے۔ ایک حضرت ابو العاص دوسرے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما۔ مگر ابن سبا نے انہیں سے کسی کو بھی وصی رسول کا جادو چلانے کے لئے نہیں چنا، حضرت علیؓ کو چنا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ کی افتاد طبع کا خوب اندازہ کر لیا تھا اور اسکی نظر میں اسکے مقاصد کے لئے حضرت علیؓ ہی زیادہ موزوں تھے حضرات عثمان و علی کے درمیان اس نے بھی حضرت ابن عوف کیطرح یہ محسوس کر لیا تھا کہ عثمان میں شیخین سے مناسبت اور انکا سا تیقظ ہے اور حضرت علی میں نہیں۔

حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر و بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم قصاص عثمان لینے اس شبہہ میں اٹھ کھڑے ہوئے کہ شاید حضرت علیؓ قصاص عثمان لینا نہیں چاہتے کیونکہ قرائن ذیل اس شبہہ کی تائید کر رہے تھے (۱) قاتلین عثمانؓ ہی ہر وقت حضرت علیؓ کو گھیرے رہتے ہیں۔ (۲) قاتلین عثمان باوجود اتنے بڑے ہولناک جرم کے بے دھڑک کھلے بندوں آزاد اور مطمئن مدینہ کے اندر اور باہر گھومتے پھرتے ہیں نہ حضرت علیؓ انکو ٹوکتے ہیں نہ کوئی دوسرا انکو کچھ کہہ سکتا ہے۔ (۳) حضرت علیؓ قصاص عثمانؓ لینے سے زیادہ عمال کے معزول کرنے ہرمزان کا قصاص ابن عمر سے لینے وغیرہ کو اہم سمجھتے اور اسی پر توجہ کرتے ہیں۔ (۴)

ابھی بہت سے صحابہؓ نے نیز مختلف صوبوں کے لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت بھی نہیں کی ہے اسلئے انکی بیعت ابھی تام بھی نہیں کہی جا سکتی۔

یہ سب سوچکر وہ لوگ قصاص عثمانؓ لینے اُٹھے تو وہ معذور بھی تھے یہ موقع حضرت علی کے لئے بہت نادر تھا کیونکہ امیر معاویہ، شام کی پبلک، شامی فوج، مدینہ کی بھی اکثر پبلک، اکثر صحابہ، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سب کے سب قصاص عثمان کے مسئلہ پر متحد و متفق تھے بس صرف حضرت علیؓ سے متفق ہونے کی دیر تھی اگر آپ بھی اسوقت کثیر التعداد مسلمانوں کے ہمخیال ہو جاتے تو بلوائی مفسدین کا زور بھی ٹوٹ جاتا۔ قصاص عثمانؓ بھی لے لیا جا سکتا۔ مسلمانوں میں باہم اتفاق بھی باقی رہتا۔ جمل و صفین میں ایک لاکھ مسلمان مفت میں نہ کٹتے۔ ایسے نادر موقع پر حضرت علیؓ کا سواد اعظم کے ہمخیال نہ ہونا اور سبائیوں کے مشوروں پر کام کرنا بہت بڑی اجتہادی غلطی تھی۔ آپکے اپنی رائے پر اڑنے کے پردہ میں مشیت ایزدی کو پورا ہونا تھا۔ خود سیدنا علیؓ کو تو اس غلطی پر مواخذہ آخرت نہ ہوگا کیونکہ آپ صحابی اور مجتہد تھے مگر اسکے دنیوی نتائج، ملک میں بے چینی مسلمانوں کی خونریزی وغیرہ تو یہ سب تو ہونا تھا ہوکر رہا تلک۔ جنگ احد میں درّہ کوہ پر متعینہ بعض صحابہ سے اجتہادی غلطی ہوگئی، اسے اگرچہ خدا نے معاف فرمادیا لیکن باوجودیکہ خود رسول اللہؐ بنفس نفیس انکے درمیان موجود تھے پھر بھی اس اجتہادی غلطی کے دنیوی نقصانات میں ستر صحابہؓ شہید ہوگئے۔ حضورؐ کو سخت زخم آگیا مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ یہ سب اثرات پیدا ہوکر رہے پھر جنگ حنین میں بعض صحابہؓ بشری نفسانیت کے اثر سے اپنی کثرت پر عُجب اور ناز کرنے لگے تھے اسوقت بھی اگرچہ خود رسول اللہؐ بنفس نفیس انمیں موجود تھے پھر بھی مسلمانو

پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے تو جب حضورؐ کے ساتھ موجود ہونے پر بھی بعض صحابہؓ سے اجتہادی غلطی ہو گئی تو حضورؐ کے بعد صحابہؓ سے اجتہادی غلطی بدرجہ اولیٰ ہو سکتی تھی جو ایک طرف حضرت علیؓ سے اور دوسری طرف حضرت عائشہؓ سے ہوئی۔ اس اجتہادی غلطی کی نشاندہی کرنے میں نعوذ باللہ کسی کی اہانت نہ مقصود ہے اور نہ اس سے اہانت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب حضورؐ کی موجودگی کے باوجود بعض صحابہؓ عجب میں بنا ر بشریت مبتلا ہو گئے تو حضورؐ کے بعد حضرت علیؓ سے اگر طبیعت کی ضد ظاہر ہوئی تو اس سے بھی نہ انکی اہانت مقصود ہے نہ انکی اہانت ہوئی۔ کہنا یہ ہے کہ ان مواقع پر حضرت علیؓ سے اجتہادی غلطیاں مسلسل ہوئیں اور ضرور ہوئیں مگر اس سے انپر مواخذہ اخروی مطلق نہ ہوگا دنیا میں بھی انھیں باوجود غلطی کے ثواب ہی ملیگا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ انکی ان غلطیوں سے امت کو نقصانات پہونچگئے اور تقدیر خداوندی یوں ہی ہو چکی تھی۔

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسنؓ کے بارہ میں پیشینگوئی فرمائی تھی کہ "میرا یہ بچہ سردار امت ہوگا۔ مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دیگا"۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی جس سال یہ صلح ہوئی اس سال کا نام مسلمانوں نے "عام الجماعت" رکھا کہ مسلسل لڑائیوں کے عرصہ بعد لوگوں کو عافیت، امن و سکون نصیب ہوا تھا۔ غور کیجیے کہ آخر سیدنا حسنؓ نے کن حالات میں صلح فرمائی تھی؟ حالات یہی تو تھے کہ سیدنا حسنؓ اپنے کو دیکھتے ہیں تو غدار ناقابل اعتبار سبائیوں، خارجیوں، کوفیوں میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔ اہل ملک کو دیکھتے ہیں تو وہ جنگ، فتنہ، شورش، بدامنی سے بیزار نظر آتے ہیں۔ امیر معاویہؓ کو دیکھتے ہیں تو

محسوس کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ کے مقابلہ میں وہ اپنے اندر خلافت کو سنبھالنے کی زیادہ اہلیت پاتے تھے اس وجہ سے وہ حسنؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر رہے تھے کیونکہ اسی بنا پر وہ اس سے قبل حضرت علیؓ کی بیعت سے بھی انکار کر چکے تھے۔ اپنی فوج کو دیکھتے ہیں تو انھیں نظر آتا ہے کہ جس طرح حضرت علیؓ کے آخری زمانہ میں وہ جنگ سے پہلوتہی کر رہی تھی آج انکے عہد میں بھی پہلوتہی کر رہی ہے۔ لہٰذا آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کی تحریک صلح کو غنیمت جانا خود خلافت سے دست برداری پسند کر لی مگر مسلمانوں کی باہمی خونریزی گوارا نہ کی۔ اور خلافت سے دست بردار ہونے میں کوئی شرعی قباحت بھی نہ تھی مثلاً یہ نہ تھا کہ حضور سید نا حسنؓ یا اسیطرح حضرت علیؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کیطرح ممانعت فرما گئے ہوں کہ کوئی تم سے قمیص خلافت اتروانا چاہے مگر تم نہ اتارنا وغیرہ۔ اس لئے حضرت حسنؓ نے اسی فہم سے کام لیا جس فہم سے داؤد علیہ السلام کے ایک فیصلہ کے مقابلہ میں انکے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام نے کام لیا تھا۔ حضرت سلیمان نے اپنی فہم پر خدائے برحق کے دربار سے خلعت تحسین حاصل کیا اور حضرت حسنؓ نے لسان نبوت سے تحسین حاصل کی۔ اب آپ غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ حضرت علی بھی ٹھیک انھیں حالات میں گھرے تھے مگر حضرت علی نے صلح نہ کی قصاص عثمان پر راضی نہ ہوئے۔ ایک خلیفہ کی جگہ دو خلیفہ ہونا بھی گوارا کیا صفین میں نوے ہزار مسلمانوں کا کشت و خون بھی گوارا کیا۔ ۴۰ھ (اپنے سن شہادت) تک حضرت معاویہ سے لڑتے رہنا بھی پسند کیا۔ ملک میں بے چینی کو بھی انگیز کیا۔ جب اپنے متعدد مقبوضہ علاقوں کو حضرت معاویہؓ کے قبضہ میں پہونچ جانا دیکھ لیا اسوقت آپ نے حضرت معاویہؓ کی تحریک صلح پر صلح کی۔ اگر آپ پہلے ہی صلح کر لیتے تو کیا عند اللہ و الرسول والمسلمین وہ قابل قدر نہ ہوتی۔ مگر بات یہی تھی کہ حضرت علیؓ کے اپنی رائے پر اصرار کے

پردہ میں مشیت حق اپنا کام کر رہی تھی۔ غالباً اسی کا اندازہ حضور بھی فرما چکے تھے اسی
لئے انکے حق میں حضور کی پیشنگوئی نہیں ہو سکی۔

اطلاع۔ بڑی خوشی ہوئی جب کتاب منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۰۸ پر امام ابن تیمیہ کی رائے
بھی بہت کچھ اسی کے قریب دیکھی۔ وہ لکھتے ہیں "وکان الحسن رایہ ترك القتال وقد
جاء النص الصحیح بتصویب الحسن۔۔۔۔ فمدح الحسن علی الاصلاح بین الطائفین
وسائر الاحادیث تدل علی ان القعود عن القتال والامساك عن الفتنة كان احب
الی الله ورسوله وھذا قول ائمة السنه واھل الاسلام۔ ۱۲ حضرت حسنؓ کی رائے تھی
کہ حضرت معاویہؓ سے جنگ نہ کیجائے اور حسنؓ کی اسی رائے کی تائید میں نص صحیح وارد ہے۔۔۔
تو دو گروہوں میں صلح کرانے پر حضرت حسنؓ کی مدح اور دوسری بہت سی حدیثیں بتا رہی ہیں
کہ جنگ سے بیٹھ رہنا اور فتنہ سے بچنا ہی اللہ کو اور اسکے رسول کو زیادہ محبوب تھا۔ سنی ائمہ کا اور
اکثر مسلمانوں کا یہی قول و عقیدہ تھا ۱۲)۔

۵۔ حضرت علیؓ اور صحابہؓ کا مشورہ۔ (الف) فدک کے ترکۂ رسول ہونے نہ ہونے کے
بارے میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلہ اور ارشاد رسول سن لینے کے بعد بھی جو کچھ رائے حضرت علیؓ
کی تھی وہ حضرت شیخ الحدیث کے ترجمۂ حدیث سے اوپر گزر چکا کہ وہ اپنی رائے کے مقابلہ
میں کسی ایک صحابی کی یا اجماع صحابہ کی پروا نہیں کرتے تھے۔ (ب) ابوبکرؓ کے خلیفۂ رسول
ہونے پر صحابہ نے نماز کی قائم مقامی سے استدلال کیا اور سب نے متفقہ بخوشی انکو خلیفہ مانا
لیکن حضرت علی کا جو کچھ خیال تھا وہ بھی اوپر گزر چکا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ صحابہ
کے اجماعی رائے کو بھی حضرت علی کچھ نہیں مانتے تھے (ج) حضرت مغیرہ بن شعبہ اور
ابن عباس رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ عمال عثمان کو معزول کرنے میں جلدی نہ کیجئے

آپ نے اسے ٹھکرا دیا اور بعد میں پچھتائے۔ منہاج السنہ میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "یا حسن یا حسن ماظن ابوك ان الامر يبلغ هذا الخ (یعنی اے حسنؓ اے حسن تمھارے والد کو اسکا وہم بھی نہ تھا کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جائیگا" (د) حضرت قیس نے بڑے تدبر سے اہل مصر کو غیر جانبدار بنا رکھا تھا حضرت علی نے لکھا کہ اہل مصر سے میری بیعت لو اور نہ مانیں تو انکی سرکوبی کرو انھوں نے لکھا کہ ابھی سختی نہ کیجئے۔ مگر آپ نے نہ مانا اور حملہ کرادیا (خضری دوم ص۶۶) (ہ) عبید اللہ بن عمر نے ہرمزان اور جفینہ دو ذمیوں کے متعلق سنا کہ وہ بھی شہادت عمر کی سازش میں شریک تھے انھوں نے دونوں کو غصہ میں قتل کر دیا حضرت عثمان کے شوریٰ میں حضرت علی نے فرمایا کہ عبید اللہ کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ کئی صحابہ اور خود خلیفہ وقت حضرت عثمان کی رائے تھی کہ فدیہ لیکر رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض مصالح کی بنا پر دیگر صحابہؓ کی رائے سے عبید اللہ سے زر فدیہ لیکر انکو رہا کر دیا گیا۔ حضرت علی کو یہ شورے صحابہ اور فیصلہ خلیفہ ناپسند تھا۔ شہادت عثمان کے بعد حضرت علی نے پہلا مقدمہ اپنے یہاں یہی عبید اللہ کو قصاص میں قتل کرنے کا اٹھایا اور انکے قتل کا حکم دیا جس پر وہ بھاگ کر حضرت معاویہ کے یہاں چلے گئے (خضری دوم ص۵۳۔ اشاعت اسلام ص۱۹۴) عجیب بات یہ ہے کہ حضرت علی تازہ قصاص عثمان کو تو ملتوی کرتے رہے مگر پرانے اور فیصل شدہ قصاص ہرمزان کے لئے تیار تھے۔ اسکے علاوہ آپنے خود بھی اپنے عہد میں ایک قاتل کو رہا فرما کر اسکا خونبہا بیت المال سے دلوا دیا تھا۔ (رحمۃ للعالمین دوم ص۴۰۳ و طبری)

۲۔ حضرت علیؓ کی بیعت تام نہیں تھی۔ (الف) حضرات طلحہؓ و زبیرؓ سے بزور شمشیر بیعت لیگئی اور اسکے متعلق آپنے فرمایا کہ یہ جبر اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے کیا گیا تھا اسلئے صحیح تھا (خضری دوم ص۵۵) یہ زبیرؓ وہی ہیں جنھوں نے وفات نبوی پر حضرت علیؓ ہی کی حمایت

میں تلوار کھینچی تھی (ب) سعدؓ بن ابی وقاص۔ ابنؓ عمر۔ ابو سعیدؓ خدری۔ زیدؓ ابن ثابت۔ کعبؓ ابن مالک۔ حسانؓ بن ثابت۔ نعمانؓ بن بشیر۔ مغیرہؓ بن شعبہ۔ عبداللہؓ بن سلام۔ قدامہؓ بن مظعون۔ رافعؓ بن خدیج۔ فضالہؓ بن عبید۔ اسامہؓ بن زید رضی اللہ عنہم نے بھی آپ سے بیعت نہیں کی تھی (خضری دوم ۴۸۴) یہ سب اکابر مدینہ اور ارباب حل و عقد تھے انکا بیعت سے تخلف معولی نہ تھا مگر حضرت علیؓ نے انکے تخلف اور توقف کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ غالباً حضرت معاویہؓ نے بھی اسی سنت علوی کے اتباع میں یزید کے استخلاف کے موقع پر مدینہ کے پنجتن کے انکار کو اول تو بہت سنبھالا مگر جب انھوں نے نہ مانا تو حضرت معاویہؓ نے بھی انکے توقف کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ (ج) اکثر بنوامیہ بغیر بیعت کیے مدینہ سے شام چلے گئے۔ (خضری دوم ۴۸۴) (د) اہل مصر کا بیعت نہ کرنا اور حضرت علیؓ کا حکم کہ انسے بجبر بیعت لو اوپر گذر چکا ہے (ہ) اہل شام نے اور حضرت معاویہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔

اس سے واضح ہوا کہ خلافت علوی چونکہ تام نہیں ہونے پائی تھی اور عام طور پر تسلیم نہیں کیگئی تھی اسلئے ایک طرف حضرات ام المومنین عائشہؓ۔ طلحہؓ زبیرؓ۔ ابنؓ زبیر۔ ابنؓ طلحہ۔ سعدؓ۔ سعیدؓ۔ نعمانؓ بن بشیر۔ معاویہؓ بن خدیج رضی اللہ عنہم نے بھی (مقدمہ ابن خلدون ۱۷۴) اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی یہ اجتہاد کیا کہ حضرت علیؓ پر لوگ متفق نہیں (اور ہم لوگوں نے بیعت بھی نہیں کی ہے) اسلئے ہمپر اطاعت علی لازم نہیں تو یہ اجتہاد بھی غلط نہ تھا۔ حضرت علیؓ خلیفہ برحق ضرور تھے مگر وہ بھی معصوم نہ تھے۔ غلطی انسے بھی اس موقع پر ہوئی اور وہ یہ کہ ان صحابہ کی موافقت نہ کی اور قصاص عثمان نہ لیا۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ بیعت علی میں بھی جبر استعمال کیا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ یزید کے معاملہ میں سیدنا حسینؓ نے بھی یہی اجتہاد کیا تھا کہ ابھی یزید کی بیعت تام نہیں اور میں نے خود ابھی اسکی بیعت نہیں کی ہے۔ اسی

بنیاد پر سیدنا حسین نے بھی خروج کیا تھا تو سنی بھی انکے اقدام کو برا نہیں کہتے۔ مگر کیا تماشا ہے کہ وہی سنی بیعت تام نہ ہونے ہی کیصورت میں حضرات ام المومنین عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے اجتہادی خروج کو قابل الزام کہتے ہیں۔ فیاللعجب۔ حضرت حسینؓ وہی فعل کریں تو درست اور ام المومنینؓ اور عشرہ مبشرہ کے دو حضرات وہی فعل کریں تو نادرست۔ مالکم کیف تحکمون۔

۲۔ حضرت علیؓ اور احترام ام المومنین ۔ (الف) ام المومنین نے اجتہاد فرما کر جب بصرہ کا رخ کیا تو حضرت علیؓ نے نہ انکے پاس قاصد بھیجا۔ نہ آپ خود انکے پاس بیٹے بنکر حاضر ہوئے نہ حال کی تفتیش کی فوراً فوج لیکر انکے مقابلہ کو روانہ ہوئے اور نہ صرف خود چلے بلکہ دوسرے صحابہ کو بھی اسی کی دعوت دی مگر صحابہؓ نے اسکو ایک نامبارک کام اور ایک فتنہ سمجھا شریک نہیں ہوئے اور حضرت علیؓ کو بھی روکا مگر آپنے نہ مانا اور جوار رسول چھوڑ کر ماں کے مقابلہ میں فوج لیکر آگے بڑھے۔ جب دنیانے دیکھ لیا کہ اتحاد اسلامی۔ وقار مسلمین۔ حرمت ام المومنین کو اچھا خاصہ دھکا لگ چکا تب آپنے دریافت حال کی۔ کاش یہ دریافت حال پہلے ہوتی اور ماں کے مقابلہ میں فوج کشی کر کے اتحاد اسلامی کی ہوا خیز ی نہ ہونے پاتی اور دس ہزار مسلمانوں کا خون نہ بہتا مگر حضرت علی (عضری کے الفاظ میں) اپنے سامنے بڑے سے بڑے کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اور یہ بات انکے اس جواب سے صاف مترشح ہوتی ہے جو انھوں نے ام المومنینؓ کو دیا۔ گفتگو ہونے پر جب صلح و صفائی ہو گئی تو شفیق ماں نے بجواب سلام دیکر فرمایا اللہ تمکو معاف کرے تو حضرت علیؓ نے بھی برابر سے جواب دیا اللہ آپکو بھی معاف کرے (خلافت راشدہ ۳۹۵ ص) (ب) جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے اونٹ پر لشکر علی کیطرف سے تیر برسائے جارہے تھے اور لشکر عائشہ میں لوگ پروانہ وار ام المومنین کی حفاظت کرتے اور جانیں دے

رہے تھے ستر آدمی مارے گئے تو حضرت علی نے اپنی فوج کو تیر برسانے سے تو منع نہیں کیا بلکہ حکم یہ دیا کہ اونٹ کے پیر کاٹ دو تاکہ اونٹ گر پڑے جب وہ دکھائی نہ دیگا تو میری فوج والے پھر تیر پھینکنا بھی بند کر دینگے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اونٹ گرا، ام المومنین گریں انکو چوٹ آئی افسوس! ماں کو یہ تکلیف بیٹے کی اس عجیب تدبیر جنگ سے پہونچی۔ حضرت معاویہؓ نے بھی صفین میں ایک تدبیر جنگ کی تھی جسمیں قرآن کو اونچا کیا گیا تھا یعنی قرآن گرنے نہیں پایا تھا، مگر سنی لوگ ہیں کہ سبائیوں کی تقلید میں وہ بھی حضرت معاویہؓ کی تدبیر جنگ کو نہایت مذمت کیساتھ بیان کرتے ہیں صرف اسلئے کہ وہ حضرت علی کے خلاف تھی۔ اور حضرت علیؓ کی اس تدبیر جنگ کو بہت مزا لیکر بیان کرتے ہیں اسلئے کہ یہ حضرت علیؓ نے کی تھی گو حرم رسول کو زخم آ گیا۔ اِنّا للّٰہ کیسی جنبہ داری کیجاتی ہے۔

حضرت علیؓ اور بعض صحابہ کا اسلام:- ذیل کی مختصر سی روایت پڑھئے اور عبرت و حسرت کیجئے۔ حضرت علی میدان صفین میں ہیں حضرت علیؓ کے پاس جناب امیرؓ کے قاصد آئے ہیں انسے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں "۔۔۔ تو مجھے ان دو آدمیوں (طلحہؓ و زبیرؓ) کی مخالفت نے بھی خطرہ کا احساس دلایا جو مجھ سے بیعت بھی کر چکے تھے اور معاویہؓ کی مخالفت نے بھی وہی معاویہؓ جسے اللہ نے دین میں سابقیت کا شرف نہیں دیا۔ اور نہ اسلام میں کوئی نمایاں خدمت اس نے کی۔ وہ بھی حضورؐ کا آزاد کردہ ایک غلام (طلیق[1]) ہے اور اسکا باپ بھی

---

[1] یہ تلمیح ہے اس ارشاد رسولؐ کی جو حضورؐ نے "بعد فتح مکہ" خانہ کعبہ میں شکر حق بجالانے کے بعد قریش کے اکثر لوگوں کو بلا کر فرمایا تھا کہ بتاؤ تم آج مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا آپ کریم ہیں ہمارے ایک کریم النفس بھائی کے فرزند ہیں (یعنی ہم کرم کے متوقع ہیں) تو حضورؐ (دیکھو ص ۳۱)

وہی معاویہ جو دشمن اسلام گروہوں میں کا ہے وہ اور اسکا باپ ہمیشہ ہی اللہ کے بھی اور اس کے رسول کے بھی دشمن رہے ہیں آخر یہ دونوں مسلمان ہوئے مگر نہایت بے دلی اور کراہت سے۔ پس کچھ تعجب نہیں اگر تم لوگ میری مخالفت میں ہو اور اپنے نبی کے آل (حدیثی) کا ساتھ چھوڑ رہے ہو۔ جنکی مخالفت اور جنگ تمھیں ہرگز نہ کرنی چاہیئے تھی اور جن کے برابر تمکو کسی شخص کو بھی نہیں سمجھنا چاہیئے ......(آگے ایک سطر بعد)......

پھر شرجبیلؓ (قاصد معاویہؓ) نے کہا کہ میں اسکی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے" تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ" نہ میں اسکا قائل ہوں کہ وہ ظلماً شہید ہوئے اور نہ اسکا قائل ہوں کہ شہادت کے وقت وہ ظالم تھے" تو قاصدان معاویہ نے کہا" اچھا تو جو شخص یہ بھی نہیں مانتا کہ حضرت عثمان مظلوم قتل ہوئے تو ہم ایسے شخص سے بری اور کنارہ کش ہوتے ہیں۔ (خضری دوم ۶۳)

میں کہتا ہوں خدا نہ کرے کہ یہ تقریر حضرت علیؓ جیسے مقدس ہستی کی ہو اور خدا کرے کہ تحقیقات سے یہ تقریر بھی الحاقی ثابت ہو ورنہ اس روایت سے حسب ذیل نتائج اور اثرات کا نکلنا لازمی ہے۔

(۱) یہ تو عام طور پر مشہور ہے کہ امیر معاویہؓ خطبہ جمعہ میں حضرت علیؓ کو نازیبا الفاظ سے یاد کرتے تھے لیکن میرے علم و تحقیق میں اب تک یہی تھا اور ہے کہ یہ فعل بھی جناب امیرؓ کا

(بقیہ ص ۱۳۰) نے فرمایا اذھبوا فانتم الطلقاء جاؤ میں تم سب کو بجائے غلامان جنگ بنانے کے چھوڑتا ہوں۔ میں بھی وہی لا تثریب علیکم کہونگا جو میرے بھائی یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا۔ لہ ۔ امام عبداللہ بن زبیرؓ جو حضرت علیؓ کے پھوپھی زاد بھائی (دیکھو ص ۱۳۲)

نہیں بلکہ مروان کا ایجاد کیا ہوا ہے اور وہ بھی جنگ صفین کے بعد کا ہے۔ جنگ صفین سے قبل عام بنوامیہ یا خاص معاویہ و مروان کیطرف سے بدگوئی میرے علم میں نہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر تاریخی طور پر ماننا پڑیگا کہ اس بدگوئی میں بھی پہل کرنے والے حضرت علی تھے کہ تقریر مذکور میں جو جنگ صفین سے قبل کی ہے آپنے حضرت معاویہ کو اور انکے والد کو کیا کیا نہیں کہہ ڈالا۔ طلیق ابن طلیق۔ دشمنانِ اسلام کے گروہ کا آدمی۔ ہمیشہ کے دشمن خدا اور رسول و دشمن اسلام و مسلمین۔ منافقت اور کراہت سے اسلام لانے والے۔ پس اگر امیر معاویہ رض نے بھی حضرت علی رض کی بدگوئی کی تو اسے بھی حضرت علی کی اس تقریر کا ردعمل اور جواب سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ جب وہ بنو ہاشم اور حضرت علی کی فضیلت کے قائل تھے جیسا اوپر کہیں گزر چکا ہے تو وہ بھلا اس بدگوئی کے بادی کیسے ہوسکتے تھے

(۲) حضور نے جسکو بھی "طلیق" فرمایا تھا وہ "حرم کعبہ میں فاتحانہ داخلہ کے بعد" فرمایا تھا اس سے پہلے نہیں فرمایا تھا۔ پس معاویہ رض تو یقیناً طلیق نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بروایت تہذیب فتح مکہ سے قبل اور بروایت اصابہ صلح حدیبیہ میں اسلام لاچکے تھے۔ رہے حضرت ابوسفیان تو وہ بھی کعبہ میں داخلہ سے قبل کی شب اسلام لاچکے تھے جسکے گواہ حضرت عباس عم رسول

(بقیہ ص ۱۳۱) کے لڑکے تھے کسی وجہ سے حضرت علی رض کی بدگوئی کرتے تھے چنانچہ یعقوبی میں ہے۔ "محمد بن حنفیہ کو خبر ملی کہ ابن زبیر نے خطبہ میں حضرت علی کی بدگوئی کی تو ابن حنفیہ نے مسجد حرام میں تقریر کی کہ "اے قریش! تمھارے سامنے علی کو برا کہا جائے اور تم سنتے رہوگے؟" (یعقوبی دوم ص ۲۱۱) اسی کو شاہ عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے کہ "حضرت علی رض کے زمانہ میں لوگوں کا کام صرف یہ رہگیا تھا کہ ایک دوسرے کو برا کہے۔ جیسا گزر چکا ہے۔ افسوس یہ سب سبائیوں کی طرفداری سے ہوا۔

ہیں چنانچہ انہیں کی سفارش سے حضورؐ نے ابوسفیان کے ساتھ اتنی رعایت کی تھی کہ اعلان فرمادیا "جو ابوسفیان کے گھر میں بھی پناہ لے گا اسے بھی امان" ! پس طلیق تو شاید وہ بھی نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

(۳) ترمذی میں حضورؐ کا یہ ارشاد موجود و مشہور ہے کہ آپؐ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ "اس فتنہ میں یہ عثمانؓ مظلوم قتل ہونگے" ایسی واضح اور مشہور اور ثابت بات کے متعلق حضرت علی کا عثمان کی شہادتِ مظلومیت سے انکار سنکر شرجیل کا متاثر اور متعجب ہونا ایک فطری امر تھا ۔

(۴) بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے عہد میں ہم سب ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے اسکے بعد سب کو ایک درجہ میں سمجھتے تھے ۔ ایسی صورت میں حضرت علی کا یہ ارشاد کہ آل رسول (حدیثی) کے برابر تمکو کسی کو بھی نہ سمجھنا چاہیئے "سخت تعجب خیز ہے ۔

(۵) حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کے اسلام لانے کے متعلق صاف بتیقن اور متیقن طور سے فرمادیا کہ "بے دلی اور کراہت سے اسلام لائے" یہ شاید آپنے اس غصہ میں فرمادیا کہ امیر معاویہ آپکے مقابل کیوں آئے ۔ ورنہ آپنے تو عرصہ تک عبداللہ ابن سبا عرف سوار جیسے منافق کے اسلام کو بھی ایک لمحہ کیلئے شک کی نگاہ سے نہیں دیکھا شاید اس لئے کہ وہ مدۃ العمر آپ کے ساتھ لگا رہا ۔ افسوس جس نے آپسے مدینہ چھڑادیا ۔ جس نے جنگ جمل کرادی ۔ جس نے ماں بیٹوں کو لڑادیا ۔ جس نے دس ہزار مسلمان کٹوا دیئے آپ اسے تو مسلمان ہی سمجھتے رہے آخر آخر میں جب اس نے حضرت علی کو خدا کہنا شروع کردیا تب آپکو اسکے اسلام میں شک ہوا اور آپنے اسے جلوا دیا ۔ مگر صحابہ کے اسلام میں آپکو شک رہا ۔

(۶) ابو سفیان نام کے ایک اور ہاشمی صحابی رسول حضورؐ کے چچیرے اور رضاعی بھائی بھی تھے اتفاق سے وہ بھی پہلے حضورؐ کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ وہ بھی فتح مکہ سے دو ہی ایک دن پہلے مسلمان ہوئے (رحمۃ للعالمین دوم ص۸۵) مگر حضرت علیؓ نے انکے اسلام میں کبھی نہ شک کیا نہ انھیں دشمن خدا و رسول کے لفظ سے یاد کیا۔

(۷) حضورؐ کا ارشاد ہے "الاسلام یہدم ما قبلہ" اسلام کی برکت سے اس کے قبل کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہ تو اللہ اور رسول کا فیصلہ ہے کہ ابو سفیانؓ کی ساری اسلام دشمنی اور رسول دشمنی ایمان لانے سے معاف ہو گئی مگر حضرت علیؓ ہیں کہ دو آدمیوں کی اسلام لا چکنے کے بعد بھی معاف نہیں کرنا چاہتے۔

چونکہ اس روایت سے مذکورہ بالا نتائج لازماً نکلتے اور ماننا پڑتے ہیں جو حضرت علیؓ جیسے اکابر اسلام سے بعید ہیں، تو میرا دل اور میرا ایمان ان نتائج کو اور حضرت علیؓ سے انکی نسبت کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اس لئے میرا یقین ہے کہ تحقیق کیجائیگی تو انشاء اللہ یہی ثابت ہوگا کہ یہ روایت بھی ابو مخنف رافضی کے اتباع اور اذناب ہی کی ہوگی۔

(ب) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ کے مستند حالات حسب ذیل ہیں:۔

پانچویں پشت میں عبد مناف پر پہونچکر آپ کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے آپ ۱۵ھ قبل ہجری میں (اور بقول صاحب اصابہ ۲۵ھ قبل ہجری میں) نبوت سے دو سال یا ۵ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ بروایت تہذیب (ج ۱۰ ص ۲۰۸) فتح مکہ سے پہلے اور بروایت اصابہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی آپ اسلام لائے تھے مگر باپ کے ڈر سے اپنا اسلام چھپائے رہے تا آنکہ جب ۸ھ میں فتح مکہ کو دن آپ کے والد

ابوسفیانؓ اسلام لائے تو آپ نے بھی بعمر ۲۳ سال اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ تاہم آپکی دستار مناقب کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ باوجود ابوسفیان کے فرزند ہونے کے آپ نے کبھی قریشی فوج میں اسلام کے خلاف شرکت نہیں کی نہ آپنے کبھی اسلام دشمنی ایذاء رسول اللہ یا ایذاء مسلمین کا کوئی کام کیا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے غزوات حنین و طائف میں آنحضرت کے ہمراہ جہاد کا شرف حاصل کیا۔ آپکی ہمشیر ام حبیبہؓ جو مہاجرہ حبشہ تھیں جب وہاں بیوہ ہو گئیں تو سنہ ۷ھ میں حضرت نجاشیؓ نے بحکم آنحضرت آپکا وکیل بنکر بہ ولایت خالد بن سعیدؓ انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دیدیا اور چارسو اشرفی مہر باندھکر اسی وقت خود حضورؐ کی طرف سے ادا کر دیا (بنو امیہ اور بنو ہاشم میں باہم مناکحت کا تذکرہ ہم اوپر کر آئے ہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جو آپکے متعلق ثابت ہیں، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ حضورؐ نے فرمایا" اے معاویہ اگر تمکو کوئی حکومت ملے تو خدا کا خوف دل میں رکھنا اور انصاف سے کام لینا" اس پر مفصل گفتگو گزر چکی۔

۲۔ دعا فرمائی" اے اللہ معاویہ کو کتاب اللہ کا اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔ (مسند احمد)

۳۔ دعا فرمائی" اے اللہ! ان معاویہ کو ہدایت یافتہ اور معلم ہدایت بنا اور ان سے ہدایت ہی پھیلا (ترمذی)

۴۔ پیشنگوئی فرمائی" میری امت میں سے پہلی فوج جو بحری جنگ کرے گی انھوں نے تو اپنے اوپر جنت واجب کر لی۔ (بخاری جلد اول ص ۴۱۰) اس کے متعلق تاریخی شہادت آگے آتی ہے

۵۔ حضورؐ نے انکو انکے خاندانی وقار اور قرابت کی بنا پر انکو اپنا کاتب وحی اور کاتب خاص قرار دیا (خضری ج ۲ ص ۹۹)

(۶) ۱۳ھ میں بعہد ابوبکرؓ آپ بعمر ۲۰ سال اپنے بھائی یزید کی مدد کے لیے بھیجے گئے جنگ قیساریہ کی فتح آپ ہی کا کارنامہ تھی۔

(۷) آپ بڑے عالی حوصلہ۔ حلیم مزاج۔ بڑے مدبر اور سیاست داں تھے کئی پشت کے پیشۂ آباء (سپہ سالاری) میں پورے ماہر اور مایۂ ناز تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مردم شناس اور مدبر اعظم نے آپ کو "کسرائے عرب" کا لقب دیا اور ۱۹ھ میں آپ کو حضرت عمرؓ نے ایک ہزار درہم ماہانہ پر اردن اور دمشق کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ عرب بھر میں انکے علاوہ دو ہی صحابی اور بھی اسلامی سیاست میں مشہور تھے۔ حضرات مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور افسوس ہے کہ سبائیوں نے ان تینوں ہی کو بدنام کر دیا نعوذ باللہ، جب حضرت علیؓ نے ان دونوں کو ناراض کر دیا تو امیر معاویہؓ نے ان دونوں کو بھی اپنی طرف ملا لیا۔ آپ نے نہایت بہادری، دوراندیشی، عفو و سخاوت سے بڑی کامیابی کے ساتھ ساحلی علاقوں کے رومیوں کو اور شام کی پبلک کو زیر کیا۔ عہد فاروقی کے قریب ختم زمانہ میں شام کے بعض مقامات کو رومیوں نے واپس لے لیا تھا امیر معاویہؓ نے انکو دوبارہ فتح کیا قیساریہ۔ طرابلس۔ قرص۔ شمشاط۔ ملطیہ وغیرہ کی عہد عثمانی کی فتوحات انھیں کی مدبرانہ اور قائدانہ لیاقت کا ایک ادنیٰ کارنامہ ہیں آپ بہت سخی تھے۔ آپ نے ۲۸ھ میں عہد عثمانی میں سب سے پہلے بحری جنگ لڑی، پہلا اسلامی بیڑا بڑے اہتمام سے خود اپنی قیادت میں بحر روم میں اتارا اور قبرص (سائپرس) والوں سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ساتھ جاکر صلح کر لی پھر انکی بدعہدی پر ۳۳ھ

میں اسے فتح ہی کر لیا۔ اس پہلی بحری جنگ کے لحاظ سے امیر معاویہؓ لسانِ نبوت کے ارشاد کے مطابق جنتی ہوئے۔ سیدنا امیر معاویہؓ کی وفات حسرت آیات بقول خضری یکم رجب سنہ ۶۰ھ (۶ اپریل ۶۸۰ء) اور بقول صاحب تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۰۷) ۲۶ رجب سنہ ۶۰ھ (یعنی شب معراج کی مشہور تاریخ میں) مطابق ۳ مئی ۶۸۰ء کو ہوئی اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

غرض سنہ ۳۵ھ شہادت عثمانؓ تک آپ نہایت دیانت۔ حلم۔ حوصلہ۔ شجاعت عدل و تقویٰ۔ خاموشی و اطاعت وغیرہ صفات عالیہ کے ساتھ اپنا فرض منصبی ادا کرتے اور اسلام کی فتوحات اور سرحدوں میں اضافہ فرماتے رہے۔ کبھی کسی خلیفہ کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی یکایک حضرت علی نے خلیفہ ہوتے ہی اپنی بیعت کی دعوت دینے سے بھی پہلے پہلا کام یہی کیا کہ حضرت عثمان کے عہد کے تمام گورنروں کو اور انہیں امیر معاویہ کو بھی معزول کر دیا۔

نکتہ:۔ اگر حضرت امیر اسوقت اسوۂ خالدی پر عمل کرتے اور بے چون و چرا حکم علوی کو مانکر گورنری سے دست بردار ہو جاتے تو یہ چیز حضرت امیرؓ کے طبعی علم اور مثالی اطاعت کے پیش نظر عین ممکن اور قرین قیاس تھی پھر بھی جو امیرؓ نے سیدنا علیؓ کی اطاعت نہ کی تو وجہ یہی تھی کہ انھوں نے سیدنا علی میں اپنی رائے پر اصرار اور اپنی طرف سے کشیدگی محسوس کی اور اچھی طرح مشاہدہ کر لیا تب اطاعت سے الگ ہوئے تاہم اگر مان لیتے تو جہاں ایک طرف کچھ لوگ انکی اس اطاعت کی تعریف کرتے وہیں یہ انکی بصیرت اور معاملہ فہمی پر الزام اور انکے دامن سیاست و تدبیر پر ایک بدنما داغ بھی ہوتا۔ مستقبل کا مورخ انکے اوپر بجا طور پر اعتراض کرتا کہ ایسے فساد کے وقت میں جب دشمن اسلام سبائی حضرتؓ علی کو غلط اور

تباہ کن مشورے دے رہے تھے اور حضرت علی اسکے علاوہ بھی چند در چند اجتہادی غلطی کر بیٹھے تھے۔ مثلاً تمام عمال عثمانی کی معزولی کا اور نئے عمال کی تقرری کا حکم دے بیٹھے تھے۔ عبید اللہ بن عمرؓ کا دفن شدہ مقدمہ از سرِ نو اٹھا چکے تھے جس سے ہر صوبہ کے کارِ نظم و سیاست میں ابتری اور برہمی یقینی تھی، اسوقت امیر معاویہ جیسے مدبر نے یہ کیا غلطی کی کہ اپنی باقاعدہ حکومت شام کو جو رومیوں کا حجاز روکے ہوئے تھی چھوڑ کر ہٹ گئے اور شام کو بھی اندرونی اور بیرونی فسادات اور خلفشار کے لئے کھلا چھوڑ دیا؟ اس لئے ہمکو حضرت امیرؓ سے اس معاملہ میں بدظن ہونیکے بجائے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اسوقت علیٰ وجہ البصیرۃ دیکھ اور سمجھ رہے تھے کہ شام تو شام مفسدین عراق کی شورش کو بھی دبانے اور دیگر صوبوں کے مفرت رساں عنصر کے استیصال کے لئے اسوقت علی کے تقدس کی نہیں معاویہؓ کی حسنِ سیاست کی ضرورت ہے ؎

چو می بینم کہ نابینا و چاہ است   وگر خاموش بنشینم گناہ است

حضرت مغیرہؓ نے بھی حضرت علیؓ کو اس حکم سے روکا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیرؓ کے اس خیال کی تائید میں۔ حضرت مغیرہ جیسے مشہور سیاست داں کی رائے بھی تھی جو اسوقت تک حضرت علی کے طرفدار تھے۔

اسی کے ساتھ جب وہ اپنی خدمات اسلام۔ اضافہ سرحد۔ مدافعت روم نظم ملک شام۔ کامیاب سیاست۔ کامل اطاعت پر نظر ڈالتے تھے تو انکو اپنا گورنر رہنا ضروری اور خلیفہ جدید کا یہ حکم بے موقع اور بلا وجہ معلوم ہوتا تھا اور چونکہ وہ ایک صاحب الرائے صاحب حوصلہ شخص کامیاب سپہ لار اور زبردست سیاست کے ماہر تھے اس لئے انکو اس عجیب حکم کا ناگوار گذرنا بھی ایک فطری امر تھا۔

نکتہ۔ (۱) جب حضرت علی حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں اپنے کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے تو حضرت معاویہ بھی تو آخر حضرت علی کے ابن عم ہی تھے اگر انھوں نے بھی حضرت علی کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ حقدار سمجھا ہو تو یہ نہ مکافات عمل کے قانون کے خلاف تھا نہ ہم خاندان ہونے کے اثر کے خلاف تھا بلکہ یہ تو سنت علوی ہی کی تقلید تھی۔

نکتہ۔ (۲) قاعدہ ہے کہ جو پارٹی کسی شخصیت کی حمایت و نصرت کر کے اسکو مسند اقتدار پر بٹھاتی ہے دراصل خود وہی پارٹی اسوقت برسر اقتدار ہو جاتی ہے اور اقتدار کی باگ ڈور دراصل اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اسوقت اگر پارٹی طاقتور ہے تو شخصیت اس پارٹی کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی بلکہ اس شخصیت کے اقتدار کی اساس و بنیاد اور اسکی ساری طاقتوں کا سرچشمہ وہی پارٹی ہوتی ہے۔ یہ ایک بدیہی قانون ہے جس کی کارفرمائیاں آج کی دنیائے سیاست میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور اس کے نظائر و امثال کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھی بھرے پڑے ہیں۔ اسکی ایک مثال بنو عباس ہیں جو ایک ایرانی النسل خراسانی ابومسلم کی حمایت و نصرت کے بل پر حکومت بنو امیہ کا تختہ الٹنے اور خود تخت حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ پھر دیکھ لیجئے کہ کس طرح ان عباسی خلفا کے —— جو عربی اور ہاشمی تھے —— زیر سایہ عربی زبان، عربی تمدن تباہ ہوا۔ اور عجمی زبان عجمی تمدن پروان چڑھتا اور ایرانی زہر مسلمانوں میں پھیلتا رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جس پارٹی کی قوت سے برسر اقتدار ہوئے تھے وہ (بہ استثناء صحابہ مہاجرین و انصار) جیسی تھی وہ بالکل ظاہر ہے۔ وہی سبائی پارٹی جسکا دامن خون عثمان سے سرخ اور جسکا نامہ اعمال اسلام دشمنی اور فتنہ انگیزی کے کارناموں سے

سے سیاہ تھا حضرت علیؓ کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ حضرت معاویہ دیکھ رہے تھے کہ اگر
حضرت علی کا اقتدار قائم ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ سبائی پارٹی کا اقتدار قائم ہو جائیگا
اور یہ وہ خطرۂ عظیمہ تھا جس میں اسلام اور مسلمانوں کو ڈالنے کے لئے حضرت معاویہؓ جیسے بر
صاحب بصیرت اور دین سے محبت رکھنے والے صحابی کبھی تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ سوال
حضرت علی کا نہ تھا بلکہ اس پارٹی کا تھا۔ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے تسلیم سے نہیں تھا بلکہ
اسی پارٹی کی قیادت اور اقتدار تسلیم کرنے سے انکار تھا۔ جو حضرت علیؓ کے پردے میں
دنیائے اسلام پر حاوی ہونا چاہتی تھی اور موقع پاکر مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ خود اسلام پر
ضرب کاری لگانا چاہتی تھی۔ ایک منصف مزاج مورخ ان حالات میں اگر ایک طرف
حضرت علی کے اخلاص، تقویٰ اور تقدس کا اعتراف کریگا تو دوسری طرف یقیناً وہ حضرت
معاویہؓ کی، دینی بصیرت، ایمانی فراست، مہارت سیاست کی بھی داد دیگا کہ انکی دوربین
نگاہ نے بروقت خطرے کا احساس کرلیا اور انکی جرأت ایمانی نے لومۃ ولائم کی پروا کئے
بغیر ایسا اقدام کرادیا جو بظاہر قابل اعتراض مگر مآل کے لحاظ سے بہت ہی مناسب تھا۔ اور
جیسا میں لکھ چکا ہوں یہ تاریخ قریش کا اعادہ تھا۔ عبدالدار کے مقابلہ میں ہاشم نے بھی اسی طرح
بروقت ایک پُرعزیمت اقدام کیا تھا۔

غرض حضرت امیرؓ کے اس اقدام نے سبائی منافقوں کی بہت سی تمناؤں کو
خاک میں ملادیا۔ سچ پوچھیے تو امت پر انکا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ اگر وہ اسوقت یہ اقدام
نہ کرتے تو معلوم نہیں وہ سبائی پارٹی حضرت علی کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کو اور کسقدر
شدید نقصان پہونچاتی جبکہ مکمل اقتدار سے محرومی کے باوجود اس نے اسلام اور اسلامیوں
کو کتنا شدید نقصان پہونچادیا اور اب تک پہونچارہی ہے۔ اسی کے ساتھ ہمیں اسکا بھی

یقین ہے کہ خود سیدنا علیؓ پر جب حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کی یہ حکمت واضح ہوئی ہوگی تو وہ بھی حضرت امیرؓ سے بہت خوش ہوئے ہونگے۔ اسلئے کہ یہ سبھی حضرات صحابہ سراپا اخلاص تھے۔ رحماء بینہم کا نمونہ تھے۔ دنیا طلبی کا شائبہ تک انہیں نہ تھا۔ ابتداء میں حضرت علی یہ سمجھتے تھے کہ میں آہستہ آہستہ سبائی پارٹی پر غالب آجاؤنگا مگر حضرت معاویہ اپنی فراست ایمانی سے برابر دیکھ رہے تھے کہ حضرت علی منافقین کی حرکات کا جواب نہیں دے سک رہے ہیں شاید میں انکا مناسب جواب دے سکتا ہوں اور بعد کے واقعات نے تو بتا دیا کہ حضرت معاویہؓ ہی کی رائے زیادہ صحیح تھی۔

(۲) یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ شہادت عثمان کے بعد بنو امیہ کے کچھ لوگ حضرت عثمان کا خون آلودہ کرتا اور حضرت نائلہ کی کٹی انگلیاں لیکر حضرت معاویہ کے پاس پہونچے تھے۔ حضرت امیر چونکہ خلیفہ شہید کے چچیرے بھائی اور ولی قریب تھے اس لئے انہوں نے حضرت علی سے قصاص عثمان لینے کا مطالبہ کیا (جو عین منشا نبوی کے مطابق تھا جیسا پہلے گزر چکا) اور بحکم "فقد جعلنا لولیہ سلطانا" اپنے کو مطالبہ قصاص میں حق بجانب دیکھ رہے تھے اور اس کے برعکس یہ دیکھکر کہ حضرت علی قاتلین عثمان سے کچھ نہیں بولتے اور قاتل کھلے بندوں قصاص سے بے فکر پھر رہے ہیں یہ شبہ کرنے لگے کہ قتل عثمان میں شاید انکا بھی ہاتھ ہے تو حضرت امیر بجا طور سے حضرت علی کو خلافت سے محجوب بھی سمجھ رہے تھے اس لئے کہ حضرت عثمان خلیفہ رسول ہونیکی وجہ سے امت کے لئے بجائے باپ کے تھے اور باپ کا

لہ۔ جمع الفوائد میں طبرانی کبیر اور ترمذی کے حوالہ سے عبداللہ بن سلام کی ایک تقریر بلوائیوں کو سمجھانے کی نقل ہوا ہے اسمیں یہی لفظ ہو واعلموا انہ لیس لوالد علیٰ ولدہ حق الا و لھٰذا الشیخ علیکم مثلہ" (ج۲ ص۲۱۰)

قاتل محجوب عن الارث ہوتا ہے اس لئے حضرت امیرؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت بیعت کی جسکی دعوت بھی انکو نہیں ملی تھی اور جس سے ۱۲ اکابر صحابہ متردد اور متخلف رہے تھے کا انکار بھی اور ارادہ کیا کہ خود قصاص لینے اٹھ کھڑے ہوں اور عین ممکن ہے کہ انکو اسوقت حضور کی وہ پیشنگوئی بھی یاد آگئی ہو جسمیں انکو حکومت ملنے کا اشارہ تھا اور حضرت امیرؓ نے اس میں بھی یہ اجتہاد کیا ہو کہ شاید میری گورنری کے علاوہ حضورؐ کا اشارہ خلافت ملنے کیطرف بھی رہا ہو۔

یہ تھے وہ ذہنی۔ نفسیاتی اور عمرانی اسباب جن کے باعث حضرت امیرؓ آگے چل کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں خلافت کے دعویدار بنکر نظر آتے ہیں ورنہ وہ حضرت علیؓ کے اور خاندان بنی ہاشم کے شرف وفضیلت کا کھلے دل سے اعتراف فرماتے تھے چنانچہ ایک بار انھوں نے بنوامیہ اور بنوہاشم کی زمانہ جاہلیت کی پوری تاریخ دہرا کر دونوں کے مناقب کا ذکر کیا اور آخر میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد اب بنوہاشم کی فضیلت کو بھلا کون پاسکتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۵) (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۱۱)

مورخ خضری نے عقد تحکیم کے ضمن میں اس بحث کے متعلق نہایت واضح رائے دی ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ "معاویہؓ اور علیؓ کے حالات پر نظر کرنے والا اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ ان دونوں میں بہت اختلاف تھا علی اپنی فضیلت اور قرابت رسول کیوجہ سے بڑے سے بڑے قریشی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اس پر مزید یہ کہ وہ اکابر کو بھی سمجھتے تھے کہ یہ جان بوجھ کر میرا درجہ نہیں ماننا چاہتے اور معاویہ کو تو اپنے سے بہت ہی پست جانتے کیونکہ انکو طلقاء رسول اور طلقاء کی اولاد جانتے جو حضورؐ سے لڑتے رہے اور شاید یہ بھی سمجھتے ہوں کہ وہ اسلام میں مجبوراً داخل ہوئے۔ چنانچہ معاویہؓ کا ذکر کرتے یا انکو خط لکھتے تو انکی تحقیر اور اپنا ترفع برملا ظاہر

کرتے اس کا کبھی لحاظ نہ کرتے کہ معاویہؓ نصف امت پر چھائے ہوئے ہیں انسے معاملہ نرمی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ نرمی کے لئے علیؓ آمادہ نہ تھے، ادھر معاویہؓ بھی اپنے کو اکابر قریش میں سمجھتے کیونکہ وہ بھی شیخ قریش ابوسفیان کے بیٹے اور رفعت نسبی میں انکے برابر تھے پھر خود حضورؐ اور خلفائے ثلاثہ ان پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ پورا ملک شام جو عراق کے بعد مسلمانوں کا سب سے بڑا صوبہ تھا انکی مٹھی میں تھا اور رومیوں کا مقابلہ انکا ایک زبردست کارنامہ تھا جب علیؓ نے خلیفہ ہونے پر سب سے پہلے انکی معزولی کا حکم بھیجا تو وہ سمجھ گئے کہ علیؓ اب مجھے اس نگاہ سے نہیں دیکھتے جس سے پہلے دیکھتے تھے تو انھوں نے سوچا کہ علیؓ سے ملنا انکے (میرے) مرتبہ کو اور نجانے کس حد تک گرادیگا، پھر علیؓ نے اپنی بیعت کے موقع پر بھی مجھ جیسے سپہ سالار کو شورہ تک میں شریک نہیں کیا۔ اسؓ کے علاوہ اکثر صحابہ نے بیعت علیؓ کی بھی نہیں، ان سب سے بڑھکر یہ کہ انکو خلیفہ بنانے والے تو وہی بلوائی قاتلین عثمانؓ ہیں۔ انھیںؓ کو علیؓ نے اپنی فوج میں بھر رکھا ہے اور ان سے قصاص لینا نہیں چاہتے ہیں۔ ان قرائن سے انھوں نے یہ سمجھا کہ وہ بھی بلوائیوں کے ہمنوا ہیں، جب دو آدمی ان خیالات کے ہوں تو انکا باہم اتفاق کی اور بہتری کی صورت پر پہونچنا ممکن نہیں۔ علیؓ جب انکو بیعت کے لئے لکھتے تو عراقی قاصدوں کو بھیجتے جو معاویہؓ سے تحقیر کے لہجہ میں گفتگو کرتے اور معاویہؓ ان سے پہلے تو قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کرتے اس طرح کہ قاتلین مجھے دے دیئے جائیں (میں قصاص لے لونگا) اس کے بعد مسلمان شوریٰ سے اپنا کوئی امیر چنیں، حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ کو اس لئے نہیں دینا چاہتے تھے کہ اس سے انکی قوت کم ہوتی اور ممکن تھا کہ انکے رشتہ دار بھی اس میں انکی مخالفت کرتے اور شوریٰ کو اس لئے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ انکے نزدیک بیعت سابق کامل ہو چکی تھی۔ (ج ۲ ص ۶۷ - ۶۸) -

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

آپکے تمام مناقب صحیحہ ثابتہ پر میرا بھی ایمان ہے۔ تبرک کے لئے میں آپکے مناقب میں سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں:

ابو سعید رفعہ: الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ (ترمذی) "حسنؓ وحسینؓ جنت میں ان تمام لوگوں کے سردار ہونگے جو دنیا میں جوانی اور بچپن کی عمروں میں مرے ہوں اور جنتی ہوں"۔ لوگ عام طور سے اس حدیث سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما تمام ہی جنتیوں کے سردار ہونگے مگر یہ مطلب صحیح نہیں، جنت میں تو انبیا بھی ہونگے اور جوان ہونگے، ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ بھی ہونگے اور جوان ہونگے۔ انکے سردار ہرگز حسنینؓ نہیں ہوسکتے" اس لئے اسمیں کچھ استثناء کا ہونا عقل سے بھی معلوم ہوتا ہے اور ایک دوسری حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ میرے ترجمہ سے اصل مطلب سمجھ میں آئے گا لیکن دشمنان اسلام نے چونکہ اپنی اغراض فاسدہ کے لئے حدیث مذکور کو اس کے غلط مضمون کیساتھ بہت مشہور کیا ہے اس لئے شاید کم علم مسلمانوں کو میرے ترجمہ پر شبہہ گزرے اس لئے میں ایک دوسری حدیث رفع شبہہ کے لئے لکھتا اور اسکو زیادہ سے زیادہ شائع کرنا چاہتا ہوں۔

علی رفعہ: "لابی بکر و عمر ھذان سیدا کھول اھل الجنۃ من الاولین والا خرین الا النبیین والمرسلین" (ترمذی) حضورؐ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں فرمایا یہ دونوں جنت میں ان تمام لوگوں کے سردار ہونگے جو ادھیڑ عمر اور بڑھاپے میں مرے ہوں اور جنتی ہوں چاہے بہت پہلے کی امتوں میں رہے ہوں چاہے بعد کی امتوں میں رہے ہوں مگر نبیوں اور رسولوں کو چھوڑ کر"۔ دیکھئے اس کے آخری ٹکڑہ سے پہلی حدیث کا مطلب (جو میں نے لکھا ہے) اور استثناء صحیح طور پر واضح ہوا ہوگا۔ یہیں ایک بات اور یاد کر لیجئے کہ حضورؐ نے

ابوسفیان بن حارث کو جو آپ کے چچیرے بھائی اور رضاعی بھائی تھے جو پہلے آپکے مخالف بھی تھے اور فتح مکہ سے دو ہی ایک دن قبل مسلمان ہوئے تھے انکو بھی "سید فتیان اہل الجنۃ" فرمایا یعنی بہادران بہشتی کے سردار (رحمۃ للعالمین دوم ص۸۰) حنین میں آپنے انکی شجاعت دیکھکر انکو "خیر اہلی" بھی فرمایا (جمع الفوائد دوم ص۲۲۹) یعنی میرے گھر والوں میں سب سے بہتر۔

بعض سوانح و تبصرہ - حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک بار حضرت حسن کو دیکھکر فرمایا تھا کہ "واللہ یہ نبی کریمؐ سے زیادہ مشابہ ہیں علیؓ سے نہیں" حضرت علی بھی ساتھ تھے سنکر ہنس پڑے۔ یہ بات جس طرح صورۃً صحیح تھی سیرۃً بھی صحیح تھی یہ صرف سیدنا حسن کی خصوصیت تھی کہ نبی کریمؐ سے مشابہ تھے ورنہ سیدنا حسینؓ سیرت میں اپنے والد سیدنا علی سے بجد ملتے جلتے تھے۔ آپ وفات رسول کے وقت صرف سات برس کے تھے یعنی آپ صحابی تو تھے مگر صحبت رسول زیادہ نہیں پاسکے پس اخلاق حمیدہ اور صحبت رسول میں آپ کا درجہ ابن عمر و ابن ابی بکر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کے برابر نہ تھا۔ آپ کا شمار صغار صحابہ میں کیا جاتا ہے۔

(۱) امارت کا انتظار اور خلافت اسلامی کو موروثی بنانے کی کوشش:-

(الف) سیدنا حسنؓ نے حضرت ابن جعفر سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ "فتنہ بڑھ رہا ہے خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ خلافت سے دست بردار ہوکر مدینہ میں عافیت سے زندگی گزاروں تو ابن جعفر نے اس خیال کو بہت پسند کیا اور کہا کہ اللہ آپ کو جزاء خیر دے مگر جب حضرت حسنؓ نے یہی ارادہ حضرت حسینؓ سے ظاہر کیا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا "خدا کے لئے معاویہؓ کی سچائی کا اعتراف کرکے آپ قبر میں تو حضرت علی کو نہ جھٹلایئے"

۱؎ آپکے دلمیں جب یہ بات خود حضرت معاویہ کیطرف سے بھری تھی تو ظاہر ہے کہ یزید کیطرف سے (دیکھو ص۱۴۶)

حضرت حسنؓ نے یہ سنکر حضرت حسینؓ کو ڈانٹا اور کہا کہ تم شروع ہی سے برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آئے ہو۔ خدا کی قسم! میں تمکو بیت فاطمہ میں بند کر کے اپنا ارادہ پورا کرونگا (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۲۶ بتغییر بعض الفاظ بحوالہ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ گھر میں آئی ہوئی خلافت کو کسی قیمت پر بھی جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ انکا منشا نیک نیتی سے یہ تھا کہ اسلامی خلافت موروثی حکومت بنے اور اخلاص کے ساتھ وہ خواہاں اور منتظر تھے کہ قرابت مندی کیوجہ سے یہ منصب انکو حاصل ہو اور اگر تاریخ ملت کی روایت صحیح ہو تو اس میں کچھ اعانت محمد بن حنفیہ کے مشورہ نے بھی کی۔ کہ ان سے کہا کہ "تم اس (یزید) کی بیعت نہ کرنا"۔ (تاریخ ملت سوم ص ۵۹)

نکتہ:۔ اگرچہ سیدنا حسین نے بھی یزید کی بیعت کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا کہ "یہ سنتِ شیخین کے اور اسلامی روایات کے خلاف ہے اور رسم عجم اور سنت قیصر و کسریٰ ہے" وغیرہ وغیرہ مگر حق یہ ہے کہ نہ وہ اس خیال میں منفرد تھے نہ انکو اس خیال میں اولیت حاصل تھی نہ وہ اسکو اس کے حدود کے اندر رکھ سکے اور اسکا حق ادا کر سکے اور نہ انکے کردار سے اسکی ادنیٰ ترین موافقت کبھی ظاہر ہوئی۔ تفصیل یہ ہے کہ:۔

(۱) وہ اس خیال میں منفرد نہیں تھے۔ تمام مورخین لکھتے ہیں کہ جب مروان نے مدینہ میں پنجتن کو یعنی ابن ابی بکر۔ ابن عمر۔ ابن علی۔ ابن عباس۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہم

(بقیہ ص ۱۴۵) بدرجہ اولیٰ ہوگی اور یہی چیز تھی کہ آپکو خواب میں حضور کی زبان سے کچھ کر گزرنے کا حکم بنکر دکھائی دی۔

عہ۔ اس روایت کے ذمہ دار مصنف تاریخ ملت سوم ہیں ورنہ محمد بن الحنفیہ کے خیالات بیعت کے متعلق ہم آگے لکھیں گے۔

کو بلا کر امیر معاویہؓ کا خط استخلاف یزید کے متعلق سنایا تو سب نے یہی کہا کہ سنت کسریٰ و قیصر ہے صرف ابن علی نے نہیں کہا تھا۔

(۲) اولیت نہ ہونے کا حال یہ ہے کہ تمام مورخین لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے فرمایا کہ "یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے کہ ایک قیصر کے بعد دوسرا قیصر بیٹھے ایک ہرقل اور کسریٰ کے بعد دوسرا ہرقل اور کسریٰ بیٹھے۔" ابن علیؓ نے اولاً یہ جملہ نہیں فرمایا اور نفسیاتی طور پر آپ سب کے ساتھ تو خیر کچھ دبی زبان سے اسکا ذکر کر بھی سکتے تھے ابتداءً تو آپ کہہ ہی نہیں سکتے تھے اس لئے کہ آپ تو خود خلافت کے لئے اٹھنا بھی چاہتے تھے اور مثل حضرت علیؓ کے اپنے کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور حضرت حسن ہی کی وقت سے خلافت کو خاندان سے باہر نہیں جانے دینا چاہتے تھے۔

(۳) اس خیال کا حق نہیں ادا کر سکے۔ ابن ابی بکرؓ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ تو البتہ اسکو حدود کے اندر رکھنے اور اسکا حق ادا کر سکنے کا مصداق ہے کہ وہ اس کو اسلامی روایات کے خلاف تو ضرور جانتے تھے مگر اس طرح کہ بس اسے خلاف اَولیٰ سمجھتے تھے یعنی یہ صورت نہ ہو تو بہتر ہے۔ لیکن جب ہوتی نظر آنے ہی لگی تو پھر آپ نے ـــــ چونکہ خلافت کی خواہش دل میں نہ تھی ـــــ بیعت بھی کر لی کہ وہ بھی جائز تھی کچھ ناجائز و حرام تو تھی نہیں۔ آپ نے تو حکومت کے خلاف خود اٹھے۔ نہ کوفہ کی بدنام و شورش پسند اور فتین جماعت سے آپ نے حکومت کے خلاف ساز باز کی، نہ آپ حصول قوت کی فکر میں پڑے، نہ بادشاہ وقت کے خلاف کسی ادنیٰ شبہہ کا کام آپ نے کیا کہ مواضع تہمت سے بچنا بھی ایک اسلامی حکم ہے۔ لیکن ابن علی نے یہ سب کچھ کیا اور اگر ابن اثیر کی روایت مانی جائے تو امیر معاویہ کے دھمکانے پر

۱؎ یہ روایت مصنف سیر الصحابہ نے ج ۶ ص ۱۰۷ طبع دوم میں لکھی ہے اور حوالہ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۳ واقعات ۵۶ھ کا دیا ہے۔

ابن علی نے تو یزید کی بیعت بھی کر لی تھی اور جبری بیعت کے بعد اسی طرح بیعت توڑ کر یزید کے مقابل آئے جس طرح حضرات طلحہؓ و زبیرؓ نے جبری بیعت کو توڑ کر حضرت علی کا مقابلہ کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو جس طرح طلحہؓ و زبیرؓ کے نقض بیعت پر فتویٰ تھا کہ ان دونوں نے غلطی کی تو حضرت علی ہی کے فتوے کے روسے (ابن اثیر کی روایت کے مطابق) حضرت حسینؓ نے بھی نقض بیعت اور خروج کی غلطی کی۔

(۴) کردار سے اس قول کا تخالف۔ حضرت حسن کی مخالفت مذکورہ ہی اسکا بیّن ثبوت ہے کہ آپ اسے سنت قیصری اور اسلام کے خلاف نہیں جانتے تھے بلکہ موروثی خلافت کے جواز کے قائل تھے۔

۲۔ اپنی رائے پر اصرار اور مشوروں کو رد کر دینا:۔

(الف) یہ سچ ہے کہ یزید صاحب فضائل نہ تھا مگر وہ نہ تو فاسق مجاہر تھا اور نہ قرآن و حدیث کے خلاف حکم کرتا تھا یہی وجہ ہوئی کہ حضرات عبد اللہؓ بن عمر۔ عبد اللہؓ بن عباس زیدؓ بن ارقم۔ سہیلؓ بن سعد۔ انسؓ بن مالک۔ ابو سعیدؓ خدری۔ جابرؓ بن عبد اللہ۔ نعمانؓ بن بشیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ نے یزید کی بیعت کر لی (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱ تاریخ ابن خلدون ج ۸ ص ۱۱۸) مگر سیدنا حسین کے نزدیک انکا بیعت کر لینا کافی نہ ہوا وہ اپنی رائے پر مصر اور قائم رہے۔

یہاں میں ایک بار پھر بالکل واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ:۔

۱۔ میں ان مذکورہ اکابر بالعموم صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں جو حضورؐ کے ہمراہ متعدد جہادوں میں شریک رہے اور وفات رسول کیوقت انکی عمریں کافی ہو چکی تھیں ہرگز نہیں سوچ سکتا کہ انھوں نے بیعت کرنے میں مداہنت کی۔ ضمیر فروشی کی۔ اسلام کے خلاف

کیا۔ یزید کے فسق کو کسی لالچ یا حکومت کے ڈر وغیرہ سے برداشت کیا۔ اسلام کو برباد ہونے کے لئے چھوڑ دیا گویا جان بوجھ کر مکھی نگل لی۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ، یہ خیال اور اس کا وسوسہ بھی جس شخص کو ہو تو وہ جانے اور آخرت کے نتیجہ کے لئے سینہ ٹھونک کر تیار رہے فما اصبرھم علی النار۔

(ب) روانگی کے وقت آپ کو پہلے عمرو بن عبد الرحمن نے پھر عبد اللہ بن عباس نے دو دن مسلسل آکر، پھر فرزوق شاعر نے، پھر عبد اللہ بن جعفر نے خط بھیجکر، پھر عمرو بن سعید امیر مدینہ نے فرمان امان لکھکر، پھر عبد اللہ بن مطیع نے، ان چھ آدمیوں نے کوفہ جانے سے اور ان شورہ پشتوں پر اعتماد کرنے سے (جنھوں نے حضرات علی و حسن رضی اللہ عنہما سے بیوفائی کی اور زندگی بھر پریشان رکھا) روکا خیر خواہی سے مشورہ دیا مگر سب بے سود (نہج ۲ ص ۱۷۱)۔

اب ایسے صاف معاملہ کو آپ کسی ہندو۔ عیسائی۔ یہودی صاحب علم و عقل کے سامنے رکھیے تو وہ یہی کہیگا کہ اسمیں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ حضرت حسین کی رائے یقیناً غلط تھی اور اس پر انکا اصرار بالکل بیجا اور تدبر کے خلاف تھا مگر اسے کیا کیجئے کہ ایک جماعت تلی ہوئی ہے سیدنا حسین کے ہر فعل کو اس طرح دکھانے پر گویا وہ وحی الٰہی کا امتثال ہے۔ ذیل کی مثال ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ ناقل اور منقول عنہ دونوں نے اس غلطی کا جوڑ وحی خداوندی سے لگا دیا ہے۔

ایک مصنف لکھتے ہیں "لیکن زبان قلم خاموش ہو جاتی ہے جب ابن اثیر کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے کہ جب عبد اللہ بن جعفر نے باصرار واپسی کی درخواست کی حضرت .... نے انھیں بھی ٹالنا چاہا مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو آپ نے

اپنے دل کی بات کہدی آپنے فرمایا "میں نے خواب میں جناب رسول اکرم صلعم کی زیارت کی آپنے مجھے "ایک کام کر گزرنے کا حکم دیا ہے میں اسکو ضرور کرونگا۔ خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ عبداللہ بن جعفر نے پوچھا وہ کیا کام ہے؟ آپنے جواب دیا کہ نہ میں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤنگا جب تک اپنے رب کے دربار میں حاضر نہ ہو جاؤں؛
(تاریخ ملت سوم ص۹۰ بحوالہ ابن اثیر ج۴ ص۱۷ اور سیر الصحابہ ج۶ ص۱۶۴ بحوالہ الطبری ج۶ ص۲۶۹)۔

ان اردو مصنفین نے یہ روایت ابن اثیر اور طبری کی اس طرح بے چون وچرا اور "روایتی اور درایتی حیثیت سے" جانچے بغیر نقل کردی ہے گویا ان عربی مورخوں کا یہ قول آسمانی آواز ہے اس لئے اس کا ماننا فرض ہے مگر اس پر حسب ذیل خدشات ہیں۔

(۱) جب سیدنا حسین نے مسلم وغیرہ کے قتل کی خبر سفر کوفہ کے راستہ میں سنی تو اسوقت آپنے لوٹنے کا ارادہ کیوں کیا؟ یہ ارشاد رسول بلکہ یہ وحیٔ آسمانی ـــــ کہ خواب کو بھی وحی کہنا جائز ہے ـــــ اسوقت کیوں یاد نہ رہا؟ اور اسوقت "میں اسکو ضرور کرونگا خواہ اسکا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو" کا عزم کیا ہو گیا تھا

(۲) حضورؐ نے خود صحابہ کا مشورہ قبول کیا ہے اور مشورہ کا حکم دیا ہے۔ کیا حضرت حسین رض مشورہ کرنے یا مشورہ ماننے سے مستثنیٰ تھے؟

(۳) محققین جانتے ہیں کہ خواب میں حضورؐ کا دیکھنا گو یقیناً حق ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا آپکی شکل مبارک میں نظر نہیں آسکتا باوجود اس کے "خواب کے ارشادات نبوی اکثر وبیشتر خواب دیکھنے والے کی افتاد طبع، میلان[۵۱] اور خیالات کے ماتحت اور موافق ہوا کرتے

۵۱۔ خصائل نبوی ترجمہ شمائل ترمذی میں ہے "علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے ... بقیہ (دیکھو ص۱۵۱)

ہیں لہذا انکو شرعی حکم کیطرح اپنے ذمہ فرض جان لینا غلطی ہے

(۴) پیغمبر کا خواب تو البتہ وحی اور مطابق واقعہ ہوتا ہے لیکن صحابہ کے خواب کا صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ خواب کی تعبیر کو متعین کرتے ہیں بعض وقت (علم غیب نہ ہونے کے باعث) خود پیغمبر سے بھی اشتباہ ہو جاتا ہے، پھر امتی کو اتنا جزم و وثوق اپنے خواب پر نہ چاہیئے۔

(۵) کیا اس خواب میں حضور نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ بیوی بچوں کو بھی اس کام کے تکملہ کے لئے ساتھ لیجا کر مصیبت میں پھنسانا؟ اور کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ ہر جگہ ہر شخص سے اپنی پیمبر زادگی کا اظہار اور اس سے طلب رحم بھی کرنا" تبھی اس کام کا تکملہ ہوگا۔

نکتہ:- میرے پاس تاریخ ابن اثیر اور طبری نہیں ہیں مگر میری فراست ایمانی بتاتی ہے کہ روایت موضوع اور مجہول ہوگی اور یہ بھی ابو مخنف رافضی سبائی سے ماخوذ ہوگی اور یہ روایت اس لئے گھڑی گئی ہے کہ سیدنا عثمانؓ سے حضورؐ نے عہد لیا تھا" ایک معاملہ میں صبر کا (مشکوٰۃ) تو شہادت حسینؓ کو شہادت عثمانؓ کے برابر بنانے کے لئے بلکہ بڑھا دینے

(بقیہ ف۱۵۰) نفسانی (یعنی نفسی اور طبعی) خطرات بھی اسکا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے ہوئے آتے ہیں وہی سوتے ہوئے دلمیں گزرتے ہیں ... (۱۱ سطر بعد) اسیطرح خواب میں ذات تو نبی کریم صلعم کی نظر آتی ہے لیکن اس ذات اور اس کے ساتھ جو احوال نظر آتے ہیں وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے ...... جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریم اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلا ارادہ بتلا ہے۔

(صفحہ ۲۵۸ و ۲۵۹)

کے لئے یہ جعل بنایا گیا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

(۳) سیدنا حسین کو سیادت سے مناسبت تھی قیادت سے نہیں ۔

(الف) کوفیوں پر بھروسہ کیا (ب) پہلے خلافت کے حاصل کرنے کی نیت سے ایسے وقت اٹھے جو سیاسی نقطہ نظر سے اس مقصد کے لئے بالکل نامناسب تھا اور باوجود ہمدردوں کے منع کرنے کے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لیکر حکومت کا مقابلہ تو کیا مگر سختی پیش آنے پر اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے اور واپسی کی اجازت مانگنے لگے یہ سیرت عسکریانہ نہیں بلکہ متولیانہ سیرت ہے ۔ امام ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سیرت اور شہادت البتہ سیرتِ عسکریانہ کا اظہار کرتی ہے (ج) جب مروان نے مدینہ میں آپ کو بیعت یزید کے لئے بلایا تو آپ نے یہ کہکر کہ "جب سب لوگ بیعت کرنے لگیں گے تو مجھے بھی اطلاع دینا" گویا اپنے آپ کو

لے یہاں امام ابن زبیر اور انکی والدہ کا مکالمہ مختصراً لکھنا بے محل نہ ہوگا ۔ حجاج نے جب محاصرہ میں سختی کی تو امام ابن زبیر نے اپنی ماں اسماء سے (جو سو برس سے زائد عمر کی اور نابینا ہو چکی تھیں) جا کر کہا "اماں سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک دو بیٹے بھی حجاج سے مل گئے ۔ دشمن ہمارے سب مطالبات ماننے پر تیار ہے، اب آپ بتائیے آپکی رائے کیا ہے؟" انھوں نے فرمایا "اگر تم حق پر ہو تو جاؤ اسکے لئے لڑو تمھارے ساتھیوں نے اسی پر جان دی ہے لیکن اگر تمھارا مقصد دنیا ہے تو تم سے بڑھکر برا شخص کون ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا ۔ اگر تم حق پر ہو اور عذر یہ ہو کہ تم ساتھیوں کی کمزوری و علحدگی سے پریشان ہو گئے تو یاد رکھو یہ شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں تم کب تک جیتے رہو گے ۔ جاؤ حق پر جان دیدینا طلب حرم سے اور ایسی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔"

(سیر الصحابہ ششم ص ۲۸۴)

پابند بنالیا تھا پھر آپ کو مدینہ سے ہٹنا نہ چاہیئے تھا اور جب اکابر صحابہ نے اور عوام نے یزید کی بیعت کی تھی تو بھی آپ کو اپنے قول اور زبان کا پاس کرنا اور جاکر بیعت کر لینا چاہیئے تھا اگر آپ بھی امام عبداللہ بن زبیر کی طرح مدینہ سے مکہ چلے گئے حالانکہ امام ابن زبیر نے اپنے کو پابند نہیں بنایا تھا یہ بھی وہی متولیانہ سیرت ہے۔

انتباہ و اعتذار: حضرات سیدنا علی و حسین رضی اللہ عنہا کے متعلق مذکورہ بالا حالات یقیناً ایک طرفہ حالات اور رائیں ہیں مگر یہ باتیں بہ ضرورت دینی الزامی جواب کی صورت میں ہیں اور ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے اور زبان بند کرنے لئے مجبوراً سپرد قلم کرنی پڑی ہیں جو سیدنا معاویہ و ابو سفیان رضی اللہ عنہا کو تو غلط کار مانتے اور انکو بدگوئیوں کا نشانہ بناتے ہیں اور حضرات سیدنا علی و حسین رضی اللہ عنہا کو معصوم اور خطا و غلط سے پاک سمجھتے ہیں۔ ہاں بیشک صحیح العقیدہ علماء اہلسنت نے بجز ایک دو کے یہ طرز اختیار نہیں کیا تو اسکی ایک معقول نفسیاتی وجہ تھی، وہ یہ کہ عہد نبوی میں ایک واقعہ ایسا گزر چکا ہے کہ اہلبیت حدیثی کی ایذا سے حضور کو ایذا پہونچی ہے اور وہ یہ کہ حضرت سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کی حیات میں ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا، بی بی فاطمہ نے اس کا ذکر حضورؐ سے آکر کیا آپ نے صحابہ میں جاکر فرمایا "میں خدا کے حلال کیے ہوئے امر (بی بی کے ہوتے دوسرا نکاح) کو حرام تو نہیں کرتا مگر میں بھی بشر ہوں جس چیز سے فاطمہ کو ایذا ہو گی اس سے مجھے بھی ایذا ہو گی کیونکہ فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے"۔ (بخاری)

اسی طرح انھوں نے سوچا ہو گا کہ حضرت حسین جو اہلبیت حدیثی تھے انکے بارہ میں اگر ہم بے رو رعایت حق و دیانت کا شرعی فیصلہ دیں تو کہیں وہ حضور کی ایذا و ناگواری کا باعث نہ بنجائے۔ خدا اس صورت حال سے بچائے، اس سے تو ہمارا بیڑہ ہی غرق ہو جائیگا

اس لئے اپنی خیریت دارین تو بس اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ یا تو اس خارزار میں پڑو ہی مت یا اگر پڑو تو حضرت حسینؓ کی خطا کا اظہار و اقرار ہی نہ کرو ایسے واقعات پر سے سرسری گذر جاؤ بلکہ ایسی کہیں ضرورت پڑے تو حضرت حسین کی طرفداری اور یزید کی غلطی ہی کا پہلو بیان کرو پھر اگر اسمیں اپنے اوپر ناانصافی کرنے کا الزام بھی آتا ہے تو اپنے سر لے لو۔ حضرت حسینؓ کی بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اگر ہم ایسی غلطی قصداً بھی کر ڈالیں تو بھی کچھ حرج نہیں ناانصافی کا گناہ اپنے سر لینے کو ہم ترجیح دیتے اور اور پسند کرتے ہیں بمقابلہ اس کے کہ ہم حضرت حسین کا تخطیہ کریں ان کی جانب خطا کی نسبت کریں اور اس سے خدانخواستہ حضورؐ کو ایذا پہونچ جائے"۔

بلاشبہ یہ خیال بہت وقیع اور یہ حال اگر کسی کا ہو بہت رفیع ہے۔ ایک مومن کے لئے اس سے بڑھکر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ محبت اہلبیت حدیثی میں یا محبت رسول میں اسکو جان دینی یا کچھ تکلیف جھیل لینی پڑے، بقول شاعر ؎

بہ جرم عشق توام می کشند غوغائے است — تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائے است

کا درجہ ہر شخص کو نصیب نہیں، لیکن اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ مغلوب الحال تو معذور ہے لیکن باہوش کے لئے ایمان و انصاف کی نگاہ میں اس خیال میں دو غلطیاں ہیں:۔

اول یہ کہ جہاں آنحضرتؐ نے وہ بات یعنی "فاطمہ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے جس بات سے اسے تکلیف ہوگی اس سے مجھے بھی ایذا ہوگی" فرمائی یا حضرت عباسؓ کے لئے فرمایا جس نے میرے چچا کی ایذا کی کوئی بات کی تو اس نے خود مجھے ایذا پہونچائی اور آنحضرتؐ نے بشریت کا حق ادا کیا وہاں آپنے جملہ صحابہ کے لئے جن میں حضرات ابوسفیان و معاویہ و ابن العاص رضی اللہ عنہم بھی یقیناً داخل ہیں صاف صاف فرمایا" اللہ اللہ فی اصحابی ... (الی قولہ

فقد آذانی" میرے صحابہ کے معاملات میں ذرا خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا ہے ان سے محبت ہے اسے دراصل میری محبت کیوجہ سے ان سے محبت ہے اور جس بدبخت کو انسے بغض وعداوت ہو اس بدبخت کو دراصل خود مجھ سے بغض وعداوت ہے" جس نے میرے صحابہ کی ایذا کا کوئی کام کیا تو اس بدبخت نے دراصل مجھے ایذا پہونچائی" اور یہ فرماکر آپنے رسالت وعدالت کا کمال ظاہر فرمادیا۔ صحابہ اور اہلبیت حدیثی کی محبت کو ہم رتبہ فرمادیا۔ دونوں ہی سے یکساں ایذا پہونچنا ظاہر فرمایا۔ اب جس نے اہلبیت حدیثی کی ایذا سے تو حضورؐ کی ایذا کا یقین کیا اور حضرات صحابہ کی ایذا سے حضورؐ کی ایذا کو نہ تسلیم کیا وہ سخت دھوکے میں ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول عادل صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا ہے وہ صرف حضرت محمد بن عبداللہ پر شاید ایمان لایا ہے جن میں بشریت کے لوازم (اپنے خاندان والوں کی اذیت سے ایذا پہونچنا) تو ہیں مگر انمیں رسالت وعدالت کے لوازم نہیں کہ جاں نثار صحابہ کی اذیت سے بھی انکو اذیت پہونچے۔ وہ لوگ بجائے نبی برحق کے ایک ایسے عام انسان پر ایمان لائے ہیں جسمیں عصبیت اور ایرانیت کا مادہ ہے کہ بس اپنا خاندان ہر طرح کی عزت ومحبوبیت کا مستحق ہے۔

دوم یہ کہ حضرت سیدہ فاطمہ کے قصۂ مذکورہ پر سانحہ حسین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے بوجوہ ذیل:۔

(۱) وہاں بنت ابوجہل سے نکاح علی کی غلطی اگر معلوم ہوسکی تو حضورؐ ہی کے اس ارشاد سے معلوم ہوئی کہ" رسول اللہ اور عدو اللہ کی بیٹیاں ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں" یہاں خاص حضرت حسینؓ کی تصویب میں کوئی ارشاد رسول نہیں۔ بلکہ حضورؐ ہی کے اس ارشاد سے کہ" جب امت کسی شخص پر مجتمع ہوجائے اسوقت اگر کوئی شخص مسلمانوں میں تفریق

کا کوئی کام کرے (یرید ان یشق عصا المسلمین) تو اسے قتل کر دو چاہے وہ کوئی بھی ہو (مسلم)
حضرت حسین کے اقدام کی غلطی معلوم ہوئی۔ اب ارشاد رسول کے ساتھ یزید کے معاصر صحابۂ
رسول کے اس طرز عمل کو ملائیے کہ کسی نے حضرت حسین کے اقدام کو پسند نہیں کیا نہ انکا ساتھ
دیا نہ انکی شہادت پر احتجاج کیا۔ بلکہ اکثر صحابہ نے روکا اور حضرت ابن عمرؓ نے تو صاف وہی
الزام لگایا کہ "اتقیا اللہ ولا تفرقا بین جماعۃ المسلمین" یعنی اے حسین و عبداللہ تم لوگ
خدا سے ڈرو اور مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو"۔ اور معلوم ہے کہ رسولؐ کی وفات کے بعد
منشاء رسول معلوم کرنے کا ذریعہ صرف اجماع صحابہ ہی ہے۔ پس جب اقدام حسین کو صحابہ کے
جم غفیر نے پسند نہیں کیا بلکہ اس سے منع کیا اسکے ذکر پر حضورؐ کی ایذا بھلا کیوں ہونے لگی؟

(۲) حضور نے جب یہ بھی فرمادیا کہ "بخدا اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اسکے ہاتھ
بھی کاٹ دیتا" ایسے بے لاگ عدالت پناہ رسولؐ کو بھلا حضرت حسینؓ کی اس غلطی و خطا
کے ذکر میں کیوں ایذا ہو گی جسے ابن عمرؓ نے غلطی اور خطا کہدیا۔

(۳) ایک قول کے مطابق حضرت علی سے حضورؐ نے وعدہ لیا تھا کہ حیات فاطمہ
میں دوسری بی بی نکر نیکے (حاشیہ بخاری) اس لئے سیدہ فاطمہ کی زندگی میں اگر حضرت
علی نکاح کر لیتے تو گویا اپنے وعدہ کے ناقض و ناکث ہوتے جو ایک درجہ میں معصیت تھا مگر
حسین اگر یزید کی بیعت کر لیتے جیسے دیگر اکابر صحابہ نے کر لی تھی تو وہ کسی حکم کا نقض نہ ہوتا
بلکہ امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کا وعدہ کر چکے تھے اسکا ایفا ہی ہوتا اس کے ذکر میں ایذاء
رسول کے کوئی معنی نہیں سمجھ میں آتے۔

(۴) حضرت حسین تو خود آخر میں اپنی غلطی کے معترف اور یزید کی بیعت پر آمادہ
ہو گئے تھے۔ اس لئے اس غلطی کا ذکر نہ ایذاء حسین کا سبب بن سکتا ہے نہ ایذاء رسول کا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے بارہ میں سبائیہ نے معصوم اور امام یعنی پیغمبر جیسے کفریہ عقائد پھیلا دیئے ہیں اس لئے انکے بارہ میں صحیح عقیدہ کی اشاعت ہر عالم دین پر فرض ہوا سلئے اس سے ایذاءِ نبوی نہیں ہو گی۔

(۶) سیدہ فاطمہؓ کے معاملہ میں علی کا دوسرا نکاح ایک انفرادی معاملہ تھا جس کا اثر محض ایک یا دو گھرانوں ہی تک محدود ہوتا مگر سیدنا حسین کا معاملہ ایک اجتماعی معاملہ اور افتراق امت کا سبب ہے اس لئے اجتماعی معاملہ کیطرف زیادہ توجہ چاہیئے۔ اس لئے میرے نزدیک اس کا اس پر قیاس کرنا اور حسین کی خطا کا ذکر بہ نیت اصلاح عقائد بھی نہ کرنا ایذاء رسول کا محض ایہام ہی ایہام ہے۔ حضرت حسین کو معصوم ماننے کے مترادف ہے اور اس لئے غلط ہے۔

الغرض جب حضرات علی و حسین رضی اللہ عنہما کے رویہ سے ایسی کچھ باتیں بھی ظاہر ہوئیں جو ایک غیر جانبدار۔ بے لاگ منصفانہ۔ دیانتدارانہ نگاہ میں موقع تہمت بن سکتی ہیں تو اس صورت میں بجز اس کے کوئی چارہ کار عقلاً بھی نہیں رہجاتا کہ جملہ حضرات علی و معاویہ و حسن و ابو سفیان و حسین و مغیرہ و عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق محبت رسول اور صرف محبت رسول کے خیال سے اور شرف صحبت رسول اور صرف شرف صحبت رسول کی رعایت کرکے، حضور اکرم صلعم کی روح پاک کو خوش کرنے کی نیت سے سنی حضرات یا تو زبان بند ہی رکھیں اور اگر زبان کھولیں تو ادب اور صداقت کا پورا لحاظ کرکے حضرات اکابر اہلسنت مثل امام ابن تیمیہ۔ شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ کے تحقیقی بات لکھیں کیونکہ ان حضرات نے عام امت مسلمہ کے بگڑتے ہوئے عقائد کے پیش نظر منصب علم و افتا کا بھی پورا حق ادا کیا اور اہلبیت حدیثی و حب رسول کا بھی

پورا حق ادا کیا۔

بہرحال صحیح عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ اور خاصکر علی و حسین رضی اللہ عنہما بھی بشر اور غیر معصوم تھے ان سے بھی رائے کی اور اخلاق کی بعض غلطیاں بعد رسول اسیطرح ہوسکتی بلکہ ہوئی ہیں جس طرح حضورؐ کے عہد میں حضور کے ساتھ بعض صحابہ غلطی رائے سے جنگ احد میں تیر اندازی کی مقرر جگہ سے ہٹ گئے تھے اور جنگ حنین میں حضرت ابوبکر اور بعض دیگر صحابہ سے عُجب (اذا عجبتکم کثرتکم) جیسا نفسانی رذیلہ ظاہر ہوگیا تھا تو جب حضورؐ کی معیت میں صحابہ سے رائے کی غلطی (جنگ احد میں) اور اخلاقی غلطی (جنگ حنین میں) ہوئی تو آخر حضورؐ کی وفات کے بعد جنگہائے جمل و صفین میں حضرت علی سے اور جنگ کربلا میں حضرت حسینؓ سے رائے کی اور اخلاقی غلطی کیوں نہیں ہوسکتی؟ اس کے امکان میں آخر کونسی عقلی یا نقلی قباحت ہے؟ پھر اس کے اظہار بضرورت میں کون سی اہانت ہے؟ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالے ان حضرات کو بہ برکت شرف صحابیت غلطی ہونے پر جلد از جلد متنبہ فرما دیتا ہے اور بروقت انکو رجوع الی اللہ اور اخلاص بھری توبہ و انابت کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ یہ حضرات معصوم تو یقیناً نہیں تھے مگر محفوظ بھی یقیناً تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ غلطیاں انکے دل میں اتفاقی رائے۔ اجتہادی غلطی کے طور پر مشیروں اور حالات کی پیچیدگیوں کے اثرات سے پیدا ہوگئی تھیں اور اللہ انکی ہر غلطی معاف کرچکا ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ انکو غلطیوں پر بھی ثواب ملیگا۔ ہم ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ وہ غلطیاں انکے اندر ہم دنیا داروں کیطرح نفس و شیطان کے مستقل غلبہ سے پیدا ہوئیں ہمارا ایمان ہے کہ ان وقتی لغزشوں کے برے اثرات مثل کینہ عداوت بغض سے انکے قلوب پاک تھے انمیں جو آویزشیں اور جنگیں ہوئیں وہ مقولہ یوسفی "نزغ الشیطان بینی و بین اخوتی"

کی تاریخ کا اعادہ تھا۔ وہ صحابہ یعقوب کے درمیان کا واقعہ تھا۔ یہ اصحابِ محمد کے درمیان کا معاملہ تھا، صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم ورزقنا اللہ حبہم واتباعہم۔

اے اللہ! ہر چند کہ میں نے شرعی اور دینی ضرورت سے یہ تحریر لکھی ہے مگر میں شقاوت سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، آپ میرے دل کو اہلبیت حدیثی کی محبت سے پُر فرما کر حضور کے سامنے سرخرو فرمایئے اور ان کی شان میں ادنیٰ سوئے ادب سے بھی مجھے بچائے رکھیئے۔ آمین

فصل ششم

شہادت کے اقسام اور شہادت حسینی کا مقام

عام طور پر شہادت کا مطلب صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص دین کیلئے کافروں کے ہاتھوں مارا جائے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو جمع کرنے سے شہادت کی حسب ذیل تیرہ قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) قتل فی سبیل اللہ: وہ قتل جو دین کی حمایت میں رضاءِ الٰہی کے حصول کی نیت سے واقع ہو۔ (۲) المطعون: وہ موت جو طاعون سے واقع ہو۔ (۳) المبطون: وہ موت جو پیٹ کی بیماری ہیضہ وغیرہ سے آئے (۴) الغرق: وہ موت جو بلا قصد پانی میں ڈوب جانے سے ہو۔ (۵) الحرق: وہ موت جو بے قصد آگ میں جل جانے سے آجائے (۶) صاحب ذات الجنب: وہ موت جو ذات الجنب کی بیماری میں ہو (۷) الذی یموت تحت الھدم: وہ موت جو مکان، درخت وغیرہ سے دب کر واقع ہو (۸) المرأۃ تموت بجمع: وہ موت جو عورت کو زچگی میں واقع ہو (۹) من قتل دون مالہ: وہ موت جو اپنے مال کی حفاظت میں آجائے (۱۰) من قتل دون دمہ: وہ موت جو کسی کے قصاص یا بدلہ لینے میں آجائے

(۱۱) من قتل دون دینہ: وہ موت جو اپنا دین بچانے میں پیش آئے (۱۲) من قتل دون اہلہ وعرضہ: وہ موت جو اپنے بال بچوں کی جان اور آبرو بچانے میں پیش آجائے (۱۳) من قتل دون مظلمۃ: وہ موت کسی اور ظلم کے مقابلہ میں پیش آئے۔

اگرچہ ان تمام قسموں کی موت شہادت ہی کہی جائیگی مگر عند اللہ سب قسموں کا درجہ برابر نہیں ہے۔ سب سے افضل شہادت پہلی قسم کی ہے۔ شہید کی جو مدح وفضیلت، ثواب اور منقبت احادیث اور قرآن میں وارد ہے وہ صرف پہلی قسم کی موت پانے والوں کے لئے ہے۔ بقیہ اقسام شہادت (ممکن ہے کہ باہم فضیلت وثواب میں برابر یا کم وزیادہ ہوں) محکم شہادت میں ہیں یعنی خدا نے اپنے فضل سے انھیں بھی شہادت میں داخل کر دیا ہے۔ ورنہ وہ قسم اول کے برابر نہ ہیں نہ ہو سکتی ہیں۔

ان اقسام شہادت میں سے صرف حسب ذیل اقسام ہی میں شہادت حسین کے داخل ہونے کا امکان ہے:

قتل فی سبیل اللہ. یا من قتل دون دمہ یا من قتل دون دینہ یا من قتل دون اہلہ یا من قتل دون مظلمۃ اور بس۔

اب آیئے دین و دیانت اور علم و امانت سے ذرا جائزہ لیں کہ سیدنا حسینؓ کی شہادت کس قسم کی شہادت قرار پاتی ہے تو ادنےٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ من قتل دون اہلہ کی قسم کی شہادت آپ کی نہ تھی کیونکہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ بال بچوں کی جان وآبرو بچانے کا کوئی قصہ ہوتا مگر اس کا کوئی قصہ وہاں نہ تھا۔ اسی طرح دون دمہ (کسی کے قصاص کے سلسلہ میں) کی قسم کی شہادت بھی نہ تھی۔ بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے حضرت مسلم کا قصاص لینا چاہا تھا اسمیں آپ شہید ہوئے تو تاریخ اس دعوے

کو ثابت نہیں کرتی آپ نے خبر قتل مسلم سنکر صرف ایکبار تو کہا دا اور، بھی برادران عقیل کے کہنے پر کہ ہیں مسلم کا بدلہ لونگا۔ لیکن اس کے بعد کہیں آپ نے خون مسلم کا دعوٰی یا قصاص کی نیت کا اظہار نہیں کیا۔ اب آپ "دون دینہ" کو لیجئے یزید کی بیعت کو انسے کہا جا رہا تھا وہ پہلے کسی وجہ سے رک رہے تھے (آخر میں راضی بھی ہو گئے) تو یہ یزید کی بیعت کر لینا دین کیخلاف تو نہ تھا کہ اس پر انھوں نے جان دیدینا پسند کیا ہو، پھر واقعہ بھی یہ نہ تھا کہ یزید کی بیعت سے بچنے کے لئے آپ نے جان دیدی ہو۔ ہوا تو یہ تھا کہ شمر کی شرانگیزی سے ابن زیاد نے آخر میں یہ شرط لگا دی کہ نہیں میرے ہاتھ پر بیعت کرو اور اس پر سختی کرنے لگا۔ آپ نے اس سے انکار کیا، اس نے سختی کی، آپ اپنی رائے پر اڑ گئے، اپنی آن پر اڑ گئے اور بجا طور پر اڑ گئے اس نے جہنم میں جانا گناہ سمیٹنا گوارا کیا اور جگر گوشہ رسول کو ناحق بے دردی سے شہید کر دیا۔ اس لئے دین بچانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ اب قتل فی سبیل اللہ کو لیجئے جیسا دشمنان دین اسے رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں تو سنئے قتل فی سبیل اللہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس شخص کے لئے بھی ما و شما یہ قسم شہادت تجویز اور مشہور کر دیں تو یہ قسم شہادت اس کے حصہ میں آ ہی جائے۔ بلکہ قتل فی سبیل اللہ کی کچھ شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس شہید کے قاتل اور مقابل کفار ہوں۔ جنگ بھی دین کی حمایت اور نصرت میں ہو۔ جنگ خالص رضائے حق کی نیت سے ہو۔ اس راہ میں قدم اٹھانے کے بعد رائے میں تزلزل، ارادہ پر افسوس، حریف سے طلب رحم اور واپسی کے لئے قدم پیچھے ہٹانا پشت دکھانا نہ ہو۔ اور یہ چاروں باتیں سیدنا حسین کی شہادت کربلا میں مفقود تھیں۔ کیونکہ سیدنا حسینؓ کی فوج مقابل کے لوگ فاسق اور بدترین فاسق ہی سہی مگر تھے مسلمان جیسا ابتدائی اوراق میں حدیث سے واضح ہو چکا۔ دین کی حمایت

کاحال یہ ہے کہ سیدنا حسین کے اقدام میں ابتداءً تو یہ مستحب پہلو ضرور تھا کہ مفضول بادشاہ
کو ہٹا کر افضل حاکم کو لایا جائے۔ مگر اس کے ساتھ خلافت اسلامی کو اپنے گھرانہ میں محصور
سمجھنے کی نیت بھی اسمیں ملی ہوئی تھی۔ اب پشت نہ دکھانے کا حال سنیئے کہ کئی مواقع
پر آپ نے اپنے سابق ارادہ سے دست بردار ہونے اور واپس جانے کا اعلان فرمادیا اور
حریف سے طلب رحم بھی کرتے رہے۔

ان تاریخی ٹھوس حقائق کی موجودگی میں بھی اگر کوئی صاحب شہادت حسین
کو قتل فی سبیل اللہ کہنے پر اصرار کرتے ہیں تو مجھے کہنے دیجئے کہ یا تو وہ سیدنا حسین کے بدترین
دشمن ہیں یا نادان دوست کہ انکو دین کی حمایت میں سچی نیت سے اللہ کی رضا کے لئے
جہاد کرنے، نکلنے والا بتاکر پھر نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ اس سے پشت دکھانے
والا، بیعت یزید پر آمادہ ہو جانے والا اور جہاد فی سبیل اللہ سے روگردانی کرنے والا دشمنوں
سے واپس جانے کی اجازت مانگنے کا مجرم بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اور میرا احساس ایمانی
سیدنا حسین کے دامن اقدس کو ان ۔ ۔ ۔ ۔ امور سے داغدار دیکھنے پر آمادہ نہیں۔ پس معلوم
ہوا کہ حضرت سیدنا حسین کا اقدام قتال و جہاد فی سبیل اللہ نہ تھا بلکہ "مَن قُتِلَ دُونَ مَظلَمَۃ"
کی قسم کا تھا یعنی کسی کے بیجا ظلم کے مقابلہ میں جو مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ صورت یہ
ہوئی کہ حضرت مسلم کی خبر شہادت سننے کے بعد۔ پھر حُر سے گفتگو کے وقت۔ پھر ابن سعد
سے راز کی گفتگوئے مصالحت کے وقت۔ غرض متعدد مواقع پر آپ نے یزید کے ہاتھ
پر بیعت کی آمادگی اور واپسی کا ارادہ اور طلب امارت سے دست برداری کے صاف
اور واضح اعلانات فرمادیئے تھے پھر بھی ابن زیاد اور شمر نے بلا وجہ سیدنا حسین پر بیجا سختی
کی کہ "ہم آپ کو اب کہیں جانے کی اجازت نہیں دے سکتے ممکن ہے کہ جس طرح

۱۔ دیکھو ص۱۶۲

مدینہ کے گورنر سے یہ کہہ چکنے کے بعد کہ دوسرے بیعت کر لینگے تو میں بھی بیعت کر لونگا آپ مدینہ سے مکہ کو چلدیئے اب یہ بھی کسی سازشی جماعت کے بلانے پر راستہ ہی سے کہیں کسی اور طرف نکل جایئے اس لئے آپ یزید کی بیعت یہیں پہلے میرے ہاتھ پر کر لیجئے تب کہیں جانے کی اجازت ملیگی"۔ غور فرمایئے اول تو بیعت کرنے میں ایک شخص کو عیز جانبدار اور خاموش رہنے کا بھی اختیار رہے۔ بیعت کر لینا اس پر واجب نہیں اس لئے بیعت کے واسطے کسی کو کسی پر جبر کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر نے بیعت سے کسی رکنے والے پر تلوار کی دھمکی وغیرہ سے کام نہیں لیا۔ دوسرے یہ کہ جب آپ یزید کے ہاتھ پر بیعت کے لئے آمادگی بھی ظاہر فرما چکے تھے پھر بھی ایک چارٹکے کے ملازم حکومت کے ہاتھ پر بیعت آپکا جبر سراسر ظلم تھا اور خاص کر سیدنا حسین کی ذات اقدس کے لئے یقیناً ظلم تھا کہ آپ حضورؐ کے نواسے تھے معزز ہاشمی اور سابق امیر المومنین حضرت حسن کے بھائی اور دوسرے سابق امیر المومنین حضرت علی کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے آپ گویا شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شہزادہ کی حیثیت رکھتے تھے ان حالات میں آپنے اس جبر کو اپنی اہانت سمجھا۔ اس ذلت پر راضی ہونا گوارا نہ کیا آن کے پیچھے جان دیدینا آپنے ہزار درجہ بہتر سمجھا مگر یہ ذلت گوارا نہ کی۔ آپنے سوچا کہ جب اور قسم کی شہادت ملنی ممکن نہیں ہے تو شہادت کی یہ قسم "دون مظلمۃ" والی کو بھی

(ص ۱۶۲ کا حاشیہ) بلکہ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۰ پر تو یہ ہے کہ حسینؓ نے واپسی کا ارادہ ہی صرف نہیں ظاہر کیا بلکہ آپنے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تو وہ لوگ واپسی کے لئے سوار ہوئے مگر حر نے انکو واپس جانے سے روکدیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہادت حسین کے ذمہ داروں میں حر بھی تھے۔

کیوں ہاتھ سے جانے دوں آپ نے موقع کو غنیمت جانا اور ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت سے انکار کر دیا اس نے سختی کی اور قتل کی دھمکی دی آپ نے اسکی پرواہ تک نہ کی اس نے فوج سے حملہ کیا آپ نے مدافعانہ جنگ کی اور بالآخر مظلوم شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واقعات کربلا کو ــــــ جو آگے تفصیل سے آئینگے، عدل و دیانت اور عقل و امانت سے دیکھنے پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ایک سیاسی جنگ تھی اسکا دور کا بھی تعلق جہاد فی سبیل اللہ سے نہ تھا۔ یہ شہادت حمایت دین میں، نصرت اسلام میں، معالم دین کے زندہ کرنے میں، اعلاء کلمۃ اللہ میں، احیاء شرائع اللہ میں نہیں تھی۔ یہ شہادت یزید کے مقابلہ میں بھی نہیں تھی، یزید کے حکم یا علم میں بھی نہیں تھی بلکہ یہ ابن زیاد اور شمر کے ظلم اور جبر کے مقابلہ میں اپنے کو ذلت سے بچانے میں اپنی آن پر حرف نہ آنے دینے پر تھی۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ سیدنا حسین کے بارہ میں حسب ذیل خیالات محض لغو اور واہی ہیں اور عقائد اہلسنت کے خلاف ہیں۔ دشمنان دین کی تحریف اور تصنیف کا ادنیٰ نمونہ ہیں:۔

(الف) یہ کہ سیدنا حسین کی شہادت تمام شہداء اسلام سے افضل تھی (ب) یہ کہ سیدنا حسین ذبیح اللہ تھے اور انکی شہادت قرآن کے لفظ "ذبحٍ عظیم" کا مصداق اور تفسیر ہے (ج) یہ کہ سیدنا حسین سید الشہداء تھے (د) یہ کہ سیدنا حسین "بنائے لاالٰہ" تھے اور افسوس یہ خیال بہت سے کم علم سنیوں کے ساتھ صاحب سیر الصحابہ جلد ششم کا بھی ہے

مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن میں ہے " لا یستوی منکم من

انفق الخ (حدید) یعنی جو لوگ فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کر چکے اور جانیں دے چکے ہیں انکا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہے بمقابلہ انکے جنھوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا یا جانیں دیں۔ یہ دونوں برابر نہیں۔" اب جس شخص کا ایمان ہی قرآن پر نہ ہوگا وہ تو البتہ یہ کہہ سکتا ہے کہ سیدنا حسین کی شہادت سب سے افضل اور اعلیٰ تھی یا وہ سید الشہداء تھے۔ مگر اس آیت کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان تو اسکے کہنے کی ہمت نہیں کر سکتا کہ سیدنا حسین کی شہادت کا درجہ بدر و اُحد یا فتح مکہ سے قبل کے کسی غزوے کے شہداء کے برابر ہو سکتا ہے یا سیدنا حسین کی شہادت فتح مکہ کے بعد کے غزوات کے کسی شہید کے برابر بھی ہو سکتی ہے؟ کیونکہ وہ جنگیں کفار سے تھیں، اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے تھیں، خالص ابتغاءِ مرضات اللہ کے لئے تھیں۔ اور انمیں نہ کسی مجاہد نے جنگ سے قدم پیچھے ہٹایا اور نہ حریفوں سے طلبِ رحم اور واپسی کی اجازت مانگی۔ اس کے علاوہ حضور نے سید الشہداء حضرت حمزہ کو کہا ہے کہ وہ احد میں شہید ہوئے اور پھر انکو مزید اذیتیں دی گئیں۔ انکا مُثلہ کیا گیا یہ اگر لقب کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو صرف حضرت حمزہ کے لئے کیا جائے گا دوسرے کے لئے نہیں۔ اور اگر کوئی جوشِ عقیدت، شدت مبالغہ، غلبۂ جذبات اور طرزِ مجاز کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے تو اول تو سیدنا حسین سے بڑھ بڑھ کر ظلم سے بہت سے اور مسلمانوں کو شہادت کا درجہ ملا ہے انمیں حضرت عثمانؓ سب سے اول و افضل ہیں انکو بھی کہنا چاہیئے دوسرے جب سیدنا حسین کی شہادت راہ حق میں تھی ہی نہیں بلکہ ذلت سے بچنے اور جان کو بچانے کے لئے تھی اس لئے ایسی شہادت پر حضور کے دیئے ہوئے لقب کا لفظ بولنا میرے خیال میں ذریت ابن سبا ہی سے ہو سکتا ہے۔

اسکے بعد سمجھئے کہ سیدنا حسین کو ذبیح اللہ کہنا اور انکی شہادت کو ذبح عظیم قرار دینا مضمن تحریف قرآن ہے معاذ اللہ۔ رہا سیدنا حسین کو بناء لا الہ کہنا ایک فضول سا بے بنیاد دعویٰ ہے۔ بناء لا الٰہ الا اللہ تھے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کہ آپ سے دین پھیلا بنار لا الٰہ الا اللہ تھے مجاہدین بدر ۳۱۳ حضرات کہ انکے بارہ میں لسان نبوت نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات جیسے پُر اخلاص موقع پر کہا کہ "بارالہا! اگر تو نے آج ان ۳۱۳ کو ختم ہو جانے دیا تو پھر تیری پرستش روے زمین پر کہیں نہ ہو سکے گی"۔ مطلب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد ہیں تو یہی ۳۱۲ ہیں۔ بنار لا الہ الا اللہ تھے حضرت ابوبکر جنھوں نے حضور کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد کے استیصال کا پیغمبرانہ کام کیا تھا۔ بناء لا الہ الا اللہ تھے حضرت عثمان جنھوں نے فتنۂ "تحریف دین" کو اپنا سر دیکر اپنے خون کے سیلاب سے بہا دیا اور دین کو محفوظ کر دیا۔

واضح ہو کہ ایک رباعی ایک غالی شیعہ معین الدین کاشانی کی بہت مشہور کی گئی ہے

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین   دین است حسین و دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید   حقا کہ بناء لا الہ است حسین

اور اس پر اچھے اچھے سنی، بڑے ماہر ادیب اور مدبر بھی جھومتے ہیں۔ اسکی داد کے لئے انھیں الفاظ نہیں ملتے ہیں وہ اسے سنتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں خاص کر اس وجہ سے کہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ رباعی حضرت سلطان الہند خواجہ سید معین الدین حسنی چشتی سنجری قدس اللہ سرہ العزیز کی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

واقعہ کربلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

حامدًا وّ مصلّیًا

فصل اوّل یزید

یزید، بنو امیہ کا دوسرا بادشاہ تھا۔ اس کی کُنیت ابو خالد تھی۔ حضرت سیدنا الامام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلوٹھا بیٹا تھا۔ ۲۶ھ عثمانی میں (تاریخ ملت سوم ص ۵۴) یا ۲۲ھ فاروقی (خلافت معاویہ ص ۳۰۰) میں بمقام دمشق پیدا ہوا۔ سیدنا حسین رضؓ سے عمر میں ۲۵ برس یا ۳۱ برس چھوٹا تھا۔ آنکھ کھُلی تو گھر میں دولت اور فراغت، سپہ سالاری اور امارت کی پشتینی فضا دیکھی۔ حضرت امام معاویہ رضؓ اسے امارت و حکومت ہی کے لئے تربیت دیتے تھے چنانچہ دو سال انھوں نے یزید کو قافلۂ حُجاج کا امیر بھی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا (خضری ۲ ص ۱۲۴) ۴۹ھ میں امام معاویہ رضؓ نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ ایک لشکرِ جرار سُفیان بن عوف کی ماتحتی میں قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کے لئے روانہ کیا (ابن اثیر) ابھی وہ راستہ ہی میں تھے کہ ان کی فوج میں چیچک کی وبا پھیل پڑی اور وہ فوج مقام فرقدونہ میں رُک گئی (تاریخ ملت ۳ ص ۳۱) امام معاویہ رضؓ نے یہ خبر سُنی تو دوسری فوج اپنے بڑے بیٹے یزید کی ماتحتی میں بھیجنی چاہی پہلے تو یزید اپنی بیوی ام کلثوم سے جُدائی پر راضی نہ ہوا اور جہاد پر جانے سے بہانے کرنے لگا مگر جب امام الامیر معاویہ رضؓ نے اس پر سختی کی تو پھر اسے فوج لے کر شہر قیصر کی طرف جانا ہی پڑا (طبری)

چونکہ لسانِ نبوت پیش گوئی اور بشارت فرما چکی تھی کہ "اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ" (بخاری کتاب الجہاد) یعنی میری امت کا پہلا لشکر جو قیصرِ روم کے شہر پر حملہ کرے گا ان سب کی بخشش ہو گئی یہ بشارت کے حصول کے شوق میں چند اکابر صحابہؓ مثل سیدنا حسینؓ ابن علیؓ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱) اور سیدنا الامام عبداللہؓ ابن الزبیرؓ (قسطلانی شارح بخاری) اور سیدنا عبداللہؓ بن عمرؓ۔ سیدنا عبداللہؓ بن عباسؓ اور میزبانِ رسولؐ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ (سیر الصحابہ ۶ ص ۶۶) یزید کی ماتحتی میں تشریف لے گئے تھے۔ سیدنا ابو ایوبؓ نے اپنی وفات کے قریب، یہ

سلہ سیر الصحابہ ج ۶ ص ۵۰ پر یزید کا ذکر نہیں ہے البتہ ص ۶۶ پر طبری کی روایت حاشیہ میں لکھی ہے کہ سپہ سالار یزید تھا۔ مگر وہاں بخاری کی روایت "جس میں مغفور لہم" کا طرۂ امتیاز افرادِ لشکر کے لئے مذکور ہوا ہے اس کی جگہ پر ایک دوسری روایت بغیر حوالہ کے لکھی ہے کہ.... "آنحضرتؐ کی اس بشارت کے مطابق کہ کیا اچھی وہ فوج ہوگی اور کیا اچھا وہ امیر ہوگا جو ہرقل کے شہر پر حملہ آور ہوگا" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو کوئی دلی اضطراب پریشان کئے ہوئے ہے کہ جس کے باعث وہ مغفور لہم والی حدیث سے گریز کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے اوّل تو یہی نہیں سمجھ میں آتا کہ اس طرزِ بیان کو (کہ کیا اچھی وہ فوج ہوگی الخ) بشارت کہہ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر کیا اچھی فوج والی یہ روایت جو اصابہ ج ۱ ص ۱۵۷ کی ہے اس میں ہرقل کا لفظ ہے اور حدیث بخاری میں مدینہ قیصر لفظ ہے اس سے واضح ہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان کسی دوسری فوج کے لئے ہے پھر فاضل مصنف کو غور کرنا چاہیے تھا کہ اصابہ کی روایت میں تو "فتح قسطنطنیہ" کی بشارت ہے نہ کہ صرف حملہ کا ذکر اور یزید کے حملہ کے وقت قسطنطنیہ فتح نہیں ہو سکا تھا صرف حملہ اور غزوہ ہوا تھا اس لئے یہ دوسری روایت ہے۔ یزید کے ساتھ حملہ کرنے والے لشکر کے لئے کیا اچھی فوج نہیں ارشاد ہوا ہے۔ بلکہ اس کی اور اس کے لشکر کی تو مغفرت ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اور مغفرت ہی کو بشارت کہہ سکتے ہیں۔ "کیا اچھی فوج" کو بشارت نہیں تحسین کہا کرتے ہیں۔

وصیت کہ "میری لاش" زمینِ دشمن میں زیادہ سے زیادہ دور لے جا کر دفن کرنا، اسی جہاد میں اور یزید ہی کو فرمائی تھی۔ پھر یزید ہی نے سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور سیدنا حسینؓ نے اور تمام افرادِ لشکر اسلامی نے نمازِ جنازہ اور پنجوقتی نمازیں یزید ہی کے پیچھے پڑھی تھیں۔

یزید ۲۸ رجب ۶۰ھ کو تخت نشین ہوا۔ وہ ایک کامیاب جنرل، مدبر اور سیاست داں تھا۔ اس کے عہد میں اس کے ایک مشہور سپہ سالار عقبہ ابن نافع نے افریقہ میں باغایا۔ اربہ۔ قاہرہ۔ طنجہ۔ سوس ادنے واقصیٰ وغیرہ فتح کر کے حدود اسلامی کو وسعت دی اور دوسری طرف اس کے دوسرے سپہ سالار مسلم بن زیاد نے خوارزم۔ سجستان کو فتح کیا اور اہل کابل کی سرکوبی کی۔ آخر پونے چار سال حکومت کر کے بعمر ۳۸ سال، جنگ کربلا کے تین سال دو ماہ بعد۔ ۱ر نومبر ۶۸۳ء (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) کو اس کا انتقال ہوگیا۔ یزید کے عہد کے تین واقعات نے ــــ واقعہ کربلا محرم ۶۱ھ۔ واقعہ حرہ ذی الحجہ ۶۳ھ۔ محاصرہ مکہ محرم ۶۴ھ ــــ نیز اس کے "فسق" کی عام شہرت نے اس کے دینی و دنیاوی حالات زندگی پر بہت گہرا پردہ ڈال رکھا ہے مگر جبکہ اس کے احوال زندگی میں اس کے موافق اور مخالف دونوں ہی قسم کی متضاد باتیں ملتی ہیں اس لئے ایک تاریخ کے طالب علم کو قدرتی طور پر سخت استعجاب لاحق ہونے لگتا ہے اور شوقِ تحقیق اس کا دامنِ دل کھینچنے لگتا ہے کہ اس عقدۂ لاینحل کو جتنا کچھ سلجھایا جا سکتا ہو سلجھانا اور تضاد کو دور کرنا چاہئے خصوصاً اس وجہ سے کہ اسی عقدہ کے ساتھ بہت سے صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ

وعلیہم وسلم کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا مسئلہ بھی وابستہ ہے۔

یزید کے موافق تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ (۱) خود اس کے والد حضرت سیدنا الامام الامیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو صحابی رسول بھی تھے اور دعائے رسول ؐ کے ذریعہ، ہادی۔ مہدی اور باعث ہدایت بھی تھے۔ یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی بیعت لوگوں سے لی (۲) میزبان رسول ؐ حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔ نواسۂ رسول ؐ حضرت سیدنا حسین رضؓ اور ان کے علاوہ ابن عمر۔ ابن عباس۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے اس کی ماتحتی میں جہاد کیا ہے اور اس کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں (۳) کئی صحابہ نے مثل حضرات عبداللہ ابن عمر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم یزید کی بیعت کر لی اور اس کو بلا انکار و اعتراض امیر و خلیفہ تسلیم کر لیا (۴) خود سیدنا حسین رضؓ بھی آخر میں اس کی بیعت کے لئے آمادہ ہو گئے تھے (ابن اثیر۔ طبری۔ اصابہ۔ تاریخ الخلفاء۔ البدایہ والنہایہ راس الحسین) (۵) حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ جیسے صحابی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی تھی (۶) سوا حضرت حسین رضؓ و عبداللہ رضؓ کے کسی صحابی نے نہ یزید کے خلاف خروج کیا نہ حسین و عبداللہ رضی اللہ عنہما کے خروج کو پسند کیا اور نہ ان کی شہادتوں کے بعد کسی نے کوئی آواز اٹھائی (۷) شہادت حسین کے بعد سیدنا زین العابدین علی رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات بھی تھے (۸) سب سے بڑھ کر یہ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ وحی الٰہی جس پوری فوج کے مغفور لہم ہونے کی بشارت دی تھی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا (۹) خود سیدنا

حسینؓ کے یزید سے تعلقات بھی خوشگوار تھے (۱۰) یزید کے گھرانہ سے اور سیدنا حسینؓ کے ہاشمی گھرانہ سے شہادت حسینؓ کے بعد بھی اسی طرح رشتے ناطے شادی بیاہ ہوتے رہے جس طرح شہادت کے قبل ہوتے تھے۔ ایک طرف تو یہ حالات ہیں دوسری طرف

یزید کے خلاف ہم یہ پاتے ہیں کہ (۱) مصنف سیر الصحابہ ج ۶ نے ص ۲۳۶ پر ابو مخنف کی ایک روایت لکھی ہے جس میں سیدنا حسینؓ نے اپنے کوفہ آنے کے حسب ذیل اسباب بیان کئے ہیں اور چونکہ بلا نکیر نقل و بیان کئے ہیں اس لئے گویا مصنف سیر الصحابہ ابو مخنف کے ہمنوا و مؤید ہیں :-

"ان لوگوں (بنو امیہ) نے شیطان[۱] کی اطاعت قبول کر لی ہے رحمان[۲] کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ خدا کی زمین پر فتنہ[۳] و فساد پھیلا رکھا ہے۔ حدود[۴] الٰہی کو معطل و بیکار کر دیا ہے۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ[۵] زیادہ لیتے ہیں۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال[۶] کر دیا ہے۔ خدا[۷] کی حلال کردہ چیزوں کو حرام[۸] کر دیا ہے"

(۲) یزید کے فسق و معاصی کی کچھ فہرست[۱] کسی ذریعہ سے سُنّی عوام کو بھی معلوم ہو گئی ہے وہ یہ کہ وہ نُمبری شرابخوار تھا۔ علانیہ اور مسجدوں[۲] میں بیٹھ کر شراب پیتا تھا۔ اُس نے مساجد اور قرآن کی[۳] بے حُرمتی کی۔ وہ بہت بڑا[۴] زانی تھا۔ اس نے ماں، بہن سے نکاح[۵] یا زنا کیا وغیرہ [عجیب بات ہے کہ شراب خواری کا ذکر ابو مخنف نے صاف لفظوں میں نہیں کیا]

(۳) حضرات سیدنا حسینؓ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے

"فسق" کو دیکھ کر جان دیدینا تک گوارا کر لیا مگر اس کی بیعت نہیں کی۔ [مگر وہ فسق کیا تھا صاف معلوم نہ ہو سکا] ان دونوں متضاد حالات کو دیکھنے کے بعد ہمیں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اُن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال پریشان کرتا ہے جن کی تجویز سے یا تائید سے یا حکم سے یا اتفاق و بیعت کر لینے سے یزید خلیفہ بنا۔ ہم کو یزید سے کوئی دلچسپی نہیں نہ ہم اس کی مدافعت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم ان صحابہ کے دامن تقدس پر کسی بداخلاقی کسی مداہنت کسی بددیانتی کی گرد پہنچنے کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ بعض سُنّی اہل قلم حضرات نے ان کی ذوات مقدسہ پر بے تحاشا، مداہنت۔ حرص و طمع۔ خوفِ جان۔ ضمیر فروشی۔ حکومت کی خوشامد۔ بزدلی۔ مجرمانہ خاموشی وغیرہ کے الزامات لگانے چاہے ہیں (معاذ اللہ) اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جذبات حسین پرستی اور یزید دشمنی سے الگ ہو کر مورخانہ دیانت اور محققانہ انصاف سے یہاں اس کے مشہور عالم "فسق" کی ذرا نوعیت۔ حقیقت۔ اور حدود تو معلوم کریں۔ اور آزادانہ سائنٹفک تحقیق کی نظر اس پر ڈالیں:۔

یزید کے فسق: (۱) مورخ خضری لکھتا ہے "وَیزیدُ صَاحِبُ مسئلۃٍ

لے سیر الصحابہ ج ۶ طبع دوم دار المصنفین اعظم گڑھ کے صفحہ ۲۳۸ پر ہے "..... لیکن چونکہ عہد نبوت کے بُعد کی وجہ سے بڑی حد تک حُریت و آزادی کا خاتمہ ہو چکا تھا اس لئے کچھ لوگوں نے امیر معاویہ کے دبدبہ و شکوہ سے مرعوب ہو کر۔ کچھ لوگوں نے مال و زر کے طمع میں۔ اور بعضوں نے محض اختلاف اُمت کے خطرے سے بچنے کے لئے یزید کو ولیعہد مان لیا جو لوگ مخالف تھے انھوں نے بھی جان کے خوف سے خاموشی اختیار کر لی بہرحال کسی نے خوشدلی کے ساتھ یزید کو ولیعہد نہیں تسلیم کیا۔"

وَتَمَادُنٍ مَعَ مَا قَدْ اُوْلِعَ بِهٖ مِنَ الصَّيْدِ" (ج ۲ ص ۱۱۷) یعنی یزید کاہل اور سست آدمی تھا اسی کے ساتھ ساتھ اُسے شکار کا بھی بیحد شوق تھا۔

(۲) خضری لکھتا ہے "وَكَانَ مُغْرَمًا بِالصَّيْدِ وَهٰذَا اِنَّمَا اَخَذَهٗ اِذْ ذَاكَ عَلَيْهِ النَّاسُ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا فَارَقُوا الْبَدَاوَةَ الْعَرَبِيَّةَ وَالْجِدَّ الْاِسْلَامِيَّ بَعْدُ" (ج ۲ ص ۱۲۴) یعنی یزید شکار کا بڑا شوقین تھا۔ جو شکایات ان دنوں لوگوں کو اُس سے تھیں ان میں سے اس کا یہ شکار کرنا بھی تھا کیونکہ ان لوگوں نے عام طور پر اس وقت تک عربوں والی میدانی زندگی اور اسلامی جدوجہد کو چھوڑا نہیں تھا (شکار میں تیر کمان سے شکار اور کتوں کے ذریعہ شکار دونوں شامل ہیں)

(۳) ابن خلدون لکھتا ہے "وَمِنْهَا حَدَثَ فِيْ يَزِيْدَ مِنَ الْفِسْقِ اَيَّامَ خِلَافَتِهٖ فَاِيَّاكَ اَنْ تَظُنَّ بِمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ عَلِمَ بِذَالِكَ مِنْ يَزِيْدَ فَاِنَّهٗ اَعْدَلُ مِنْ ذَالِكَ وَاَفْضَلُ بَلْ كَانَ يَعْذِلُهٗ اَيَّامَ حَيَاتِهٖ فِيْ سِمَاعِ الْغِنَاءِ وَيَنْهَاهُ عَنْهُ وَهُوَ اَقَلُّ مِنْ ذَالِكَ وَكَانَتْ مَذَاهِبُهُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفَةً" (مقدمہ ص ۱۱۶) یعنی امور قابل ذکر میں سے ایک وہ فسق ہے جو یزید کے اندر اس کے عہد خلافت میں پیدا ہوگیا تھا مگر خبردار کہیں تم حضرت معاویہؓ کے بارہ میں یہ بدگمانی نہ کرنے لگنا کہ وہ یزید کے اس فسق کو جانتے تھے کیونکہ حضرت معاویہؓ اس (بدگمانی) سے بمراتب عادل اور افضل ہیں بلکہ حضرت معاویہؓ تو زندگی بھر یزید کو گانا سننے (سماع) پر ملامت کرتے اور روکتے ہی رہے تھے مگر وہ اُس وقت کا فسق

بعد والے فسق سے کم تھا اور لوگوں کی رائیں سماع کے بارہ میں مختلف تھیں

(۴) تاریخ ملت سوم میں ابن اثیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "جب حضرت معاویہ رضؓ کو اطلاع ملی کہ پہلا دستہ جو سفیان بن عوف کی ماتحتی میں جہادِ قسطنطنیہ کے لئے گیا تھا وہ بمقام فرقدونہ چیچک میں مبتلا ہو کر رک گیا ہے امیر معاویہ رضؓ نے اپنے بیٹے یزید کو پہلے بھی اس دستہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا مگر وہ بیماری کا بہانہ کر کے بیٹھ رہا اور ٹال گیا تھا اور جب اُسے مجاہدین کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنی بزمِ عشرت میں یہ شعر پڑھے :-

مَا اِنْ اُبَالِی بِمَا لَاقَتْ جُمُوْعُهُمْ ۔۔۔ بِالْفُرْقَدُوْنَةِ مِنْ حُمّٰی وَمِنْ مُوْمٍ
اِذَا اتَّکَاْتُ عَلَی الْاَنْمَاطِ مُرْتَفِقًا ۔۔۔ بِدَیْرِ مُرَّانَ عِنْدِیْ اُمُّ کُلْثُوْمٍ

مجھے اُس بخار اور چیچک کی مطلق پروا نہیں جو مقام فرقدونہ میں مجاہدین کے جتھوں کو پیش آگئی جبکہ میں اونچے گدّوں اور قالینوں پر تکیہ لگائے دیرِ مُرّان میں اپنی بیوی اُمِ کلثوم کو آغوش میں لئے بیٹھا ہوں۔

(۵) تاریخ ملت سوم میں بغیر کسی حوالہ کے ہے: "یزید جوان ہوا تو حسن پرستی اور بادہ رنگیں سے رشتہ جوڑا۔ شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اس میں کمال حاصل کیا (ص ۵۴) بہرحال مستند اور معتبر تاریخی ذرائع سے دیانتداری کے ساتھ ہم کو یزید کے "فسق" کی فہرست یہ معلوم ہوئی کہ اسے شکار[۱] کا اور شاید کتوں کے ذریعہ شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ وہ کاہل[۲] اور سست تھا۔ آرام طلب تھا۔ وہ گانا سنتا تھا اہلِ سماع[۳] سے تھا۔ وہ "گھر گھسنا[۴]" تھا یعنی اُسے بیوی لونڈیوں کی طرف بہت زیادہ میلان تھا اسے شعر و شاعری[۵] کا شوق تھا وہ اچھا شاعر تھا۔ [بادہ رنگین سے رشتہ جوڑنا بغیر حوالہ ہے اس لئے ہم نے اُسے بھی فسوق ثابت

متفق علیہا میں شمار نہیں کیا ہے اور مصنف سیر الصحابہ ج ۶ نے جو فہرست اس کے معاصی و فسوق کی ابو مخنف جیسے معتبر راوی سے نقل کی ہے ہم نے اُسے بھی بعض وجوہ سے فسوق ثابتہ میں شمار نہیں کیا [وجہ آگے آتی ہے] بہرحال خواہ یزید کے فسوق و معاصی ثابتہ ہوں جن کی تعداد ۵ ہے جو ابھی دو سطر اوپر مذکور ہوئے ہیں یا فسوق و معاصی غیر ثابتہ و مشکوکہ ہوں جو ابو مخنف وغیرہ نے بیان کئے ہیں آیئے اُن سب پر ایک تحقیقی نظر ڈالیں۔ میرے نزدیک ان کی علمی تحقیقات کا آسان طریقہ یہ ہوگا کہ یزید کی پوری زندگی کو تین حصوں پر تقسیم کرلیا جائے اور پھر دیانتداری سے ہر حصہ کا جائزہ لیا جائے۔

(الف) پیدائش سے وفات امام معاویہؓ تک: ۲۲ھ یا ۲۶ھ سے ۶۰ھ تک کے ۳۴ یا ۳۸ برسوں میں اگر وہ زانی و شرابخوار تھا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کے یہ حالات حضرت امیر معاویہ و مبایعین صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم تھے یا معلوم نہیں تھے۔ پہلے اس صورت کو لیجئے کہ ان کو علم یزید کے ان معاصی و فسوق کا نہیں تھا تو اول تو یہ صورت سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے باخبر اور ماہر سیاست اور صحابی کو اور دیگر مبایعین صحابہ کو کہ ہر ایک ان میں فراستہ المومن کا مالک اور نور خداوندی سے کامیاب تھا ان کو تو یزید کے یہ معاصی ملک شام ہی میں معلوم نہ ہو سکیں اور شام سے دور مدینہ میں سیدنا حسین و سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو اور کوفہ کے سبائیوں کو اور آج کے ہندوستانی تاریخ نویسوں کو کسی طرح یہ معاصی معلوم ہو جائیں۔ دوسرے اس صورت میں تو خاکم بدہن سخت ترین الزام

آتا ہے حضرات حسین وعبداللہ رضی اللہ عنہما پر کہ اس زمانہ میں انھوں نے یزید کے پیچھے نمازیں پڑھیں اس کی ماتحتی میں جہاد میں گئے۔ اور برابر حضرت امام معاویہ رضؓ سے ان کی مراسلت رہتی تھی برابر امام معاویہ رضؓ جو سیدنا حسین کے نانا ہوتے تھے ان سے ملاقات بھی ہوتی تھی ان سے وظیفے بھی پاتے تھے مگر کبھی ان دونوں نے خصوصًا سیدنا حسینؓ نے ان کو ان کے بیٹے کے ان چھپے کرتوتوں کی اطلاع نہ کی حالانکہ بحکم الدین النصیحۃ ان پر تین وجوہ سے واجب تھا کہ یزید کی ان حرکات کی اطلاع امام معاویہ رضؓ کو کردیں ایک عام مسلمان کی خیر خواہی سمجھ کر۔ ایک امیر اور امام وقت کی خیرخواہی سمجھ کر اور ایک عزیز قریب کی خیر خواہی سمجھ کر۔ مگر نہ انھوں نے ان کو تحریرًا مطلع فرمایا نہ تقریرًا۔ خیر اگر کوئی دوسرا موقع نہیں ملا تھا تو جب امام معاویہ رضؓ نے یزید کی بیعت لینے کے لئے حرمین شریفین کا سفر کیا تھا وہ تو یقینًا صحیح اور موزوں ترین وقت اس کے ظاہر کردینے کا تھا۔ اس وقت یہ دونوں حضرات یہ تو کہہ سکے کہ یہ استخلاف، رسمِ قیصریت وکسرویت ہے مگر کسی صاحب کی زبان سے افضل جہاد حاصل کرنے کے لئے امامِ وقت کے سامنے یہ نہ نکلا کہ "جناب! یزید تو شرابخوار اور زناکار ہے آپ اس کی بیعت کرنے کے لئے ہم سے کہہ رہے ہیں آپ کو شرم نہیں آتی ہے؟" خیر اگر کسی نامعلوم وجہ سے ان حضرات نے امام معاویہ رضؓ کو اس کی اطلاع نہیں کی تھی تو جن صحابہ نے یزید کے لئے امام معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی انھیں کو اطلاع کرکے اور ملامت کرکے ان کو نقضِ بیعت پر آمادہ کرتے مگر انھوں نے یہ بھی نہ کیا۔ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں۔

یہ گفتگو تو اس صورت میں تھی کہ یزید کی حرکات کا علم امام معاویہؓ و شرکا کو نہیں تھا اور سیدنا حسینؓ وغیرہ کو تھا اب دوسری صورت فرض کیجئے کہ یزید کی شراب خواری و زناکاری کا علم جس طرح سیدنا حسینؓ و عبداللہ کو اور سبائیوں کو تھا اسی طرح امام معاویہؓ و دیگر مبایعین صحابہ کو بھی تھا اس کے باوجود کسی نے اسے خلیفہ بنانا تجویز کیا کسی نے تائید کی کسی نے حکم نافذ کیا کسی نے بیعت کی اور کسی نے اس وقت نہ سہی بعد میں (حتّٰی اَضَعَ یدی فی یدہٖ کہکر) بیعت پر آمادگی ظاہر کی تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حسین ہوں یا معاویہؓ ابن زبیر ہوں یا مغیرہ۔ ابن عمر ہوں یا ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سب کے سب نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ شریعت محمدیہ کے سنگین ترین مجرم خدا و رسول کے سخت ترین دشمن، دین اور مسلمین کے بدترین مخالف تھے کہ غضب خدا کا یزید کی شراب خواری اور زناکاری کو دیکھنے جاننے کے باوجود بھی ان سب نے اسے خلیفہ بناتے وقت اس کے یہ کرتوت ظاہر نہیں کئے اور اسے خلیفہ بن جانے دیا۔ مگر چونکہ یہ حضرات شریعت محمدیہ کے خیرخواہ۔ خدا و رسول کے عاشق اور دین و مسلمین کے جان نثار تھے پھر بھی انھوں نے یزید کے کردار پر شراب خواری زناکاری کا الزام نہیں لگایا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یزید میں ۲۶ھ سے ۶۰ھ تک یہ عیوب نہیں تھے۔ اس لئے ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی کسی طرح کا الزام نہیں آتا وللہ الحمد۔

(ب) وفات امام معاویہؓ سے جنگ کربلا تک: ۲۲ رجب ۶۰ھ سے ۱۰ محرم ۶۱ھ تک ساڑھے پانچ ماہ میں اگر اس نے علانیہ شراب خواری

اور زناکاری شروع کردی تھی تو ان صحابہ پر جنھوں نے اُسے خلیفہ ہوا یا مان لیا کوئی الزام نہیں آتا کیونکہ انھوں نے بیعت کے وقت تک بلکہ وفات امام معاویہ رضؓ تک یزید میں شراب وزنا کے معاصی نہیں پائے تھے اس لئے اس کی بیعت کرلی تھی۔ وفات امام معاویہ رضؓ کے بعد عقلاً اس کا امکان تو ضرور ہے کہ یزید شرابخوار ہوگیا ہو مگر عقل و درایت اور سائنٹفک تحقیق بوجوہ ذیل اس امکان کو غلط ٹھہراتی ہے:۔

۱۔ سیدنا حسین رضؓ نے کربلا میں عمرو بن سعد سے گفتگو میں یزید سے بیعت کرنے پر رضامندی و آمادگی ظاہر کی تھی۔ اگر وہ شرابخوار تھا اور اس کی اطلاع ان کو تھی تو وہ ہرگز بیعت یزید پر آمادہ نہ ہوتے۔

۲۔ یزید کو تو حضرت حسین و عبداللہ رضی اللہ عنہما سے خصوصًا اور دیگر حضرات سے ووٹ لینے کی ضرورت درپیش تھی اس وقت علانیہ شراب پینا اس کے لئے جتنا سخت مُضر تھا ظاہر ہے شراب پینا اور علانیہ پینا تو گویا حریفانِ خلافت کو مخالفت کا اور پبلک کو بغاوت کا موقع دینا تھا۔

۳۔ اس وقت بھی مبایعین صحابہ مثل ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم نے یا پبلک نے یزید کے خلاف یہ الزامات نہیں لگائے اور نہ کوئی صدائے احتجاج بلند کی۔

(ج) جنگ کربلا سے مرنے تک۔ محرم ۶۱ھ سے ربیع اول ۶۴ھ تک کے سوا تین سال کی مُدت۔ دراصل ہمارے حدودِ تحقیق سے باہر ہے اس مُدت میں تو اگر بالفرض یزید شرابخوار زناکار بلکہ کافر اور مرتد بھی

ہوگیا ہو بلکہ اگر ننگا ہو کر بازاروں میں اُس نے ناچنا بھی شروع کر دیا ہو تو ہم سے کوئی مطلب نہیں اس لئے کہ ہم کو اس کی مدافعت تو مقصود نہیں ہم تو صرف صحابہ کرام کے دامن تقدس کو الزامات کی گرد سے بچا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور بس۔ یہ تحقیق جو کی گئی صرف الزامات شرابخواری و زناکاری کے الزاموں کے سلسلہ میں کی گئی لیکن اگر یزید کے سنگین جرائم میں ابو مخنف کے اور اس پر یقین لانے والے مصنف سیر الصحابہ رضؓ کے الزامات کفر و ارتداد۔ استحلال حرام۔ تحریم حلال۔ تعطیل حدود الہیہ۔ اطاعت شیطان کا ارتکاب۔ عدم اطاعت رحمان وغیرہ کو بھی شامل کر لیا جائے جو ذیحجہ ۶۰ھ یا محرم ۶۱ھ میں سیدنا حسینؓ نے مقام بیضہ میں تقریر میں کہے تب تو حضرات حسین و عبداللہ رضی اللہ عنہما پر مداہنت فی الدین۔ کتمان حق۔ خوف جان وغیرہ کے سخت ترین الزامات آتے ہیں کہ ان دونوں نے نہ کبھی پبلک میں یزید کی ان کفریات پر احتجاج کیا نہ امام معاویہ رضؓ کی حیات میں اُن سے کہا نہ اس کی ان کفریات کو انھوں نے اپنے اختلاف اور عدم بیعت کی وجہ بتایا خاص کر سیدنا حسینؓ نے تو کمال ہی کیا کہ ادھر مقام بیضہ میں تو اس کی یہ کفریات گناد ئیے اور اُدھر ۸ محرم کو یزید سے بیعت کرنے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو آمادہ بھی ہو گئے۔ انا اللہ۔ ابو مخنف نے جو یہ روایت لکھی تھی تو اس کے لئے تو اس تضاد کے حل کیلئے آسان صورت موجود تھی وہ یہ کہ وہ کہدے گا کہ سیدنا حسین کو مقام بیضہ میں چند اہل راز دار رسائی مل گئے تھے اس لئے ان لوگوں سے انھوں نے

سارا دردِ دل کہہ یا تھا لیکن اور مقامات پر جو یہ الزامات نہیں کہے یا عمر بن سعد سے گفتگو میں یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے تھے تو "تقیہ" کرتے رہے تھے مگر ان سنّی مورخ (مثل مصنف سیر الصحابہ) کو کیا کہیے؟ نہ جانے وہ کیونکر ان قباحتوں اور تضاد بیانیوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے؟

اس سائنٹفک جائزہ پر اگر آپ جذبات اور اندھی عقیدت اور دیرینہ معلومات کی پچداری سے الگ ہو کر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یزید میں شرابخواری اور زنا کاری بھی نہ تھی استحلال حرام اور تحریم حلال جو کفر ہے وہ بھی نہیں تھا اسی وجہ سے صحابہ رضؓ نے اس کی بیعت کر لی تھی اور حضرات حسین و عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اگرچہ اس کی بیعت نہیں کی مگر وہ بھی اس کے اندر ان الزامات و اتہامات بلکہ بہتانات کے قائل نہ تھے۔

اب ذرا غور کیجئے مصنف تاریخ ملت سوم نے تین جگہ یزید کی شرابخواری کا تذکرہ کیا ہے (۱) ص ۵۴ پر ہے "حسن سیمیں و بادۂ رنگین سے رشتہ جوڑا۔"

(۲) ص ۹۱ پر ابن زبیرؓ کی زبان سے ایک تقریر میں کہلوایا ہے "...... واللہ دشمنوں نے اس شخص کو شہید کیا ہے جو...... روزوں کے مقابلہ میں شرابخواری کو...... پسند نہیں کرتا ہے (اس میں دوسروں کو اور شاید یزید کو تعریضاً شرابخوار کہا ہے)

(۳) ص ۹۳ پر مدینہ کے وفد کا قول لکھا ہے جو یزید سے مل کر اور گراں قدر عطیے لے کر واپس آیا ہے "...... ہم اس شخص کے پاس سے آرہے ہیں

جیسے دین سے کچھ واسطہ نہیں۔ شراب نوشی . . . اس کے دلچسپ مشاغل ہیں" افسوس فاضل مصنف تاریخ لکھ رہے ہیں وہ تاریخی دیانت اور مؤرخ کی ذمہ داری کو جانتے ہیں پھر بھی انھوں نے یزید کے خلاف ایسے سنگین جرائم لکھتے وقت اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ وفد مدینہ کے ایک ممبر حضرت ابن حنظلہ کا جو قول ابھی مذکور ہوا اسے دیکھ کر ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ آخر یہ ابن حنظلہ کس کردار کے مالک تھے کہ یزید کی حرکات انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہکر افضل الجہاد کی فضیلت تو حاصل نہ کی اور عام مسلمانوں کی خیرخواہی دینی بھی نہ کی نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا نہ کیا خاموش بیٹھے رہے اور جب اسی شرابی فاسق معلن نے ایک ایک لاکھ درہم لوگوں کو دیئے تو سب نے لے لئے کسی سے شرابی کے اس عطیہ کو ٹھکراتے نہ بنا اور پس پشت مدینہ شریف میں آکر اس کی غیبت یا اس پر بہتان لگانے بیٹھ گئے انا للہ۔

[اشتباہ] یزید بن معاویہ کی شرابخواری کا ذکر آگیا ہے تو ایک انکشاف کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ تمام اہل تاریخ متفق ہیں کہ اموی خاندان کا نواں بادشاہ یزید بن عبدالملک (۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ) جو حضرت امام عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بعد ہی تخت نشین ہوا ہے وہ بڑا شرابی تھا (تاریخ ملت سوم ص ۷۰ ، ۲۷) تو کیا عقلی و درایتی حیثیت سے اس کا امکان نہیں ہے کہ نام کی شرکت کی وجہ سے یزید بن عبدالملک نویں اموی بادشاہ (۱۰۱ تا ۱۰۵ھ) کے اعمال فسقیہ یزید بن معاویہ دوسرے اموی بادشاہ

(۶۰ھ تا ۶۴ھ) کے نام لگ گئے ہوں کہ کسی نے پہلے یوں لکھا ہو کہ یزید اموی بڑا شراب خوار تھا اور لکھنے والے کا مطلب نویں بادشاہ سے رہا ہو اور لوگوں نے نام کی شرکت کے سبب اشتباہ سے دوسرے اموی بادشاہ کو سمجھا ہو اور پھر یہ غلطی چل پڑی ہو۔ اور جب دُنیا میں ایسے ایسے عیار لوگ بھی موجود ہیں جو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ رضی اللہ عنہم جیسے پاکباز اکابر صحابہ کو بدنام کرنے پر آئے تو انھوں نے میل کا میل اور دھول کی رسّی بٹ کر رکھ دی تو یزید بن معاویہ کے سر یزید بن عبدالملک کے اعمالِ فسقیہ لگاتے کتنی دیر لگتی تھی۔ یہ ساری گفتگو تو اس کے فسوق غیر ثابتہ کے بارہ میں تھی۔

اب لیجیے اس کے فسوق ثابتہ کو کہ (۱) اُسے شکار کا شوق تھا اور شکاری کتے پالتا بھی تھا (۲) اُسے نغمہ و سرود کا بھی شوق تھا وہ اہلِ سماع سے تھا (۳) اُسے اپنی بیوی اُم کلثوم سے بہت شغف تھا (۴) وہ کاہل۔ سست۔ آرام طلب اور عیش پرست تھا (۵) وہ شعر و شاعری کا دلدادہ تھا اور بس۔ اگر یزید کے فسوق کی یہ فہرست صحیح ہے اور میرا جذبۂ دفاعِ صحابہ یقین دلاتا ہے کہ یقیناً یہ فہرست صحیح ہے تو صاف معلوم ہو گیا کہ کیوں متعدد صحابہؓ کرام نے یزید کی بیعت کر لی تھی؟ اور کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت مغفورٌ لھم کا مصداق ہونا یزید کے لئے صحیح ہو سکتا ہے؟ وجہ ظاہر ہے کہ ان فسوق خمسہ میں سے کوئی ایک فسق بھی متفق علیہ طور پر حرام نہیں ہے سب امور جائز ہیں زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہیں اور سماع مختلف فیہ ہے۔ اس وقت کی سوسائٹی میں صحابہ تو صحابہ عام مسلمانوں کی اولاد میں بھی

اتنی جائز رنگینیاں۔ اتنی مباح رنگ رلیاں فسق ہی کی طرح معیوب سمجھی جاتی تھیں۔ جہاد سے جان چُراتا بہت افسوسناک چیز تھی بیوی سے اس حد تک دلچسپی اگرچہ بعض اور حضرات میں بھی پائی جاتی تھی مگر پھر بھی معیوب سمجھی جاتی تھی مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارہ میں حضرت امام معاویہؓ کا یہ قول تاریخ میں ہے کہ" وَلَیْسَ لَہٗ ھِمَّۃٌ اِلَّا فِی النِّسَآءِ وَاللَّھْوِ" (خضری ج ۲ ص ۲۲) یعنی ان کی توجہ تو عورتوں اور سماع کی طرف ہے اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کا کثرت سے نکاح کرنا اور کثرت سے طلاق دینا بھی معلوم ہے (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۷)

اب رہ گیا صرف سماع تو سیدنا حسینؓ کے خروج کی وجہ لکھتے ہوئے ابن خلدون لکھتے ہیں:" وکانت مذاھبھم فیہ مختلفۃً لما حدث فی یزید...... (الی)۔ مع العجز عن الوفاء بہ" یعنی سماع کے بارہ میں صحابہ کی رائیں مختلف تھیں لیکن جب یزید میں یہ "فسق" (سماع) پیدا ہونے لگا تو اس کے بارہ میں صحابہ کی دو رائیں ہو گئیں بعض کی رائے میں تو اتنے ہی فسق (سماع) پر یزید کے خلاف خروج کرنا اور اس کی بیعت فسخ کر دینا جائز اور ضروری ہو گیا جیسا حضرات حسین و ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے کیا اور بعض صحابہ نے اس خروج کو پسند نہ کیا کیونکہ اس صورت میں فتنہ کا اُٹھ کھڑا ہونا مسلمانوں کا خون بہنا اور پھر خروج کا حق نہ ادا کر سکنا بھی یقینی تھا" (مقدمہ ص ۱۱۶)۔

لیجئے ابن خلدون نے تو بات بالکل ہی واضح کر دی کہ یزید کا فسق "سماع اور محض سماع" تھا حسینؓ اور عبداللہؓ نے اسی کو اس کے خلاف خروج کے لئے

کافی سمجھا اور اس اجتہاد کا اُن صغار صحابہ کو یقیناً حق تھا۔ انکی رائے غلط ہی مگر وہ اپنے اقدامات پر یقیناً عنداللہ ماجور ہوں گے کیونکہ انھوں نے جس بات کو حق سمجھا اُس پر عمل بھی کر گذرے لیکن دوسرے کبار صحابہ نے اس فسق کو اس کے خلاف خروج کے لئے کافی نہیں سمجھا اس لئے انھوں نے بیعت نہ توڑی اور یزید کے لئے دعائے اصلاح کرتے رہے۔ اور شہادت حسین رض و عبداللہ رض نے اور صحابہ کے عدم نصرت نے البتہ واضح کر دیا کہ ان دونوں کا اجتہاد خطا تھا اور ان مبایعین صحابہ ہی کا اجتہاد (عدم خروج) صحیح تھا۔

[انتباہ] (۱) آج کے اہل سماع کو شہادت حسین رض سے سبق لینا چاہیئے کہ سماع ایسا فسق ہے کہ حسین رض نے اس کے خلاف خروج کیا اور اُس نواسۂ رسول نے سماع ہی کے خلاف اقدام میں جان دے دی اسلئے اسے ترک کر دینا چاہیئے لیکن اگر وہ سماع سُننے پر اصرار ہی کرتے ہیں تو پھر چاہیئے کہ یزید کو بُرا نہ کہیں اور یوں سمجھ لیں کہ ع

ع ہم ہی آشفتہ سروں میں "وہ جواں میر" بھی تھا

[خلاصہ] میرے مقالہ کا خُلاصہ یہ نکلا کہ گُھر گُھسا پن۔ شاعری میں تضییع اوقات کرنا اس عہد کے معاشرہ میں معیوب اور فسق سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ان فسوق میں سے بعض بالکل کو حضرت امام معاویہ رض جانتے بھی تھے اور اس پر اسے ڈانٹتے بھی رہتے تھے۔ اور اسے تمام لوگ جانتے تھے زیاد نے بھی یزید کو سمجھایا تھا (تاریخ ثلث سوم ص ۵۰) اس پر یزید نے اپنی بعض ناشائستہ حرکات چھوڑ بھی دی تھیں (تاریخ ثلث سوم ص ۵۲)۔ وفود بلاد

جب امام معاویہؓ کے پاس آئے اور وفد بصرہ نے صاف کہدیا کہ "آپ اس کے دن رات کے مشاغل جانتے ہی ہیں" تو ان مشاغل شبانہ روزی سے یہی فسوق خمسہ مباحہ مراد ہیں۔ یہ ہیں یزید کے فسوق ثابتہ مگر ہم پھر کہتے ہیں کہ ہم کو یزید سے کوئی دلچسپی نہیں نہ ہم اس کی مدافعت کرنا چاہتے ہیں البتہ ہم حضرت امام معاویہؓ کو جو ببرکت دعائے نبوی ہادی۔ مہدی۔ باعث ہدایت تھے یا دیگر مبایعین صحابہؓ پر الزامات مداہنت و ضمیر فروشی و خوف جان نہیں آنے دینا چاہتے۔ ہم جملہ صحابہ کو بنا بر لا الٰہ الا اللہ۔ بنا بر اسلام۔ محافظین قرآن۔ عشاق خدا و رسول فدائیان اسلام مانتے ہیں۔ انہیں سے ہر ایک کو عادل ثقہ۔ مجتہد۔ صدیق اور اغواث و اقطاب سے افضل جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ حضرات، محبت اسلام۔ غیرت ایمان۔ شوق تبلیغ۔ اشاعت اسلام۔ اعلاء کلمۃ اللہ۔ احیاء معالم دین کا جذبہ صادقہ رکھتے تھے۔ ہم ایک لمحہ۔ ایک دقیقہ اور ایک عشر دقیقہ کے لئے اس کا تصور یا تصدیق نہیں کرسکتے کہ انھوں نے یزید کو فاسق معلن اور متفق علیہ فسق و معصیت کا مرتکب جاننے کے بعد بھی اس کی بیعت کرلی ہوگی۔ واللہ اعلم و علمہ احکم

فصل دوم

شہادت حسینی کا پس منظر

(ذیل کے بعض واقعات کو شاید ناظرین مکرر سمجھیں مگر انکی اصلی جگہ یہین یعنی جنگ کربلا کے قبل کے حالات تاریخی کے موقع پر ہے اگر انکا ذکر کہیں پہلے آچکا ہے تو سمجھئے کہ وہ اتفاقاً استطراداً اور ضمناً کسی سلسلہ میں آگیا ہے)

سنہ ۳۵ھ یعنی عہد عثمانی کے وسط تک اسلامی ممالک میں دینی فضا، تبلیغ و اشاعت اسلام، فتوحات ملکی شوق جہاد وغیرہ کے علاوہ کسی کو کوئی دوسرا خیال ہی نہ تھا اس عہد تک مسلمانوں میں جو انقلاب و تغیر آچکا اور آسکتا تھا وہ بس اتنا ہی تھا کہ (الف) اکثر صحابہ وفات یا شہادت پا چکے تھے (ب) نئے ملکوں میں اسلام فاتحانہ داخل ہوا نئے قبائل اور اقوام اسلام لائیں جنھیں صحبت نبوی تو نصیب ہی نہیں سکتی تھی، تعلیمات اسلامی اور صحبت صحابہ کے مواقع بھی کم سے کم ملے۔ آخرت پر یقین اور خدا ترسی کے وہ جذبات جو ابتداء اسلام سے لیکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ہر مسلمان میں تھے اب دینی فضا کم ہونے کی وجہ سے ان نئے مسلمانوں میں پیدا نہیں ہو سکے (ج) نئے مسلمان بھی اکثر فتوحات اور جہاد ہی میں مصروف رہے انھیں کسی دوسری طرف توجہ کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا (د) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین لہ صوبوں پر بنو امیہ کے اہل افراد کو حاکم مقرر کیا تو کچھ اس وجہ سے کہ وہ لوگ تجربہ کار اور صاحب حوصلہ تھے کئی پشتوں سے سپہ سالاری فوج کشی۔ نبرد آزمائی۔ جہاں بینی اور جہاں بانی کا کام کرتے چلے آتے تھے اور کچھ اس وجہ سے کہ اس فتنہ کے زمانہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بیس برس کا بُعد ہو چکا تھا حضرت

لہ بصرہ میں عبد اللہ بن عامر اموی کو۔ شام میں حضرت معاویہ کو اور مصر میں عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح اموی کو مقرر کیا انہیں کیا تھا

ے حضرت معاویہ کو حضرت عمر فاروق مقرر فرما گئے تھے اس لئے گویا حضرت عثمان نے صرف دو ہی عزیزوں کو مقرر

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میاں صاحب سید اصغر حسین محدث دار العلوم دیوبند نے اپنے رسالہ ناقابل اعتبار داستان میں ص ۶۲ پر ایک مقولہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے ذیل میں یہی دشمنان اسلام کا بھی الزام حضرت عثمان پر لگا کر لکھا ہے "خدا تعالیٰ کو پسند نہ ہوا اور عتاب بصورت فتنہ ظہور پذیر ہوا" پروپیگنڈے کی کامیابی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟ ورنہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اعزا کو عہدے دیئے تھے مگر سید اصغر حسین صاحب نے حضرت علی کے فتنوں سے بھرے عہد کی یہ توجیہہ نہیں کی۔

عثمان اپنے ہم خاندان ہونے کے باعث فطرۃً بخوبی ان پر زیادہ اعتماد اور اطمینان بھی کر سکتے تھے یہ اعزا پروری اگرچہ شرعاً اور عرفاً جائز تھی چنانچہ آخر سیدنا علی نے بھی اپنے زمانہ میں بھی کیا کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کا، قثم بن عباسؓ کو مکہ کا، سعد بن عباسؓ کو مدینہ کا، اپنے بھانجے جعیدہؓ کو کوفہ کا اور اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کیا مگر حق یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان اس اعزہ پروری سے بچے ہی رہتے تو جیسے حضرات شیخینؓ نے اپنا دامن اس سے بچائے رکھا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ مگر نہ تو اس جائز کام میں انہیں کچھ پس و پیش ہوا اور نہ غالباً کسی مشیر صحابی نے انہیں ٹوکا اور اگر ابلیس لعین ابن سبا یہودی کی شکل میں ظاہر ہو کر مسلمانوں میں اسلام میں فتنہ پھیلانے کی نیت سے حضرت عثمان کیخلاف بلا وجہ یہ الزام نہ تراشتا تو سرے سے یہ فعل الزام کے قابل ہی نہ تھا۔ ناگاہ شیعہ عثمانی میں ابن سبا کا فتنہ ایرانی نو مسلموں کے ذریعہ سے اسوقت اٹھا جب ابن سبا نے دراصل فاتح خیبر سیدنا علی سے اور انکے خاندان سے اپنے خیبری رشتہ داروں کے کے قتل اور ذلت اسیری کا انتقام لینے کے لئے ایک بڑی گہری سازش کی اور اس اسکیم کے ماتحت پہلے حضرت عثمان کیخلاف الزامات تراشے جیسا ہم فصل دوم میں مفصل لکھ آئے ہیں اور سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت مصر کے بلوائیوں میں سے اسود تجیبی۔ ابن حمق اور غافقی کے ناپاک ہاتھوں سے جمعہ ۱۸ ذی الحجہ کو واقع ہوئی۔ انا للہ بلوائیوں نے آپ کے گھر کو اور پھر بیت المال کو لوٹا۔ تین دن تک اہل مدینہ بلوائیوں کے خوف سے اپنے اپنے گھروں میں بند رہے۔ حرم مدینہ کی حرمت برباد ہو گئی لوٹ مار عام تھی اور یہ قاتلین عثمان کھلے بندوں بلکہ سیدنا علیؓ کے حمایتی بنے ہوئے آزاد پھر رہے تھے۔ بلکہ وہ تو محاصرہ کے وقت ہی سے شیعہ علی بن کر عثمانؓ کی برائی اور ان کو حلال الدم کہتے پھرتے تھے۔ (تاریخ ملت دوم ص ۱۸۹) تین دن تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی (تاریخ ملت دوم ص ۲۹۵) بلوائی دفن کرنے نہیں دیتے تھے آخر تین دن کے بعد چند صحابہ حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ دفن کا انتظام کس طرح ہو تب آپ نے بلوائیوں سے دفن کی اجازت دلوائی

رات میں جنازہ اٹھا اور یہ آہ کہ کل بارہ یا سترہ آدمی خلیفہ وقت داماد رسول کی نماز اور دفن میں شرکت کر سکے ان تین دنوں میں مدینۃ الرسول کی بیحرمتی کی گئی تین دن تک بلوائیوں کا سردار قاتل عثمان غافقی مسجد نبوی میں امام بن کر نماز پڑھاتا رہا۔ غرض تین دن کے بعد بلوائیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ خلافت قبول کیجیئے۔ آپ نے انکار فرمایا مگر جب انھوں نے دوبارہ کہا اور مدینہ کے بعض مہاجرین وانصار نے بھی آپ سے خلیفہ ہونے کے لئے کہا کیونکہ ان کو قاتلین عثمان بلوائیوں کا مدینہ میں زور اور ان کا کھلے بندوں پھرنا گراں گذر رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ کوئی حاکم ہو جو ان سے خون عثمانؓ کا قصاص لے۔ تو ان کے کہنے پر سیدنا علی نے قبول فرما لیا سب سے پہلے مالک اشتر نخعی نے بیعت کی یہ شخص بقول خضری اہل کوفہ میں فتنہ کے بانیوں میں سے تھا (خضری ج ۲ ص ۳۴) بیعت علیؓ میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ نے کچھ تامل کیا تو اسی مالک اشتر نے تلوار کھینچ کر کہا بیعت کرو ورنہ قتل کر دوں گا اس طرح مجبوراً ان دونوں نے بیعت کی۔ مگر سعدؓ بن ابی وقاصؓ عبداللہ ابن عمرؓ۔ ابو سعیدؓ خدری۔ زیدؓ بن ثابت۔ حسانؓ بن ثابت۔ کعبؓ بن مالک۔ نعمانؓ بن بشیر۔ مغیرہؓ بن شعبہ۔ عبداللہؓ بن سلام۔ قدامہؓ بن مظعون رافعؓ بن خدیج۔ فضالہؓ بن عبید۔ اسامہؓ بن زید رضی اللہ عنہم نے بیعت ہی نہیں کی۔ بہت سے بنو امیہ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے بچنے کے لئے حضرت معاویہؓ کے پاس شام میں چلا جانا مناسب سمجھا وہاں بنو امیہ کے اجتماع سے "شیعہ عثمان" نام کی ایک جماعت بن گئی تھی۔

یہ لوگ اپنے ساتھ حضرت عثمان رضہ کا خون آلودہ کرتا اور آپ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے گئے اور انھوں نے حضرت معاویہ رضہ سے مدینہ کی بے حرمتی۔ بلوائیوں کا زور۔ اور عثمان رضہ پر لعن وطعن، شہادت عثمان کی مظلومیت۔ تین دن تک نعش کا بے گور و کفن پڑا رہنا، بلوائیوں کا حضرت علی رضہ کو خلیفہ بنانا۔ بلوائیوں کا زور اور مفسدین کا کھلے بندوں پھرنا، بیشمار صحابہ مہاجرین و انصار کا بیعت علی رضہ نہ کرنا۔ حضرت علی کا بلوائیوں کے کہنے پر چلنا۔ یہ سب تفصیل سے بیان کیا۔ سیدنا امام معاویہ حضرت عثمان کے چچیرے بھائی اور ولی قریب تھے ان کو سخت صدمہ ہوا اور ہونا چاہئے تھا بلوائیوں کا حضرت علی کے ساتھ رہ کر آزاد پھرنا سن کر ان کو قدرۃً شبہہ ہوا اور شبہہ کا موقع بھی تھا کہ شاید شہادت عثمان میں حضرت علی رضہ کا بھی ہاتھ ہے بہت سے صحابہ اہل مدینہ کا کہ ارباب حل وعقد وہی تھے۔ بیعت علی رضہ سے رکنا۔ یا جبر شمشیر سے بیعت کرنا سن کر انھوں نے قیاس و اجتہاد کیا اور صحابی ہونے کی وجہ سے ان کو اجتہاد کا حق اور منصب مسلم ہے اور اسے بھی غلط نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت علی رضہ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی اب وہ منتظر ہوئے کہ دیکھیں خلیفہ جدید کے احکام اولی کیا ہوتے ہیں۔ انھیں یقین تھا کہ بیس سال سے کامیابی کے ساتھ شام میں امن و نظم قائم رکھنے اور رومیوں سے سرحد شام پر کامیاب مقابلہ کرتے رہنے کے باعث میری خدمات نظر انداز نہ کی جائیں گی مجھ سے حسب سابق اہم امور میں مشورہ لیا جائے گا وہ ایک صاحب حوصلہ سپہ سالار اور حضرت علی رضہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔

ادھر مدینہ میں بیعت ہو چکنے کے بعد سیدنا علی رضؓ نے تقریر فرمائی جس میں اُمت کو احکام اسلام پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی پھر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو محترم بنایا مگر مسلمان کی آبرو اور جان کو سب سے زیادہ محترم بنایا" یہ خطبہ سُن کر صحابہ کی ایک جماعت جس میں طلحہؓ و زبیر رضؓ بھی تھے آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اب آپ سب سے پہلے شرعی حدود اور سزاؤں کو جاری کیجئے اور قاتلین عثمان رضؓ کا قصاص لیجئے ہم نے اسی شرط پر اور اسی توقع پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے" حضرت علی رضؓ نے فرمایا" ہاں میں خون عثمانؓ کا بدلہ ضرور لوں گا لیکن ابھی اس کا موقع نہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہوئے ہیں مدینہ میں انھیں کا زور ہے۔ امر خلافت بھی ابھی مستحکم نہیں ہوا ہے" مگر اکثر صحابہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اس کے بعد حضرت علی رضؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان رضؓ غنی کے زمانہ کے تمام عاملوں کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ نئے عامل اور گورنر مقرر کر دئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ مشہور سیاست داں صحابی نے اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے آپ کو مشورہ دیا کہ ابھی آپ اس میں جلدی نہ کریں پہلے انھیں آپ بیعت کے لئے لکھئے۔ جب وہ بیعت کر لیں اور آپ کی خلافت بھی مستحکم ہو جائے تو معزول کرتے رہئے گا مگر حضرت علی رضؓ نے نہ مانا اور بیعت کی دعوت سے پہلے تمام عمال عثمانی کی معزولی کا فرمان جاری کیا۔ تو میرے نزدیک حضرت علی رضؓ سے یہ غلطی سبائیوں ہی کے فتنہ انگیز مشورے کے باعث ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ کو خبر لگی کہ میرے معزولی کا پروانہ اور

نیا عامل آرہا ہے۔ آپ کو توقعات کے خلاف یہ فرمان خلیفہ بہت ناگوار گذرا۔ آپ کے آدمیوں نے کچھ دور آگے بڑھ کر نئے گورنر سہل کو روکا اور کہا کہ بس آپ اسی جگہ سے واپس جائیے جب حضرت امیر معاویہؓ نے یہ دیکھا کہ حضرت علیؓ نے مجھے نہ خلافت کے انتخاب کے موقع پر رائے کے لئے بلایا (یہ شکایت بجا بھی تھی کیونکہ یہی شکایت سیدنا علیؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ سے کی تھی) نہ میری خدمات کی قدر کی پھر مفسدین انہیں گھیرے بھی ہوئے ہیں۔ اور ان کی ہمت قصاص لینے کی نہیں پڑ رہی ہے تو اُسی وقت سے امام معاویہ کے دل میں دو باتیں پیدا ہونے لگیں ایک یہ کہ علیؓ اب مجھے اُن نگاہوں سے نہیں دیکھتے جن سے خلیفہ ہونے سے قبل دیکھتے تھے ان کا خیال میری طرف سے نہ معلوم کیوں خراب ہے کہ مجھے بلاوجہ معزول کر رہے ہیں دوسرے یہ کہ حضرت علیؓ سے خلافت اور حکومت کی ذمہ داری فتنہ انگیز سبائیوں کی سرکوبی سنبھلتی نظر نہیں آتی۔ یہ قصاص عثمانی بھی شاید نہ لے سکیں گے لیکن ہرمزان اور جفینہ کا قصاص عبید اللہ بن عمر سے لینے کے لئے تیار ہیں۔ عمال کو معزول کرنے کے لئے تیار ہیں اس لئے یہ خلافت کر نہیں سکتے ہیں البتہ بار خلافت اور کار خلافت اُن سے بہتر طور پر میں سنبھال سکتا ہوں یہ پہلا موقع تھا جب حضرت معاویہؓ کے دل میں حصول خلافت۔ مقابلہ علیؓ وغیرہ کا خیال آیا جو بعد کی جنگ جمل دیکھ کر اور زیادہ پختہ ہوا اور آخر جنگ صفین میں بر روئے کار آہی گیا بہرحال سہل شام کے نئے گورنر جب واپس مدینہ پہنچے تو حضرت علی نے دوسرا قاصد امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ یا تو آپ بیعت کیجئے یا لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے۔

امیر معاویہ رضؓ نے اس کے جواب میں ایک زبان آور قاصد کو مدینہ بھیجا اس نے آکر حضرت علی رضؓ کے سامنے خون عثمان کا مطالبہ بہت زور دار طریقہ سے اٹھایا حضرت علی رضؓ کی طرف سے اس کا سخت جواب دیا گیا۔ اس مرحلہ پر حضرت علی کے سامنے دو رستے تھے ایک یہ کہ جب مدینہ کے لوگ اور طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ اور شام میں معاویہ رضؓ اور مکہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضؓ یہ سب قصاص عثمان کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ عین منشار نبوی کے مطابق بھی تھا جیسا صفحہ پر گذرا تو حضرت علی رضؓ ہی اپنی رائے میں ذرا ترمیم فرما لیتے اور عزل عمال کو روک کر قصاص عثمان کے لئے تیار ہو جاتے اور سب لوگ یکجہت ہو جاتے اس صورت میں نہ جنگ جمل ہوتی نہ جنگ صفین۔ نہ ایک لاکھ مسلمان قتل ہوتے اور خلیفہ وقت کے قصاص لینے کا فریضہ بھی ادا ہو جاتا اور دلوں میں اتحاد پیدا ہوتا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ عزل عمال۔ جنگ معاویہ۔ طالبین قصاص سے اختلاف کر کے فتنہ کو اور ہوا دیتے اور بڑھاتے۔ آپ نے سبائیوں کے اثر اور مشورہ سے یہی دوسرا راستہ اختیار کیا۔

جنگ جمل آپ امیر معاویہ رضؓ کے مقابلہ کا انتظام کر رہے تھے کہ خبر ملی کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ اور حضرات طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ اور مکہ کے عامل عبداللہ بن حضرمی اور سعید بن عاص۔ ولید بن عقبہ۔ مروان بن الحکم وغیرہ رضی اللہ عنہم بصرہ کی طرف جا رہے ہیں کہ وہاں پہنچ کر کچھ قوت حاصل کر کے قاتلین عثمان کا قصاص خود ہی مفسدین سے لیں ان کا خیال تھا کہ حضرت علی رضؓ قصاص لینے سے کترا رہے ہیں حالانکہ قصاص لینا اس وقت تو کچھ آسان بھی ہے جتنی دیر ہوتی

جائے گی اتنی ہی مشکل بڑھتی جائے گی چنانچہ ان سب نے بصرہ کے باوئیوں میں سے قاتلین عثمان رضؓ کا پتہ لگا کر قصاص میں ان کو قتل کر دیا (تاریخ ملت دوم ص ۳۲۴) حضرت علی کے مشیروں نے اس خبر کو نہ معلوم کس طرح رنگ کر حضرت علی رضؓ سے کہا کہ آپ ام المومنین کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو کر بصرہ کی تیاری کرنے لگے یہ خبر جس قدر مشہور ہوئی اسی قدر اسلامی وحدت اور اسلامی وقار مجروح ہوا۔ آخر مفسدین کی شرارت سے صلح کی گفتگو ہو جانے کے بعد بھی لڑائی چھڑ گئی اور اواخر جمادی ثانیہ ۳۶ھ میں دس ہزار مسلمان قتل ہو گئے۔

جنگ صفین اس کے بعد حضرت علی رضؓ کوفہ گئے کوفہ والوں نے آپ کا بڑا شاندار استقبال کیا آپ کو اس سے یقین ہو گیا کہ یہاں میرے حامی زیادہ ہیں اس لئے آپ نے اپنا آیندہ دار الخلافہ کوفہ کو بنایا اور یہ فیصلہ کچھ ایسی منحوس ساعت میں ہوا کہ پھر دیار رسول[۱] اور جوار رسول صلعم آپ کو نہ زندگی میں میسر آسکا نہ انتقال کے بعد۔ بہر حال کوفہ سے آپ نے اپنی بیعت کی دعوت امیر معاویہ کے پاس پھر بھیجی۔ اب کی بار امیر معاویہ نے جواب میں کھل کر کہلا بھیجا کہ "پہلے قاتلین عثمان رضؓ سے قصاص لیا جائے گا اس کے بعد مسلمان پھر از سر نو اپنا امیر و امام منتخب کریں گے۔ آپ کی خلافت و بیعت مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ناظرین خوب یاد رکھیں کہ اب بھی امیر معاویہ رضؓ

---

[۱] یہاں یہ فرق یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امام سیدنا عمر الفاروق رضؓ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے شہادت اور مدینہ میں موت عطا فرما۔ اور حضرت امام عثمان نے دیار رسول اور جوار رسول کسی قیمت پر نہیں چھوڑا۔

نے خلافت کا خیال نہیں ظاہر کیا حضرت معاویہ چونکہ حضرت عثمان کے ولی اور چچیرے بھائی تھے اس لئے وہ قصاص کو سب پر مقدم رکھنا چاہتے تھے اُن کا جواب صاف بتاتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ چاہے کوئی ہو حضرت عثمان کا قصاص ضرور لے مگر حضرت علی رضہ اُسے ثانوی درجہ دیتے تھے۔ یہ جواب سُن کر حضرت علی رضہ نوّے ۹۰ ہزار فوج لے کر شوال ۳۶ھ میں شام کی طرف چلے ادھر سے امیر معاویہ رضہ بھی پچاسی ۸۵ ہزار فوج لیکر بڑھے مقام صِفّین میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آپڑیں۔ پہلے حضرت علی رضہ کی طرف سے کچھ آدمی صلح کی گفتگو کرنے امیر معاویہ رضہ کے پاس گئے مگر سبائی کمیٹی کا ایک آدمی شبث بھی ساتھ تھا اس نے امیر معاویہ سے نہایت گستاخی سے گفتگو کی جناب امیر رضہ نے فرمایا اب اس کا فیصلہ تلوار ہی سے ہوگا اس طرح ذی الحجہ ۳۶ھ میں جنگ شروع ہوئی ایک ماہ تک ہلکی، لڑائی رہی محرم ۳۷ھ کا چاند دیکھ کر ایک ماہ کے لئے عارضی التوا ہوئی اور صلح کی گفتگو ہونے لگی مگر سبائیوں کی شرارت سے پھر گفتگو بیکار و ناکام رہی تو یکم صفر کو پھر جنگ شروع ہوئی یکم سے ۱۰ صفر تک سخت جنگ ہوئی ۱۰ صفر کو حضرت علی رضہ کی فتح نمایاں ہو رہی تھی کہ امیر معاویہ رضہ کو ایک تدبیر سوجھی آپ نے لشکر علوی کی منافقت کا اندازہ پہلے ہی لگا لیا تھا آپ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کرو اور کہو "آؤ قرآن کا فیصلہ مانو۔ خون نہ بہاؤ۔ اسلام کو طرفین کی ضرورت ہے اگر اہل شام نہ رہے تو مغربی سرحد کی حفاظت کون کریگا اور اگر اہل عراق نہ رہے تو مشرقی سرحد کی حفاظت کون کرے گا" قرآن کے بلند

ہوتے ہی لشکر علوی میں پھوٹ پڑ گئی۔ سبائیوں نے ہاتھ روک لیا حضرت علیؓ نے اعلان کیا کہ "یہ جنگی چال ہے اس فریب میں نہ آؤ لڑتے جاؤ ہم حق پر ہیں فتح بہت قریب ہے" مگر فوج نے نہ مانا حضرت معاویہؓ کا اندازہ صحیح نکلا کہ سبائی دل سے حضرت علی کے معتقد نہیں حضرت علیؓ نے بار بار تاکید کی کہ ہاتھ نہ روکو لڑتے رہو مگر فوج نے نہ مانا بلکہ حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ "جنگ بند کیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو ہم عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں" (تاریخ ملت دوم ص ۵۲ و خضری ج ۲ ص ۶۵) یہ کہکر ایک بڑی جماعت فوج علیؓ سے الگ ہو گئی جو خارجی کہلائی اب مجبوراً حضرت علیؓ کو جنگ بند کرنی پڑی یہ مفسدین کی شورہ پشتی کی اور حضرت علیؓ کی بے بسی کی انتہا تھی کہ خود ان کو فوج کے کچھ لوگ قتل کی دھمکی دیتے ہیں اپنے قاتل عثمانؓ ہونے کا علانیہ اقرار کرتے ہیں مگر حضرت علیؓ کچھ نہیں کر سکتے نہ ان سے خون عثمان کا قصاص لینے کی ہمت کر سکتے ہیں نہ اپنی مخالفت و مقابلہ کا بدلہ لے سکتے ہیں پھر فوج سے قتل کی دھمکی سن کر بھی آپ نے حضرت معاویہؓ سے حضرت حسن کی طرح صلح نہ کرنی چاہی حالانکہ بڑا اچھا موقع اتحاد بین المسلمین کا مل گیا تھا۔ بہرحال طرفین سے ایک ایک حَکَم (پنچ) چنا جانے لگا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے لئے عمرو بن العاص

لہ تاریخ ملت دوم ص ۱۷۲ پر جنگ جمل کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت علی کا اور عبسی کا مکالمہ لکھا ہے اس میں حضرت علی کا قول یہ نقل کیا ہے "واللہ قاتلین عثمان تو بچ کر نکل گئے" اللہ اکبر حضرت علی تو جنگ جمل سے قبل اپنی سادگی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ قاتلین نکل گئے اور وہ قاتلین صفین میں بھی آپ کی فوج ہی میں تھے۔

کو چُنا۔ اہل شام کو کچھ اعتراض نہ ہوا لیکن جب حضرت علیؓ نے اپنے لئے ابن عباسؓ کو چُنا تو لشکر علوی ہی نے اعتراض کیا کہ وہ تو آپ کے رشتہ دار ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ابن العاص بھی تو امیر معاویہؓ کے رشتہ دار ہیں (تاریخ ملت دوم ص ۳۵۳) مگر چونکہ سبائی اس موقع پر اختلاف ڈلوانا ہی طے کر چکے تھے اس لئے انھوں نے قصداً ابو موسیٰؓ اشعری جیسے سیدھے سادھے عافیت پسند بزرگ کو ابن العاصؓ جیسے سیاس کے مقابلہ میں چُنا تاکہ حضرت علیؓ کا پلّہ کمزور رہے اور آپ ہاریں تو ہم کو شورش مچانے کا دوسرا موقع ملے آخر جب حضرت علیؓ تحکیم یعنی پنچایت پر راضی ہو گئے تو اب خوارج سبائیوں نے یہ الزام لگایا کہ معاویہؓ تو باغی ہیں ان کے بارے میں یہ تحکیم کیوں قبول کر رہے ہیں آخر پنچنامہ لکھوا کر دونوں پنچوں کو دونوں فریق نے منتخب کیا ان کو دونوں فریق نے جان و مال کی امان دی اور رمضان تک چھ ماہ کی مدت دی کہ دونوں قرآن اور سنت رسول اللہ کے موافق اس نزاع مابین علیؓ و معاویہؓ کا متفقہ فیصلہ کریں اور "متفقہ طور پر" یہ دونوں جو فیصلہ کریں گے وہ ہم دونوں فریق کو منظور ہوگا" ۱۵ صفر ۳۷ھ کو یہ پنچنامہ لکھا گیا۔ طرفین کے بہت سے حضرات کے دستخط ہوئے آخرکار رمضان میں دونوں پنچ دومۃ الجندل میں جمع ہوئے بعض اور صحابہ بھی تشریف لائے۔ حضری لکھتے ہیں:-

"اکثر مورخین (مثلاً طبری) نے تو یہ لکھا ہے کہ دونوں پنچوں نے صرف زبانی فیصلہ دیا اور وہی فیصلہ مشہور کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ابو موسیٰ اشعری

نے پہلے فرمایا کہ مسلمانوں میں خونریزی بہت ہو چکی ہم دونوں کی رائے ہے کہ اب ایسی کوئی صورت ہو کہ فساد نہ پھیلے اتحاد پھیلے لہٰذا ہم دونوں کے درمیان طے یہ پایا ہے کہ نہ علیؓ کو خلیفہ بنایا جائے نہ معاویہ کو بلکہ دونوں کو معزول کیا جائے اور مسلمانوں کو اختیار دیا جائے کہ از سر نو امام کا انتخاب کریں"۔ اس کے بعد ابن العاص کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ میں ابوموسیٰ سے اتفاق کرتا ہوں صرف اس میں کہ علیؓ خلیفہ نہ رہیں مگر معاویہؓ کو میں برقرار رکھتا ہوں اور مسلمانوں کا حاکم بنانا چاہتا ہوں لہٰذا اس پر ابوموسیٰ بولے کہ تم نے مجھے دھوکا دیا وغیرہ وغیرہ (طبری ج ۶ ص ۳۹)

مگر یہ رائے قابل قبول نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ محض پنچ بنانے کے لئے تو تحریر اور گواہی سب کچھ ہو لیکن اصل فیصلہ جو اہم تر چیز ہے وہ محض زبانی ہو۔ دوسرے یہ کہ پنچنامہ میں تو طے یہ ہوا تھا کہ دونوں کے "متفقہ فیصلہ" کو ماننا چاہیے پس اگر بالفرض ابن العاص نے ایسی چال چلی بھی ہو تو آخر اُسے سب لوگوں نے مان کیسے لیا اس لئے کہ وہ تو صرف اُن کی اکیلے کی ذاتی رائے تھی متفقہ تو نہ تھی۔ ابوموسیٰؓ نے تو معاویہؓ کی بیعت کے لئے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا تھا تو

عـہ از مؤلف : اس لئے بھی قابل قبول نہیں ہے کہ حضرت معاویہ نے اس وقت تک نہ خلافت کا دعوا کیا تھا نہ کسی نے ان کو خلیفہ مانا تھا پھر ان کو خلیفہ برقرار رکھنا یا از سرِنو ان کو امیر و خلیفہ بنانے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ کسی کو امیر یا خلیفہ بنانا کسی ایک شخص کے بس میں بھی نہ تھا کہ ابن العاص ایسا کہتے!

ابو موسیٰ کا بگڑنا اور طرفین کا اُسے مان لینا تو خود غلط ہے۔ تیسرے یہ کہ دونوں صحابی ہیں ان کو صرف دشمنان اسلام تو بدنام کرسکتے اور ان کی جانب عیاری دروغگوئی۔ بدعہدی۔ بدزبانی وغیرہ کی نسبت کرسکتے ہیں مگر سچا مسلمان جسے حضور ؐ سے محبت ہوگی وہ تو کبھی ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی بدظن نہیں ہوسکتا پس میرے (خضری کے) نزدیک مؤرخ مسعودی کا قول صحیح ہے وہ یہ کہ "دونوں نے متفقہ فیصلہ بھی تحریری لکھ کر اور دستخط کرکے دیا تھا۔ اُس میں صرف اتنا تھا کہ" ہم لوگ علی رض اور معاویہ رض دونوں کو برطرف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو از سر نو اختیار دیتے ہیں کہ اپنے لئے امام منتخب کرلیں" (خضری ج ۲ ص ۷۳) اس متفقہ فیصلہ سے حضرت علی رض کا تو نقصان ہوگیا کہ ملی ملائی خلافت اُن سے چھن گئی لیکن امیر معاویہ کے دو فائدے ہوگئے ایک یہ کہ ان کا نام خلافت کے لئے حضرت علی رض کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا اور حضرت علی رض و معاویہ رض دونوں ایک سطح پر سمجھے جانے لگے دوسرے ان کو اپنی شامی فوج اور شامی پبلک کے موافق ہونے کی وجہ سے پوری اُمید ہونے لگی کہ خلافت کی نئی ووٹنگ میں ان کو بھی کثیر تعداد میں ووٹ مل جائیں گے۔ بہرحال اس فیصلہ کو سُن کر سب لوگ اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ ابن العاص بھی شام واپس گئے اور انھوں نے بتایا کہ حضرت علی رض کو خلافت سے معزول کیا گیا اب چونکہ خلیفہ کوئی نہیں ہے اس لئے شام کے لئے خلیفہ اور امیر المومنین ہم آپ کو تجویز کرتے ہیں اس پر حضرت معاویہ کے ہاتھ پر پہلے ابن العاص رض

نے پھر تمام رؤساء وامرائے شام وافواج شام نے بیعت کرلی ادھر حضرت علی کو جب اس متفقہ فیصلہ کا علم ہوا تو مورخ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ آپ کا عذر یہ تھا کہ ان حکموں نے کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ نہیں کیا مگر میرا خیال ہے کہ سیدنا علی نے ایسا نہ کیا ہوگا کیونکہ بفرض محال اگر ان دونوں حضرات سے متفقہ فیصلہ میں غلطی بھی ہوگئی تھی تب بھی حضرت علی کو عہد و پیمان کر چکنے کے بعد اس کے ماننے سے انکار نہ کرنا چاہیئے تھا۔ بہرحال آپ اگر اسے قضاء اللہ سمجھ کر اس پر راضی ہوجاتے تو شاید وہ امت کے حق میں زیادہ مفید اور بہتر ہوتا کیونکہ اس عدم قبول اور انکار سے جو نتائج نکلے وہ زیادہ مذموم اور مضر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ خوارج نے اسی کے نہ ماننے سے حضرت علی پر سخت ترین گرفت کی اور ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر انکو واجب القتل قرار دیا۔ دوسرے یہ کہ امت میں سخت پھوٹ پڑ گئی۔ وحدت اسلامی کا شیرازہ بکھر گیا۔ امت میں بیک وقت دو خلیفہ بن گئے۔ اسلامی حریت اور جمہوریت کی بنیادیں ہل گئیں۔ مسلمانوں کی ساکھ جاتی رہی دوسری قوموں کے دلوں سے اسلامی اتحاد کی ہیبت نکل گئی۔ تیسرے یہ کہ اس کے بعد بھی مقابلوں میں مسلمانوں کا بہت کشت و خون ہوا۔ کاش سیدنا علی، دشمنان اسلام اور قاتلین عثمان پر اعتماد کرنے اور انسے اتحاد کرنے کی بجائے عام صحابہ کے ساتھ اتحاد کرتے اور قصاص عثمان لیتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ حضور کا ارشاد کہ "اگر قاتل عثمان کو باندھکر نہ قتل کروگے تو پھر بکریوں کی طرح ذبح کیے جاوگے۔" اور عبداللہ بن سلام کا قول کہ "پچھلی امتوں میں جب کبھی کسی خلیفہ نبی کو قتل کیا گیا تو اسکی سزا میں ۳۵ ہزار آدمی ہمیشہ قتل کیے گئے۔" (جیسا ص۳ پر گزرا) صادق آگیا۔ دنیا تو یہ جانتی ہوگی کہ جمل اور صفین میں جو ایک لاکھ

مسلمان قتل ہوئے تو یہ حضرت علی کا کوئی کارنامہ ہے مگر افسوس حضورؐ کے ارشاد مذکورہ کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کا غضب تھا جو شہادت عثمان پر بھڑکا تھا۔ یہ سیدنا علی کی افتادگی طبع اور سادگی مزاج کا لازمی نتیجہ تھا اور فسیکفیکہم اللہ کا مصداق تھا جو حضرت علیؓ کی طبیعت اور سبائیوں پر غلط اعتمادی کے پردہ میں ظاہر ہوا۔ ابن سبا کی پھوٹ ڈلوانے، خلیفہ کو معزول کرانے اور خلافت کو تقسیم کرانے کی یہ اسکیم دراصل حضرت عثمان کے عہد ہی سے تھی وہ عثمانؓ کو معزول کرکے دراصل اسی وقت علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ تین آدمیوں کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا (تاریخ ملت دوم صفحہ ۲۸۶) مگر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو سختی سے منع فرمادیا تھا کہ اگر کہیں تم نے خلافت چھوڑ دی اور فتنہ پرداز لوگ ایک مرتبہ تمکو معزول کرنے پر قادر ہوگئے تو پھر اسلام میں فتنہ اور شورش کی انتہا نہ رہ جائیگی۔ خدا مہربان تھا تو حضرت عثمان نے انکو خلافت سے معزول کرنے پر قدرت ہی نہیں ہونے دی۔ حضرت عثمانؓ انسے دور ہی دور رہے، انھیں منہ نہیں لگایا سر نہیں چڑھایا۔ شورش بڑھی تو جان تک دی مگر خلافت ہاتھ سے نہ دی۔ مگر حضرت علیؓ نے یہ غضب کیا کہ برابر انسے دبے رہے۔ برابر انکو قوت اور قدرت دی انکو پشت و پناہ اور اپنا خیر خواہ جانا اور انکو اپنا دست راست بنائے رکھا۔ حکم کے تقرر میں بھی آپ انسے دبے اور ابن عباس کو حکم نہ بنوا سکے۔ بس پھر مفسدین نے خلیفہ وقت کو تول لینے کے بعد سب کچھ کرڈالا۔ خلیفہ وقت کو اپنی تدبیر سے معزول کرادیا۔ دو خلیفہ بنوا کر خلافت اسلامی کو اور مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کردیا، آہ! وکان امر اللہ قدراً مقدوراً

فتنہ سبائیان خوارج:۔ معزولی کے بعد حضرت علیؓ نے دوبارہ اپنی خلافت کی بیعت لی پھر حضرت علیؓ نے جامع کوفہ میں تقریر کی اور ملک شام پر حملہ کے لئے فوج

کو تیاری کا حکم دیا کہ ناگاہ خبر ملی کہ سبائیان خوارج نے ایک خاص اسکیم کے تحت سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ اس جماعت نے

۱۔ پہلے تو قرآن کو بلند ہوتا دیکھکر صفین میں جنگ سے ہاتھ روک لیا گویا جیتی بنائی جنگ کو اپنی اسکیم کے مطابق شکست سے بدل دیا۔

۲۔ حضرت علی کو قتل کی دھمکی دیکر تحکیم (پنچایت) ماننے پر مجبور کیا۔

۳۔ حضرت علی نے تحکیم مان لی تو اب اس نے حضرت علی پر یہ الزام لگایا کہ آخر انھوں نے انسانوں کو کیوں حَکَم بنایا اور تحکیم مانی ہی کیوں؟

۴۔ جب پنچوں نے متفقہ فیصلہ سنا دیا اور حضرت علی نے اسے نہیں مانا تو حضرت علی پر یہ الزام لگایا کہ معاہدہ کرنے کے بعد اب فیصلہ نہ ماننے کے کیا معنی؟

لوگوں کو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیئے، سبائیوں کا جو شیعۂ علی بنے ہوئے تھے اصل مقصد ہی حضرت علی کو طرح طرح سے پریشان کرتے رہنا۔ ان سے یہود خیبر کا انتقام لینا۔ کار خلافت میں روڑا اٹکانا۔ مسلمانوں کو باہم لڑاتے رہنا تھا۔ یہ کل حضرت ؓ تک جس بزرگ ہستی کو وہ وصی رسول۔ مستحق خلافت۔ تمام صحابہ سے افضل اور نہ معلوم کیا کیا کہتے تھے وہ حضرت ؓ کو وہی لوگ انھیں بزرگ ہستی کو مباح الدم کافر۔ واجب القتال کہکر انسے لڑنے کو تیار ہوگئے۔ بہرحال یہ دیکھکر حضرت علی نے شام پر حملہ کرنے سے قبل ہی ان خوارج کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ آپ فوج لیکر انکے مقابلہ میں پہلے نہروان کیطرف چلے۔ پہلے آپ نے انھیں سمجھایا جب اس سے فائدہ نہ دیکھا تو تین زبردست جنگیں لڑکر آپ نے انکا بہت کچھ زور توڑ دیا خوارج سے معرکوں کے بعد آپ نے فوج کے سامنے پھر تقریر فرمائی کہ اب شام پر حملہ

کے لئے نکلو تو وہ طرح طرح کے عذر کرنے لگے آپ نے لاکھ کوششیں کیں بڑی بڑی زوردار تقریریں فرمائیں مگر انکو ملک شام نہ جانا تھا نہ گئے۔ آخر آپنے عاجز آکر شام پر حملہ کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ انھیں مفسدین نے خلیفہ بنانے وقت تو حضرت علی کو دوسری طرح مجبور کیا تھا اور اب آج دوسری طرح مجبور کر رہے ہیں۔ یہ وقت حضرت علی کے سخت دلی کوفت کا تھا کہ انھیں لوگوں کے لیے آپنے دیگر صحابہ سے اور ام المومنین سیدنا عائشہ سے اور سیدنا معاویہ سے اتحاد نہ کیا۔ انھیں کی خاطر آپنے مدینہ چھوڑا' اب وہی ہیں کہ حضرت علی کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ ادھر حضرت امیر الامام معاویہ رضی کے یہاں ملک شام میں کامل امن و سکون تھا اس لئے اب وہ رفتہ رفتہ اپنی قوت بڑھانے اور انکی اس مجبوری سے پورا پورا فائدہ اٹھانے لگے یہاں تک کہ ۳۹ھ کے شروع ہوتے ہوتے امیر معاویہ نے یمن۔ مصر اور حجاز پر بھی قبضہ کر لیا۔ بعض مقامات پر جنگ میں امیر معاویہ کو فتح ہوئی اور بعض جگہ حضرت علی کو۔ آخر حضرت امیر معاویہ نے شعبان ۴۰ھ میں (شہادت علی سے تقریباً ایک ماہ قبل) حضرت علی کو لکھا کہ "آخر یہ مسلمانوں کا خون کب تک بہتا رہیگا کیوں نہ آپ اپنے مقبوضات پر قابض اور خوش رہیں اور میں اپنے مقبوضات پر" حضرت علی نے اس پیشکش صلح کو مان لیا (تاریخ ملت دوم ص ۲۸۳ بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۲۲) کاش یہ صلح مبارک ۳۷ھ میں صفین سے قبل یا مقبوضات نکل جانے سے قبل ہوجاتی۔ بہر حال اس صلح کا حال حضرت حسن کو بھی معلوم ہوا ہوگا اور غالباً انکے صلح معاویہ کا ایک بڑا سبب یہ سنت علوی بھی ہوگا جو بدبخت حضرت حسن کی صلح معاویہ پر حضرت حسن رضی کو برا کہتے ہیں

انھیں پھر نعوذ باللہ حضرت علی کو بھی برا کہنا چاہیے کیونکہ معاویہ سے صلح انھوں نے بھی کی تھی۔

شہادت علی - اب دشمن اسلام سبائیوں نے وہ ہولناک فساد اٹھایا اور اسلام کو وہ سخت نقصان پہونچایا جس کی تمہید میں وہ کچھ عرصہ سے حضرت علی کے حکم سے نافرمانی کرتے رہے تھے۔ یعنی تین سبائیوں نے ایک منصوبہ کے ماتحت یہ ارادہ کیا کہ حضرات علی۔ معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو جو اس وقت اسلام کے بہترین دماغ تھے بیک وقت شہید کر دیا جائے تاکہ اسلام کی اشاعت بند ہو جائے۔ ۱۵ رمضان ۴۰ھ روز جمعہ کو نماز فجر کا وقت اس حملہ کے لئے متعین ہوا حضرات امیر معاویہ و ابن العاص اتفاقات قضاء و قدر سے بچ گئے مگر ابن ملجم جو بحکم حدیث "اشقی الاٰخرۃ" تھا اس نے حضرت علی پر کاری زخم لگایا جس سے آپ جاں بر نہ ہو سکے اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ یکشنبہ کو آپ عالم بقا کو سدھارے اناللہ و انا الیہ راجعون (خضری ج ۲ ص ۸۰)۔

میرے نزدیک ابن ملجم اور قطامہ کے عشق کی داستان محض ثانوی اور افسانوی درجہ رکھتی ہے۔ ابن ملجم بغیر عشق قطامہ اور شرط نکاح کے بھی حضرت علی کو شہید کر کے رہتا کیونکہ اسے تو حضرت علیؓ سے یہودیان خیبر اور مقتولین نہروان کا انتقام لینا تھا۔

خلافت حسنؓ حضرت حسن رمضان ۳ھ میں سیدہ فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وفات نبوی کے وقت آپ کی عمر ۷ یا ۸ سال کی تھی۔ آپ سیدنا حسین سے گیارہ مہینے بڑے تھے۔ آپ صغار صحابہ میں تھے اور حضورؐ سے شکل و صورت میں ہو بہو مشابہ تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے آپ پانچ ہزار درہم ماہانہ وظیفہ پاتے آپ نے ۳۶ھ

میں جہاد اول بمقابلہ جرجیر والیٔ افریقہ کیا اور دوسرا جہاد طبرستان سنہ ۳۰ھ میں ہمراہی
سعید بن العاص کیا۔ آپ نہایت خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے۔ آپ
بہت کثرت سے نکاح بھی کرتے اور بہت کثرت سے طلاق بھی دیتے تھے۔ آپ
بہت فیاض تھے۔ صدقات و خیرات میں آپ حضرت معاویہ کیطرح بیدریغ
روپیہ خرچ فرماتے۔ آپ حلم و مروت میں اخلاق نبوی کا بالکل نمونہ تھے۔ جب
حضرت علی کی بیعت خلافت سے اکابر مدینہ (مہاجرین و انصار) رُکے اور وہی ارباب
حل و عقد تھے تو حضرت حسن نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ جب تک تمام صوبوں کے
لوگوں کی رائے معلوم نہ کر لیجئے اور شورائے ملک آپکے موافق نہ ہو میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ
خلافت قبول ہی نہ کیجئے مگر حضرت علی نے یہ دانشمندانہ مشورہ قبول نہ کیا۔ حضرت علیؓ
کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے جامع کوفہ میں جمع ہو کر حضرت حسن کو خلیفہ منتخب کیا
صحابہ مہاجرین و انصار جو اصل میں ارباب حل و عقد تھے انکو خبر بھی نہ ہوئی اور کوفیوں
نے جن میں خوارج زیادہ تھے خود ہی بیٹھ کر خلیفہ کا انتخاب اور خلافت پر حضرت حسنؓ
کو مقرر کر لیا۔ حضرت امیر معاویہ نے جب اس طرح حضرت حسن کا خلیفہ ہونا سنا تو ساٹھ
ہزار فوج لیکر کوفہ کیجانب بڑھے۔ حضرت حسن نے یہ خبر سنی تو آپ بھی چالیس ہزار
فوج لیکر کوفہ سے چلے اور ساباط پر جا کر پہلی منزل کی۔ آپ کو بعض قرائن سے یہ اندازہ
ہو گیا کہ آپکے لشکر والے لڑنا بھی نہیں چاہتے اور میل ملاپ بھی نہیں چاہتے تو آپنے
یہ سوچا کہ ان حالات میں کامیابی کی بھی امید نہیں ہے اور طرفین سے جو ہزاروں
مسلمانوں کا خون ہوگا وہ الگ۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مجھے بھی دھوکا دے جائیں
اس لئے آپنے ساباط میں تقریر کی اور صاف کہدیا۔

"لوگو! میں کسی مسلمان سے دشمنی نہیں رکھتا۔ اتحاد بہرحال اختلاف سے بہتر ہے مجھے بھی اتحاد پسند ہے۔ تم اگر لڑنا نہیں چاہتے تو میں بھی تم کو مجبور نہیں کرتا۔"

اتنا سننا تھا کہ فوج میں ایک شور اٹھا" یہ لو یہ تو حسن بھی اپنے باپ کیطرح کافر ہو گئے" (نعوذ باللہ۔ تاریخ ملت دوم ص۳۹۱) یہ کہکر انھوں نے حضرت حسن کے خیمہ کا سامان لوٹ لیا۔ ایک شخص نے آپکے کاندھے پر سے آپکی چادر سختی سے کھینچی جس سے آپ کی گردن میں تکلیف ہونے لگی۔ دوسرے نے آپ کے نیچے سے مصلےٰ گھسیٹا جس سے آپ گر گئے۔ اس پر آپنے اپنے خاص لوگوں کو آواز دی جنھوں نے آکر آپ کو بچایا اور ان باغیوں کو بھگایا۔ اس کے بعد آپ مدائن کیطرف چلے تو انھیں شیعان علی میں سے ایک[۱] نے آپ پر حملہ کیا جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ یہ خارجی حضرت حسن کی دوستی میں انکے گرد جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ اپنی کسی اسکیم کے ماتحت شریک ہوئے اور کسی موقع کے پہلے ہی سے منتظر تھے۔ جو مصنفین[۲] دوسروں کو ظاہر بینی کا الزام دیکر خوارج کو حضرت حسنؓ کا ہمدرد ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ شاید اسے بھولتے ہیں کہ خارجیوں کے نزدیک حضرت علیؓ کافر اور مباح الدم تھے جب انھوں نے خوارج سے تین جنگیں کرکے انکا زور توڑ دیا تو اس کے

---

[۱] اسے بعض مورخین نے خارجی کہا ہے مگر درحقیقت وہ ایک سبائی اور شیعہ علی تھا۔ حضرت علی سے جنگوں کے بعد لشکر حسن میں کسی خارجی کا وجود ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ شیعہ علی ہی نے یہ ہولناک جرم کیا اور اپنا جرم چھپانے کے لئے اسے خارجیوں کے سر تھوپ دیا۔ [۲] دیکھو سیر الصحابہ ج ۶ ص ۲۳۔

بعد عقل سلیم کا تقاضا تو یہی ہے کہ خوارج اب اپنے مقتولین کے انتقام کے لئے علیؓ اور فرزندان علی کے دشمن ہوں اور ان سے انتقام کی پیاس بجھائیں لیکن بجائے اسکے اگر عام خوارج کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ہمدرد اور فوج حسنی میں شامل ہونا کہا جاتا ہے تو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو جائے۔

ساباط میں چادر اور مصلے کا گھسیٹا جانا حضرت حسنؓ کے نزدیک خطرہ کی گھنٹی تھی بعض سبائی اور شیعہ علی جو مصلحت خفیہ طور پر ۔ ۔ ۔ ۔ فوج حسنی میں تھے قاتلانہ حملہ بھی کر دیتے مگر اسکا انھیں موقع نہ مل سکا۔ آخر بہ قول مشہور انکی زوجہ نے کئی کوششوں میں ناکام رہنے کے بعد ۹ سال کے بعد ان سبائیوں کے منصوبہ اور تمنا کی تکمیل کر دی اور اس طرح کہ کبھی اس جرم کو حضرت معاویہ کے ذمہ لگایا اور کبھی یزید کے ذمہ لیکن دنیا میں کبھی آستینوں کا لہو بھی پکار پکار کر قاتل کا سراغ بتا دیتا ہے چنانچہ معلوم ہو گیا کہ آپ کی شہادت سبائی خوارج کے منصوبہ کے ماتحت تھی۔[۱]

بہرحال ان مسلسل ہزیمتوں سے حضرت حسن کی سمجھ میں وہ بات آگئی جو انھیں حالات میں حضرت علی کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ جس طرح بلا تشبیہ ایک مقدمہ کا فیصلہ

۱؎ شہادت حسنی کا سبب زہر تو دایہ روایت بہت مشہور ہے۔ ورنہ سیر الصحابہ ج ۶ ص ۹۹ پر دینوری کی اخبار الطوال صفحہ غالباً ۲۲۳ و ۲۲۵ اور یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۶ کے حوالوں سے ہے کہ سیدنا حسن کی وفات طبعی طور پر ہوئی تھی زہر خورانی کا ذکر نہیں ہے۔ اور محترم عباسی صاحب کی فاضلانہ ریسرچ میں آپ کی موت کا سبب "تپ دق" لکھا ہے۔

حضرت داؤد نے کیا تھا پھر حضرت سلیمانؑ نے اسی کا فیصلہ دوسری طرح فرمایا اور قرآن نے "ففہمناھا سلیمان" فرماکر حضرت سلیمان کی تصویب فرمادی۔ اسی طرح حضرت حسن نے اپنی خداداد بصیرت سے سمجھ لیا کہ یہ فوج، یار راستین نہیں مار آستین ہے ان سے نپٹنا کرنا خطرناک ہے اور بالفرض میں ان سے کام لینا بھی چاہوں جیسے میرے والد حضرت علی کام لیتے تھے تو نتیجہ معلوم ہے کہ وہی انتشار امت، وہی انتشار مسلماناں، وہی شورش و بدامنی، وہی قتل و خونریزی، وہی نفاق و افتراق۔ اس لئے بہتر ہے کہ میں امیر معاویہؓ کے سپرد کار خلافت کردوں، وہی اپنا ان سرکشوں سے نبٹتے رہیں گے۔ اس صورت سے مسلمانوں کا کشت و خون بھی بچ جائے گا۔ حضرت حسنؓ کو آخر عمر میں حضرت علیؓ کا حضرت معاویہؓ سے صلح کرنا بھی یاد آگیا۔ حسن اتفاق سے انھیں دنوں امیر معاویہؓ نے بھی آپکے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ آپنے جواب کہلا بھیجا کہ ہاں میں چند شرائط پر صلح کرسکتا ہوں، حضرت معاویہ نے پوری فراخدلی سے ایک سادہ کاغذ پر پہلے ہی سے اپنے مہر و دستخط فرماکر حضرت حسن کے پاس بھیجدیا کہ "آپ جو شرائط چاہیں اسپر لکھ دیں مجھے سب منظور ہے اسی لئے میں نے پہلے ہی سے مہر و دستخط کردیے۔" سیدنا حسنؓ نے اسپر حسب ذیل شرطیں لکھدیں:-

۱۔ اہل عراق سے اور انکے ساتھیوں سے گزشتہ امور پر مواخذہ نہ کیجئے انکو معاف کردیجئے

۲۔ صوبہ اہواز کا سالانہ خراج پورا مجھے وظیفہ میں دیا جایا کرےؔ۔

ؔ ان مالی شرطوں پر یہ شبہہ کرنا کہ "یہ صلح کیا ہوئی یہ تو ایک سودا ہوگیا کہ گویا اہواز (دیکھو ص)

۳۔ میرے بھائی حسینؓ کو دو لاکھ درم سالانہ وظیفہ دیا جایا کرے۔

۴۔ دیگر عطیات اور وظائف میں بنوہاشم کا زیادہ لحاظ رکھا جائے۔

(الاخبار الطوال ص ۲۲۰)

۵۔ آپ (حضرت معاویہؓ) کے بعد امیر کا انتخاب مسلمانوں کی رائے سے ہو۔ یہ شرط صرف یعقوبی نے لکھی ہے ج ۲ ص ۲۱۳۔ مگر خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اس صلحنامہ میں امیر معاویہؓ کے بعد سیدنا حسین کی خلافت کی شرط جو مشہور ہے وہ کسی مورخ نے نہیں لکھی ابو مخنف اور کلبی جیسے کذابین کی گپ ہو تو ہو)

غرض اس کاغذ کے موصول ہونے پر امیر معاویہ کوفہ تشریف لائے اور اواخر

(بقیہ ص) کے سالانہ خراج اور ۲ لاکھ درم سالانہ کے عوض خلافتِ اسلامی حضرت معاویہ کے ہاتھ بیچی گئی" (جیسا رسالہ تذکرہ کراچی میں کیا گیا ہے) صحیح نہیں ہے۔ یہ تو سب جانتے ہی ہیں علیؓ وحسنؓ و معاویہؓ کا دور اور ان حضرات کا رہن سہن اُس طرح کا سادہ اور زاہدانہ نہیں تھا جیسا حضرات شیخین کا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کا قول حضرت علی زمین و باغات خریدنے کا گزرچکا حضرت معاویہ بہت فراغت فراخی اور فیاضی کی زندگی گزارتے تھے حضرت حسنؓ بھی فراغت اور فیاضی کی زندگی گزارتے تھے۔ آمدنی میں وسعت اور فراخیٔ رزق کی خواہش ایک فطری امر ہے بشرطیکہ خشیت حق اور فکر آخرت کے ساتھ یہ چیز مضر اور ممنوع بھی نہیں رہ جاتی۔ کثرت فتوحات دیکھکر آخر ایکبار اہل بیت رسول امہات المومنین کو بھی توسیع نفقہ کی طلب ہو گئی تھی۔ اللہ نے امہات المومنین کو اس سے روکدیا کہ یہ چیز انکے مرتبۂ عالی کے لائق نہ تھی لیکن سب تو یکساں طبیعت اور درجہ نہیں رکھتے اس لئے اس پر اعتراض نہ چاہیئے۔ ممکن تو ہے کہ یہ شرائط نہ رہے ہوں (دیکھو

ربیع الاول ۴۱ھ میں آپ جامع کوفہ میں داخل ہوئے پہلے سیدنا حسنؓ نے بیعت کی پھر تمام اہل کوفہ نے بیعت عام کی چونکہ عرصہ کے بعد اس صلح کے ذریعہ مسلمانوں کو امن و اطمینان نصیب ہوا تھا اس لئے یہ سال " عام الجماعۃ " کہلایا اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ حسن اتفاق سے اس تاریخ کو تیس برس بھی پورے ہو گئے تھے جس پر حضورؐ نے خلافت راشدہ کے ختم کی پیشین گوئی فرمادی تھی۔ اس صلح سے اور مسلمانوں کو سکون ملنے سے جہاں سیدنا حسن کی منقبت نکلتی اور حضورؐ کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے وہیں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہٗ کا وہ اجتہاد جو انھوں نے سیدنا علیؓ کے عہد خلافت میں سبائیوں کی بالادستی دیکھ کر اپنے بارہ میں کیا تھا کہ " شاید میں حضرت علی سے زیادہ بہتر طور پر سبائیوں کی شورش کو دبا سکتا ہوں اور حضرت علی سے زیادہ بہتر طور پر بار خلافت و امارت سنبھال سکتا ہوں " وہ اجتہاد صحیح تھا۔

عہد معاویہؓ ۔ امیر معاویہ نے بھی بروقت اقدام یوسفی کیا تھا اور " اجعلنی علیٰ خزائن الارض " (خزانوں کا انتظام میرے سپرد کر دو) کا پیام بھیجکر صلح کر لی تھی اور سیدنا حسن نے بھی اقتدار خلافت کو منتقل کر دینے میں عظیم الشان ایثار سے کام لیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو پورا کر دکھایا کہ " میرا یہ بچہ سردار ہوگا۔ امید ہے کہ اسکی ذات سے حق تعالےٰ امت کے دو بڑے گروہوں میں صلح کراویگا " سیدنا امیر معاویہ کی صلح کے اس اقدام پر راحت و سکون پھیلنے اور رعایا

(بقیہ) لیکن اگر یہ بھی ہوں تو بھی کچھ حرج نہیں۔

کو اطمینان نصیب ہونے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کار سیاست کیا حضرت معاویہؓ کو ملا گویا منصب جہان بانی۔ نظم ملکی۔ سپہ سالاری۔ تدبیر مملکت۔ قیام امن وغیرہ جملہ ضروریات خلق اور اسوقت کے مسلمانوں کی تمام تمنائیں اپنے صحیح مرکز اور سات آٹھ پشت کے ماہر سپہ سالار حضرت امیر معاویہ کے دامن میں پہونچکر سکون پانے لگیں۔ فتنے دب گئے اگرچہ خوارج نے سر اٹھانا چاہا لیکن امیر معاویہؓ نے خود اہل کوفہ ہی کو انکی سرکوبی اور مدافعت کا ذمہ دار بنادیا کہ ان کو ٹھیک کرو ورنہ تمھاری خیریت نہیں۔ اسکے ساتھ آپنے ۴۵ھ میں زیاد کو بصرہ کا والی اور گورنر مقرر کردیا پھر ۵۰ھ میں اسے کوفہ کا بھی والی بنادیا ان انتظامات سے خوارج کی علانیہ فوجی شورش تو اپنی موت مرکر رہ گئی۔ البتہ خفیہ شرارتیں باقی رہیں جنمیں سب سے زیادہ ہولناک شرارت جیسا مشہور ہے شہادت حسن تھی کہ جعدہ نے جو سیدنا حسنؓ کی زوجیت میں تھی آپ کو زہر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں سیرت معاویہ پر بھی کچھ لکھ دینا زیادہ مناسب ہے:۔

(الف) وہ اپنے متعلق خود فرماتے ہیں" جہاں میں کوڑے سے کام لے سکتا ہوں وہاں تلوار سے نہیں لیتا اور جہاں زبان سے کام نکل سکتا ہے وہاں کوڑا استعمال نہیں کرتا۔ میرے اور لوگوں کے درمیان اگر بال برابر بھی لگاؤ رہیگا تو میں اُسے کٹنے نہ دونگا لوگ اگر اسے کھینچیں گے تو میں ڈھیل دیدونگا اور جب وہ ڈھیل دینگے تو میں کھینچ لونگا"۔ (ملفوظات سیدنا معاویہؓ۔ یعقوبی ج ۲ ص ۲۰۳)

(ب) ایک انگریز لکھتا ہے، معاویہ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاست داں تھے جنکا درجہ سیاست میں ریشلیو سے کم نہیں۔ فطرت انسانی کی مکمل واقفیت

یکوجہ سے وہ آسانی سے اپنی مخالف پارٹیوں کے اعتدال پسند لوگوں کو بھی جلد ہی اپنا لیتے تھے" (لٹریری ہسٹری آف عرب از پروفیسر نکلسن ص۱۹۵)

(ج) ایک مشہور سبائی مورخ جابجا تعریض وطنز کے باوجود بادل ناخواستہ لکھتا ہے:-

"معاویہؓ امور دنیوی میں عقلمند۔ فہیم۔ عالم۔ حلیم اور قوی بادشاہ تھے۔ آپکی سیاست بہترین تھی۔ دنیوی معاملات میں آپ خوش تدبیر تھے۔ آپ نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کی جگہ سختی برتتے تھے تاہم آپ کی نرمی ہی غالب رہتی تھی۔ آپ جود وکرم کے عادی اور سرداری کے شائق تھے۔ معززین رعیت پر آپ خوب دولت کی بارش کرتے تھے۔ بزرگان قریش آپکے پاس اپنی ضرورت لیکر آتے تھے، وہ لوگ آپ سے سختی سے بھی گفتگو کرتے تھے مگر آپ انکو نرمی سے جواب دیتے تھے اور رخصت کرتے وقت انکو انعامات واکرامات سے لاد دیتے تھے۔"

(ابن طقطقی فخری ص۹۹)

بیعت یزید ۔ تقریباً ۵۶ھ میں حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یزید سے کہا کہ اب اکابر صحابہ رہ نہیں گئے انکے لڑکے ہیں ان میں انشاءاللہ اہل سیاست بھی ہیں اور اہل عبادت بھی۔ تم بھی نسبی بزرگی ہیں،

لے۔ ہم اس کتاب میں جابجا بنہایت وضاحت سے دکھاتے چلے آئے ہیں کہ سرداری کا شوق حضرت علیؓ میں کتنا تھا اور حضرت معاویہؓ میں کتنا۔ اور کون برابر حصول خلافت وسرداری کے لئے کوشاں تھا۔ ۱۲

مہارت سیاست میں اور علم شریعت میں کسی سے کم نہیں ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ امیر المومنین تمھیں ولیعہد بنانے میں کیوں تامل کریں؟ یزید نے کہا کیا ایسا ممکن ہے؟ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا بے شک" یہاں ناظرین کو یہ سمجھ لینا اور یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مغیرہ صحابی اور عمر میں حضرت معاویہ سے کچھ بڑے ہی ہیں۔ انکی پوزیشن یہ فرض کرلینا سخت گستاخی و جسارت بلکہ بددیانتی ہوگی کہ انھوں نے یزید کی یا امیر معاویہ کی "محض خوشنودیٔ مزاج" کے لئے یا "حصول اقتدار" کی ہوس میں یہ فقرہ تفریحاً تصنیف کردیا۔ عام مورخین اور حضرت علیؓ کے جھوٹے عقیدتمند اس واقعہ کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور ایک جلیل القدر صحابی کو خوشامدی اور دوسرے کو خوشامد پسند سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ مگر وہ اسے بھول جاتے ہیں کہ ایک

لہ۔ دشمنان صحابہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور امیر معاویہؓ کو بدنام کرنے کی غرض سے یہاں بھی ایک روایت گھڑی ہے اور اسے حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ تک کو بدنام کرنے کے لئے انکی طرف منسوب کرکے مشہور کیا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ کو کسی وجہ سے معزول کردیا تو انھوں نے جاکر حضرت معاویہ کو یزید کے استخلاف کی رائے دی اس پر حضرت امیر نے انکو بحال کردیا تو حضرت مغیرہؓ نے شام سے واپس آکر اپنے احباب میں فخریہ کہا کہ میں نے معاویہ کو ایسے دلدل میں پھنسادیا ہے کہ اب اس سے انکا نکلنا مشکل ہے" انتہی۔ یہ روایت جس طرح دونوں صحابیوں کا عزو وقار دلوں سے کھوئے اور دھوئے دیتی ہے ظاہر ہے اور اسی وجہ سے اس کا کذب صریح صاف معلوم ہوجاتا ہے مگر علامہ سیوطی کی اس تصوف پرستی کو کیا کہیئے کہ حضرت حسن بصری کا نام دیکھکر اس روایت کو (دیکھو ص

صحابی سے بدظن ہو کر یہ ممکن ہی نہیں کہ بقیہ صحابہ یا حضرت علی سے حسن ظن رہ جائے۔ حضرات معاویہ و مغیرہ دونوں جلیل القدر صحابی تھے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے۔ دونوں زبردست ماہر سیاست تھے۔ ان دونوں کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مردم شناس اور روشن ضمیر صحابی نے انکو معیار دیانت پر جانچنے کے بعد کوفہ اور شام کا گورنر مقرر کیا تھا۔ فاروق اعظم کو ان دونوں کی مہارت سیاست اور صلابت دیانت پر پورا اطمینان تھا۔ یہ دونوں نرم خو۔ متحمل مزاج۔ صاحب بصیرت حضرات تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ شہادت عثمان سے اسلام کا نظام اجتماعی درہم برہم ہو چکا۔ مدینہ کی عزت برباد ہو چکی۔ ابن سبا ابلیس ثانی بنکر "لاضانتقم" کے دعوے کے ساتھ مسلمانوں میں کود پڑا ہے اس لئے پبلک بھی اب عہد شیخین کی پبلک کیطرح صحیح العقیدہ اور صائب الرائے نہیں جو دعویداران خلافت کو پوری دیانت کے ساتھ ووٹ دے سکیگی۔ چونکہ دعویداران خلافت کئی ہیں مثلاً حضرات حسین۔ عبداللہ بن زبیر۔ ابن عمر۔ ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم اور یزید وغیرہ اس لئے پبلک سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہر امیدوار اپنے لئے زمین ہموار کرنا چاہیگا اور زبردست رسہ کشی ہوگی۔ عین ممکن ہے کہ بعض دعویداران خلافت اپنی بیعت اور اپنے ووٹ کے لئے پبلک پر جائز و ناجائز دباؤ اور اثر بھی ڈالیں، اسلئے اختلاف امت اور خونریزی ملت کے امکانات کو کم سے کم تر بنانے کے لئے جائز اور معقول صورت یہی ہے کہ جس طرح اس وقت

(بقیہ ص) قبول کرلیا اور تاریخ الخلفاء میں لکھدیا اور دو صحابہ سے بداعتقادی پیدا ہونے کیطرف انکو التفات بھی نہ ہوا
لہ۔(دیکھو ص)

خلافت و حکومت بنو امیہ ہی میں ہے اسی طرح رہے۔ اسوقت ملک میں طاقتور پارٹی بھی یہی ہے۔ پھر بنوامیہ کئی پشت سے سپہ سالاری، جہاں بانی، جہاں بینی کا کام مسلسل کر رہے ہیں۔ یزید کے خلیفہ ہونے میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے۔ اسمیں کچھ کوتاہیاں ضرور ہیں مثلاً وہ سیر و شکار کا گرویدہ ہے (خضری) شعر و شاعری کا دلدادہ ہے۔ گانا سننے کا شایق ہے (ابن خلدون) بیوی اور لونڈی سے زیادہ مانوس ہے۔ اسلامی مجاہدانہ زندگی سے جی چراتا ہے تو یہ باتیں نوعمری کا تقاضا ہیں اور انکی اصلاح بھی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ یہ سب فسق عرفی ہیں۔ شراب یا زناکاری کا تو وہ عادی ہے نہیں کہ اس پر فسق شرعی کا حکم لگے اور اسکے خلیفہ ہونے میں کوئی قباحت دینی ہو۔ اسلئے امیر معاویہؓ کے بعد وہ امیر المومنین بھی بن سکتا ہے۔ لیکن اگر بنوامیہ سے حکومت اس وقت ہٹکر کسی دوسرے خاندان میں گئی تو جو تجربہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت کا خاندان بدلنے اور بنوامیہ سے بنوہاشم میں جانے سے ایکبار ہو چکا ہے اس کا

(متعلق ص) "تاریخ یعقوبی میں ہے کہ ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ کو اور ابن عباس کو اور بنی ہاشم کے چوبیس افراد کو گرفتار کر کے انسے بیعت لینی چاہی مگر مدینہ منورہ کے ان اکابر کے سر رسن و آہن کے ان زیوروں" سے نہیں جھک سکتے تھے۔ انکا انکار دیکھکر ابن زبیر نے ۲۶ ہاشمیوں کو زمزم کے حجرہ میں قید کر دیا اور خدا کی قسم کھائی کہ اگر یہ لوگ میری بیعت نہ کریں گے تو میں انکو اسی حجرہ میں جلا دونگا (یعقوبی دوم ص۲۱۱۔ تاریخ ملت دوم ص۱۲۵۔ سیر الصحابہ ششم ص۲۷۱ میں کچھ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ روایت ہے)۔

اعادہ بلکہ اس سے بھی بدتر تجربہ ہونے کا اندیشہ ہے ان سب خیالات کے
پیش نظر ان دونوں صحابیوں نے امت کی بہبودی میں یہ مشورہ دیا تھا۔
بہرحال یزید نے اسکا ذکر امیر معاویہؓ سے کیا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ
کو بلاکر خود بھی ہر پہلو پر گفتگو کی۔ اثنائے گفتگو میں حضرت مغیرہ نے پوری دیانت
وامانت سے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا، خوب یاد رہے کہ " المستشار موتمن"
کے جاننے والے اور اسکی تعمیل کرنے والے ان صحابہ سے بڑھکر دوسرے
لوگ (ہم آپ) نہیں ہوسکتے۔ انھوں نے فرمایا۔

" حضرت عثمان کی شہادت کے بعد کے حالات مسلمانوں کی
خونریزی اور اختلاف ونزاع کو آپ بخوبی جانتے ہیں۔ اب اگر خلافت
دوسرے خاندان میں گئی تو مسلمانوں کا خون خرابہ یقینی ہے اگر
آپ مسلمانوں کی تلواروں کو پھر آپس میں خونریزی کے لئے آزاد
چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو بسم اللہ کیجئے۔ لیکن اگر آپ مسلمانوں کی خونریزی
نہیں چاہتے اور فی الواقع بحیثیت صحابی رسول اور خیر خواہ اسلام
کے آپکو ایسا کرنا بھی نہیں چاہیئے تو پھر وقت کی سیاست کا تقاضا
یہی ہے کہ آپ یزید کی ولیعہدی کی بیعت لوگوں سے اپنے سامنے
لیکر اسے اپنا جانشین اپنی زندگی ہی میں بنا جائیے تاکہ اگر مسئلہ خلافت
پر کوئی گڑبڑ پیدا ہو تو مسلمانوں کے لئے ایک سہارا اور حاکم پہلے سے
بنا ہوا موجود رہے اسوقت خلافت کے دعویدار کئی ہیں آپ کے بعد
خلافت کے لئے رسہ کشی ہونا لازمی ہے۔ اس لئے اسوقت کی پبلک

کو ایک لمحہ کے لئے بھی بے سری چھوڑ دینا مناسب نہیں۔"

یہ بات اتنی واضح تھی کہ اسمیں دو رائیں نہیں ہو سکتی تھیں۔ حضرت امیرؓ بھی بچے نہیں تھے، دشمن اسلام بھی نہیں تھے بلکہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت اٹھائے ہوئے اور آپکی زبان حقیقت ترجمان سے دعائے "اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھد بہ" پائے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے نظر کردہ تھے۔ وقت کے تقاضوں کو اور سیاست کی نزاکتوں کو دین و شریعت کی پابندیوں کو آجکل کے مورخین سے زیادہ سمجھتے تھے اپنے بیٹے یزید کے حالات اور دن و رات کے مشاغل سے بھی ناواقف یا غافل نہیں تھے۔ اس کے مذکورہ "پنج عیوب غیر شرعی" کو بھی جانتے تھے۔ وقتاً فوقتاً بقول مورخ ابن خلدون کے یزید کو ان امور پر ٹوکتے بھی رہتے تھے۔ اس لئے جناب امیرؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ امیر معاویہ اور یزید دونوں کو اس تجویز پر تعجب ہونے سے صاف ثابت ہے کہ جناب امیر کو یہ قیصری اور کسروی سنت مطلق متوقع بلکہ متوہم اور مقصود بھی نہ تھی اور اس معاملہ میں امیر معاویہؓ حضرت علی کے بالکل برعکس تھے کیونکہ حضرت علی خلافت کے موروثی اور خاندانی ہونے کے مؤید اور قائل تھے۔ پھر حضرت امیرؓ نے حضرت مغیرہ سے فرمایا کہ اسمیں تو ہر جگہ کی پبلک کی رائے معلوم ہونی چاہیئے (اس لئے کہ وہ اپنے اجتہاد میں حضرت علی کی بیعت کو اسی لئے ناتمام سمجھتے تھے کہ اس میں نہ تو مختلف ممالک کی پبلک کی رائے لی گئی اور نہ انکو دعوت بیعت دی گئی بلکہ زیادہ تر ووٹ آفاقی مفسدین نے دیئے تھے صحابۂ مدینہ نے بہت کم ووٹ دیئے تھے اور یہ صورت جناب امیر معاویہ کو منظور نہ تھی) نیز چونکہ

بقول مورخ یعقوبی آپ معاہدہ صلح میں یہ شرط بھی کر چکے تھے کہ "امیر معاویہ کے بعد انتخاب امیر مسلمانوں کی رائے عامّہ سے ہو" اس لیئے آپنے ہر صوبہ کی پبلک کی رائے معلوم کرنی چاہی۔ یہ کام یقیناً ایک نظم چاہتا تھا اس لیئے آپ نے حضرت مغیرہ سے پوچھا کہ آخر رائے عامہ معلوم ہونے کی کیا صورت ہو؟ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ اپنے صوبہ کوفہ کی رائے عامّہ معلوم کرنے اور آپ کو اطلاع دینے کا کام میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ بصرہ کا کام زیاد کے سپرد کیجئے۔ امیر معاویہؓ نے فرمایا اچھا تو آپ جائیے اور اپنا کام کیجئے۔ حضرت مغیرہ نے کوفہ پہونچکر بنو امیہ کو اور انکے معزز ہوا خواہوں کو پہلے بلا کر کہا کہ اگر حضرت معاویہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تو اس کے متعلق تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ان سب نے موافقت ظاہر کی تو حضرت مغیرہ نے فرمایا اچھا اگر خود آپ لوگوں کو اس تجویز سے اتفاق ہے تو اب شہر کوفہ و مضافات کی رائے عامہ وسیع پیمانہ پر معلوم کر کے امیر المومنین تک پہونچایئے، یعنی پہلے رائے عامہ معلوم کیجئے پھر ہر طبقہ سے ایک ایک نمائندہ لیجئے اور پھر ایک وفد کی شکل میں امیر المومنین کے پاس جا کر اپنی رائے خود ان سے ظاہر کر دیجئے۔ چنانچہ صوبہ میں کام پورا کر کے ایک وفد جناب امیر کے پاس پہونچا اور اس نے یزید کے موافق رائے دی اس موقع پر ابن اثیر نے جناب امیرؓ کا، وفد کے امیر سے (جنکا نام موسیٰ تھا اور حضرت مغیرہؓ کے صاحبزادہ تھے) یہ مکالمہ اور سوال و جواب لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے تنہائی میں ان سے پوچھا کہ تمھارے والد نے انکا دین کتنے میں خرید ا تو انھوں نے کہا کہ تیس ہزار میں (رسالہ المحرم میرٹھ شہید کربلا نمبر ص ۴۲) نعوذ باللہ

(دیکھو صفحہ ۔۔۔)

میرے نزدیک تو اس میں ان دونوں صحابیوں پر صاف تبرا ہے یعنی دین فروشی اور رشوت اور بدخواہی اسلام کے ناپاک الزامات! اب جسے یہ الزامات ان بزرگوں کی طرف منسوب کرنا پسند ہو تو وہ شوق سے ابن اثیر پر ایمان لائے گا میرا ایمان تو صحابہ کی عدالت پر ہے۔ ع۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب

اگر ناقلین اور منقول عنہ دونوں ان صحابہ کی عزت اور عظمت کرنا چاہتے تو عظمت کے ساتھ بھی ایک ذراسی تاویل سے ابن اثیر کی یہ روایت جمع کی جاسکتی تھی اسطرح کہ یوں کہتے کہ کوفہ میں رائے معلوم کرنے والے نئے افسروں کی تنخواہ اور دیگر اخراجات اور اس کے بعد تمام اراکین کے آمد و رفت کے خرچ میں یہ تیس ہزار درہم خرچ ہوئے ہوں؟ مگر شاید یہ بات تاویل بارد کہکر ٹھکرا دیجاتی اور ناقابل قبول ہو گی اس لئے کہ اسمیں امیر معاویہؓ پر طعن والزام کا لطف اور چٹخارہ نہیں رہ جاتا! بہر حال بصرہ میں زیاد نے بھی رائے لینے کا کام شروع کیا اور خود یزید کے پاس کہلا بھیجا کہ "ابھی حضرت خود آپ بھی تو ذرا آزاد نفسی۔ آرام طلبی وغیرہ چھوڑیے ورنہ ووٹ وغیرہ ملنا مشکل ہے" اس پر یزید نے اپنے اصلاح کی کوشش شروع کردی اور اپنے وہ مذکورہ عیش پرستانہ مشاغل اور بعض عیوب غیر شرعی کم کردیے یا چھوڑ دیئے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۹)

(حاشیہ ص) کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں صفحہ ۸ پر طبری سے عنوان بیعت اہل البصرہ بردست علی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی صفین کے لئے جو قتال فتنہ تھا فوج بھرتی کرتے وقت بیت المال سے ساٹھ ہزار کی رقم خرچ کردی ۱۲

اب امیر معاویہ نے اتنے غور کے بعد اپنے ارادہ کو پورا کر لینے کا فیصلہ کر ہی یا تو مروان والی حجاز کے پاس لکھا " اب میں ضعیف ہو گیا ہوں چونکہ اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد خلافت میں جھگڑے اور پھر مسلمانوں کی خونریزی نہ ہونے لگے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کسی کو اپنا جانشین اپنے سامنے منتخب کر دوں تم اہل مدینہ سے مشورہ کرکے انکی رائے مجھے لکھو؟ مروان نے اکابر مدینہ کو جناب امیر کی اس تجویز کی اطلاع دی ۔ انھوں نے بخوشی کہا کہ ہاں مناسب ہے کسی موزوں شخص کو امیر المومنین اپنا جانشین ہمارے لئے مقرر فرما دیں (خضری ج ۲ ص ۱۱۱) مروان نے یہی جناب امیر کو لکھ دیا تو جناب امیر نے دوبارہ لکھا کہ میں نے یزید کو اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے تم اہل مدینہ کو اسکی خبر کر دو " مروان نے دوبارہ مسجد میں سب کے سامنے جناب امیر کے اس فیصلہ کی خبر سنائی ۔ یزید کا نام خلاف توقع سنکر لوگ برہم ہوئے ۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر نے بآواز بلند فرمایا " کیا تم چاہتے ہو کہ ہم سے انتخاب کا حق سلب کر لو ؟ تم کو امت کی بہبود کا ذرا خیال نہیں شاید تم چاہتے ہو کہ اسلامی خلافت کو بھی قیصریت میں تبدیل کر دو کہ ایک قیصر مرے تو دوسرا اسکا جانشین ہو " اسی طرح ابن عمر ۔ ابن علی اور ابن زبیر نے بھی اختلاف کیا ۔ مروان نے ان واقعات کی اطلاع بھی امیر معاویہ کو دیدی ۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہاں دو باتیں بہت واضح طور پر سمجھ لینا چاہیئے :-

(۱) کہ ان اکابر میں سے کسی نے بھی یزید کے متعلق " بادہ رنگین " کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہی صحیح وقت تھا جب اسکے فسق کو بطور احتجاج پیش کر کے یزید کی مخالفت کیجاتی اور ساری امت کو اس کے خلاف مشتعل کر دیا جاتا ۔

(۲) سب کو اگر کچھ اعتراض ہوا تو صرف یہ اعتراض ہوا کہ "امت سے انتخاب کا حق سلب کر رہے ہو اور قیصریت اسلام میں کبھی لانا چاہتے ہو۔" تمام مورخین اور مصنفین اس اختلاف کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانا جائز اور بقیہ لوگ ناجائز سمجھتے تھے۔ مگر حضرت امیر اور اُن پنجتن کے درمیان اختلاف کی بنا یزید سے نسبی تعلق کو سمجھنا محض سطحی بات ہے۔ وہ حضرات اسکو ہم سے زیادہ جانتے تھے کہ محض نسب کا تعلق استخلاف سے مانع نہیں بن سکتا اور کیسے بن سکتا ہے جب یہ سنت انبیاء رہ چکی ہے اور خود حضورؐ نے اپنے داماد حضرت علےؓ کے خلیفۂ رسول ہونے کا امکان فرمادیا بلکہ اس اختلاف کی بنا دراصل

لے جب مدینہ کے پنجتن نے پہلے یہ لکھدیا کہ جی ہاں آپ ہمارے لئے کسی کو خلیفہ منتخب کر دیجئے تو گو یزید کا نام اس وقت متعین نہیں تھا مگر نفس ولایت عہد و نامزدگی پر سب راضی تھے جب یہ بات تھی تو یزید کا نام متعین ہونے پر اب اس جملہ کے کیا معنی اور اس میں کیا وزن رہ گیا" کہ تم امت سے انتخاب کا حق سلب کر لینا چاہتے ہو" کیا نفس ولایت عہد پر راضی ہو جانے سے انتخاب کا حق پہلے ہی ان سے سلب نہیں ہوچکا تھا؟ انکا یزید پر اعتراض صحیح تھا مگر یہ جملہ غلط تھا۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۵۰ پر انتخاب چھنے کا ذکر نہیں ہے۔ شہادت فاروقی پر بھی تو حق رائے دہی ایک کمیٹی کے سپرد ہوا پھر سب اہل شوریٰ نے حضرت ابن عوف کے سپرد کر دیا تھا اور انکے فیصلہ کو سب نے بے چون وچرا تسلیم کیا۔ اسے حق انتخاب کا سلب کرنے کے مرادف کسی نے بھی نہ سمجھا معلوم ہوا کہ اس طریق انتخاب میں فی نفسہ کوئی خرابی نہ تھی۔

اب تک کے عمل خلفاء سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ تھی کہ پنجتن مدینہ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں امت میں آئندہ کے لئے یہی سنت نہ قائم ہو جائے اور رفتہ رفتہ یہ فعل کسرویت کی شان نہ اختیار کرلے مگر چونکہ امیر معاویہ خود اور حضرت مغیرہؓ بھی یزید کے اندر اہلیت حکومت دیکھکر سمجھ رہے تھے کہ یزید کے بارہ میں کسرویت یقیناً نہیں ہے اور حالات نے بتا دیا کہ انکی رائے صحیح تھی اس لئے اس سیاست کے بارہ میں سیاسی ہی ماہرین اور ارباب تجربہ کا قول معتبر ہوگا۔ اس بارہ میں ان پنجتن کی رائے غلط ہو سکتی ہے۔ اور رائے اور اجتہاد کے اس فرق کو اور اسمیں پنجتن مدینہ کی رائے کو غلط ماننے میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں۔

اب جناب امیر کو یہ منظور ہوا کہ تمام صوبوں کی رائے عامہ یزید کے متعلق معلوم کریں اس لئے ہر صوبہ میں حکام بھیجے کہ وہ پبلک کے سامنے یزید کا نام آئندہ خلیفہ کی حیثیت سے پیش کرکے وہاں کے معزز نمائندوں کو وفد کے طور پر دمشق بھیجیں ہر صوبہ سے وفود آنا شروع ہوئے حکومت نے انکو تپاک سے ٹھہرایا اور یزید کے بارہ میں ان سے آزادانہ بات چیت کی اور انکی رائے پوچھی۔ مدینہ اور بصرہ کے وفود نے نہایت دانشمندانہ گفتگو کی وفد مدینہ نے کہا "آپ امت کے نگہبان اور ذمہ دار ہیں آپ جسے امت کا آئندہ نگہبان بنانا چاہتے ہیں اس کے معاملہ پر اچھی طرح غور کرلیجئے"۔ وفد بصرہ نے کہا "آپ یزید کے دن رات کے مشاغل اور اسکے خفیہ اور علانیہ افعال سے زیادہ واقف ہیں اگر آپ اس معاملہ میں خدا اور امت محمدیہ کی رضامندی پاتے ہیں تو پھر کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ اپنے آخری وقت میں خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کیجئے ہم ہر حال میں آپکا حکم ماننے کو تیار ہیں"

(خضری ج ۲ ص ۱۱۱) - ان مشوروں نے انکو آخرت کی یاد اور خدا کا خوف بھی دلا دیا یزید کے
مشاغل کی یاد اور اطلاع بھی کردی اور یہ بھی بتا دیا کہ ساری پبلک کو یزید کے
دن رات کے مشاغل کی اطلاع ہے اور یہ اطلاع امیر الام سیدنا معاویہؓ کو مجمع عام
کے سامنے دی گئی معمولی ایمان کا انسان بھی اس سے متاثر ہوجاتا ہے اور ان حالات
میں ضمیر اور حق کے خلاف کام کرنے سے خدا اور مخلوق سے شرماتا ہے نہ کہ ایک کاتب وحی
صحابی جنکو اللہ نے ارتداد و کفر سے بچائے رکھا ہوا انکو تو اور بھی خدا سے اور مخلوق سے شرم کا
احساس رہا ہوگا۔ امیر معاویہ نے ان مشوروں کو اور یزید کے دن رات کے مشاغل
کو معلوم کرنے اور سننے کے بعد پھر غور کیا تو بھی وہی فیصلہ بحال رکھنا مناسب معلوم
ہوا۔ اس لئے جناب امیرؓ نے اب آخری طور پر اہل شام۔ اہل کوفہ۔ اہل بصرے
یزید کے لئے اپنے ہاتھ پر بیعت لی (خضری ج ۲ ص ۱۱۱) اس کے بعد مدینہ منورہ چلے
چونکہ امیر معاویہ سخاوت بہت کرتے تھے اور فخری جیسے سبائی تاک کی شہادت
ہے کہ قریش کے اعلیٰ ادنیٰ اور مدینہ کے لوگ اکثر امیر معاویہؓ کے پاس.....
پہلے بھی جاتے تو آپ انکو عطیات سے مالا مال کر دیتے تھے۔ اسی طرح آپ نے اس
سفر میں بھی اہل حاجات کو زر و مال تقسیم کیا۔ اس کو یہ سمجھنا کہ وہ اکابر ملت کے
منہ سیم و زر کے ان ٹکڑوں سے بند کرنا چاہتے تھے (تاریخ ملت سوم ص ۲۵) معاصر
مورخین مجھے معاف کریں یہ خالص سبائی ذہنیت اور امیر معاویہ پر رشوت و بددیانتی
کا صریح الزام ہے۔ ایسی روایت کو مزہ لے لیکر بیان کرنے والے ناقلین اور
منقول عنہ ممکن ہے اسکے اخروی نتائج کے لئے پوری طرح آمادہ ہوں میرے
نزدیک تو انکا انکار کر دینا یا انکی کوئی مناسب توجیہ کر لینا زیادہ صحیح اور اسلامی

طریقہ ہوگا جیسا میں نے کیا ہے۔ بہرحال مدینہ منورہ کے پانچ حضرات ابن ابی بکر
ابن عمر۔ ابن علی۔ ابن عباس۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالے عنہم امیر معاویہ کے
آنے کی خبر سنکر مکہ تشریف لے گئے امیر معاویہؓ سمجھ گئے کہ یہاں کے لوگ بلاوجہ عزیز
کی مخالفت پر آمادہ ہیں اس لئے آپ نے اہل مدینہ کے سامنے تقریر کی
اور صاف اپنی پالیسی کا اظہار کردیا فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ یزید کی
بلاوجہ مخالفت پر آمادہ ہیں اور مخالفت سے باز نہیں آتے میں صاف صاف
بتائے دیتا ہوں کہ اگر وہ باز نہ آئے تو انکو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدیا جائے گا۔" (خضری
ج ۲ ص ۱۱۵) اس کے بعد آپ مکہ تشریف لے گئے تاکہ (بقول ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۲) پہلے
ان اکابر پنجتن کو بلاوجہ مخالفت سے روکیں چنانچہ ان سے ملاقات ہونے پر آپنے
چاہا کہ بیعت کیلئے شروع ہی سے سنت علوی پر یعنی سختی پر عمل نہ کریں بلکہ پہلے ان سے
نرمی سے کام لیں مگر جب نرم گفتگو۔ سمجھانا۔ رعایت اور عطیات سے بھی وہ لوگ
نہ مانے تب آپنے سنتِ علوی پر عمل کرنا چاہا چنانچہ ان سب کو جمع کرکے صاف صاف
کہا "اب تک تو میں نے نرمی سے کام لینا چاہا تھا چنانچہ بعض وقت ایسا بھی ہوا
کہ میں بولنے لگتا تو آپ میں سے کوئی اٹھتا اور مجھے جھٹلاتا اور میں حلم سے کام لیتا
لیکن اب میں آپ کی یہ جرأتیں اپنے سامنے برداشت نہیں کرسکتا آپ اپنی جانوں
پر رحم کیجئے بلاوجہ مخالفت نہ کیجئے میں مجمع عام میں تقریر کرنے جارہا ہوں آپ بھی
وہاں موجود رہیں گے مگر ایک لفظ بھی نہیں بولیں گے، خاموش رہیں گے اور اگر
کوئی صاحب بولے تو میری تلوار انکی زبان سے پہلے چلکر انکا اور انکی بات کا خاتمہ
کردے گی۔"

یہ کہکر آپ ان پنجتن کو لے کر مجمع عام میں آئے اور آپ نے تقریر کی اور یزید کے لئے بیعت کرنے کی دعوت دی اور یہ کہا کہ ان بزرگوں نے بھی بیعت کرلی ہے اس لئے سب نے عام طور پر بیعت کرلی"۔ سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۱ میں ہے کہ یہ روایت ابن اثیر کی ہے لیکن طبری (ج ۷ ص ۱۷۱) میں یہی بات اس طرح لکھی ہو کہ پہلے بیعت عام ہوئی اسکے بعد جناب امیر نے "ان پنجتن" سے بیعت کو کہا تو انھوں نے ابن زبیر کو اپنا نمایندہ بنایا اور انھوں نے وہی ایک اختلاف کیا کہ آپ سنت شیخین پر اس معاملہ میں عمل کیجئے۔ شراب نوشی کا خدا کے حلال کو حرام وبالعکس کرنے کا ذکر بھی نہیں کیا۔ جناب امیرؓ نے کہا اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ ابن زبیرؓ نے کہا جی نہیں اسپر دونوں میں سخت گفتگو ہوئی (سیر الصحابہ ج ۶)۔

میں کہتا ہوں ابن اثیر کی روایت بجنسہٖ مان لینے میں جناب امیر معاویہ پر

میرا خیال ہے کہ امیر معاویہ کی دعوت بیعت پر جو مدینہ کے پنجتن کو اعتراض رہا تو اسکی تہ میں حضرت ابن زبیرؓ ہی اصل مخالف تھے اور ابن علیؓ کو جو مخالفت تھی وہ ان سے کم بہرحال یہی دو حضرات بقیہ تینوں حضرات کو اپنا ہمنوا بنائے ہوئے تھے لیکن جیسے جیسے ان تین حضرات کی سمجھ میں باتیں آتی گئیں وہ بیعت کرتے گئے کیونکہ کوئی وجہ شرعی مخالفت کی نہ تھی۔ اگر یزید میں بادہ نوشی کا فسق شرعی ہوتا تو اس سے بہتر کونسا موقع تھا کہ اسکا اظہار کرتے مگر پنجتن میں سے کسی نے بھی اس بنا پر اختلاف نہیں کیا کہ یزید شراب پیتا ہے۔ ۱۲

دروغ گوئی اور فریب دہی کا کتنا بڑا الزام آتا ہے۔ ہاں اگر کسی کا مقصد اور مذہب ہی یہی ہے تو وہ جانے میرے نزدیک تو اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو اسکی تاویل مناسب کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ امیر معاویہ نے خود تو یہ نہیں کہا کہ ان بزرگوں نے بیعت کر لی ہے کیونکہ یہ تو صریح کذب تھا، بلکہ لوگوں نے دیکھا کہ یہ پنجتن بھی امیر کے ساتھ ہیں اور خاموش ہیں اسلیئے لوگوں نے خود ہی یہ سمجھا کہ یا تو یہ لوگ بیعت کر چکے ہیں یا یزید کی بیعت سے انھیں کچھ اختلاف نہیں ہے یہ تاویل بشرط صحت روایت ہے ورنہ یہ روایت کسی طرح قابل اعتماد نہیں سبائیوں نے بات کہیں سے کہیں پہونچا دی ہے۔ جب بقول ابن اثیر جناب امیر سختی پر آمادہ ہو ہی گئے تھے تو انکو جھوٹ بولنے اور لوگوں کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی؟ بہر حال میری اس قرین عقل اور قرین انصاف اور قرین ایمان تاویل کی صورت میں ایک صحابی کے دامن تقدس سے الزام دور ہوا جاتا ہے ورنہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو ہم حیران ہیں کہ خود ان پنجتن کے کیریکٹر کے بارے میں کیا رائے قائم کیجائے کہ یہ جس چیز کو "اسلام کی مخالف، دین سے خارج" سمجھ رہے تھے اس پر امیر معاویہ کی ایک دھمکی میں سب جان کے خوف سے چپ ہو کر رہ گئے اسلام مٹتا رہا اور صدیق اکبر کے بیٹے اور صحابی۔ فاروق اعظم کے بیٹے اور صحابی۔ حیدر کرار کے بیٹے نواسۂ رسول اور صحابی۔ عباس اور زبیر کے بیٹے اور صحابی۔ یہ سب کے سب صحابی خاموش بیٹھے دیکھتے سنتے رہ گئے؟ کیا ان سب کا دین تقیہ تھا؟ اور خاصکر حضرت حسینؓ اور امام ابن زبیرؓ کو کیا کہا جائے کہ ابن زبیرؓ بعد شہادت حسین کہیں پبلک کے سامنے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یزید شراب پیتا ہے (تاریخ ملت سوم ص ۹۱)

اور حسینؓ مقام بیضہ میں پبلک کے سامنے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ "بنی امیہ نے شیطان کی اطاعت قبول کرلی ..... خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کردیا اس لئے مجھے ان باتوں پر غیرت آنے کا زیادہ حق ہے" (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۲۴۱ روایت ابو مخنف شیعی بحوالہ طبری ج ۷ ص ۳۰۰ وابن اثیر ج ۴)

اول تو شاید یہ آخری جملہ ابن اثیر میں ان الفاظ میں ہے "انا احق من غیری" یعنی میں بمقابلہ کسی دوسرے کے اسکا (غالبا خلیفہ ہونے کا) زیادہ مستحق ہوں خیر اسے چھوڑیئے ان دونوں حضرات کو شہادت فی سبیل اللہ اور افضل الجہاد[1] حاصل کرنیکا موقع اس سے بہتر اور کونسا مل سکتا تھا کہ اٹھکر امیر معاویہؓ کے سامنے صاف کہتے کہ یزید شراب پیتا ہے اور مسجد میں شراب پیتا ہے۔ ماں بہن[2] کے ساتھ نکاح کیے ہوئے ہے" اسکو آپ امت محمدیہ پر خلیفہ بناکر اسلام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ہم جیتے جی ایسا نہ ہونے دیں گے" اس پر غالباً حضرت معاویہ انکو قتل کردیتے پھر دوسرے صاحب اٹھتے اور وہ بھی شہید ہوجاتے بس پھر تو اس پر ساری محفل

---

[1] حدیث ہے "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر"

[2] یزید پر عوام میں مشہور اعتراضات والزامات میں سے یہ بھی ہے اور یہ کہ بیعت لینے کے وقت بھی اسمیں یہ فسق علانیہ موجود تھے۔ مورخین تو خیر یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ اسے اپنی حکومت کے لئے ووٹ لینے تھے اس لئے امیر معاویہ کی دعوت بیعت کے وقت اپنی بعض جائز آرام طلبیاں اور عشرتیں بھی چھوڑ کر اپنی اصلاح کرلی تھی مگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جی نہیں وہ فاسق مجاہر تھا

انکا امیر معاویہ کی بوٹی بوٹی نوچ کر پھینک دیتی اور ان کی ساری اسکیم دھری کی دھری رہ جاتی۔ مگر کسی صاحب نے کچھ نہ کیا اب یا تو حسین و عبداللہ پر مداہنت۔ اخفائے عیب۔ عدم نصح المسلمین وغیرہ کے الزامات عائد ہوتے ہیں ورنہ پھر اسکی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اختلاف کی بنیاد خود گھری اور دینی اور شرعی نہ تھی۔ اگر تھی تو ...... سنت خلفاء کے خلاف ہونے کے باعث صرف خلاف اولیٰ تھی اور بس کہ مسلمان اسوقت تک اس سے مانوس نہ تھے ورنہ خود یہ صورت جائز تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے آخری وقت میں یزید کو حسب ذیل وصیت لکھوائی اس لئے کہ وہ اسوقت دمشق میں موجود نہ تھا۔

"میں نے تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ جتنی روکاوٹیں تھیں سب دور کر دیں۔ بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے۔ اس کا شکریہ اپنے عمل سے ادا کرو کہ اہل حجاز پر مہربانی کرتے رہنا۔ انکی خبر گیری کرنا کیونکہ تم انھیں کے خاندان سے ہو۔ اہل عراق فتنہ پرداز ہیں وہ عامل (گورنر) بدلنے کو کہیں گے تو بدلتے رہنا ورنہ انکی تلواریں تمھارے خلاف چمکنے لگیں گی۔ اہل شام پر اعتماد کرنا۔ ضرورت پر کام لینا۔ جب کام لے چکو تو انکو انکے وطن واپس بھیج دینا۔ خلافت کے معاملہ میں چار آدمیوں سے اندیشہ ہے۔ حسین ابن علیؓ عبداللہ ابن عمرؓ۔ عبداللہ ابن زبیرؓ۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ابن عمر کا میلان عبادت کی طرف زیادہ ہے۔ جب دوسرے لوگ

تمھاری بیعت کریں گے تو انھیں بھی انکار نہ ہوگا۔ حسین ابن علی سادہ مزاج بھولے ہیں۔ اہل عراق انھیں تمھارے خلاف کھڑا کیئے بغیر نہ مانیں گے اگر وہ تمھارے مقابلہ پر آئیں اور تم کامیاب ہو تو درگذر سے کام لینا کہ وہ ہمارے قریبی عزیز بھی ہیں اور حضورؐ کے نواسہ بھی ہیں انکا ہمپر بڑا حق ہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکر کی توجہ عیش و آرام (اور بقول خضری عورتوں اور رسلامؑ کی طرف ہے جیسا وہ دوسروں کو کرتے دیکھیں گے خود بھی کریں گے البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چال چلے گا وہ عبداللہ ابن زبیر ہیں وہ مقابلہ کریں اور تم کامیاب ہو تو انکے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لیکن ویسے جہاں تک ممکن ہو قوم کو خونریزی سے بچانا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۲ و خضری ج ۲ ص ۲۲)

(مگر اس کے متعلق مورخ جلیل علامہ محمود احمد عباسی امروہوی کی تحقیق قابل ملاحظہ ہے) یزید کو ولیعہد بنانے کی بیعت لینے کے چار سال بعد امیر معاویہؓ کا انتقال دمشق میں شب معراج میں ۲۶ رجب سنہ ۶۰ھ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۷) کو بعمر ۷۵ یا ۷۸ سال ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپکی گورنری ۲۰ سال اور خلافت ۲۰ سال رہی آپکے پاس حضورؐ کا کرتہ تھا اسکا آپکو کفن دیا گیا اسکے علاوہ حضور کا تراشہ ناخن بھی آپ رکھے ہوئے تھے اسے حسب وصیت دونوں آنکھوں میں بھر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

۱؎ خضری نے یکم رجب سنہ ۶۰ھ، ۷ اپریل ۶۸۰ء تقریباً، لکھا ہے۔

فصل سوم

جنگ کربلا

یزید ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ کو تخت نشین ہوا ادھر سنہ ۶۰ھ میں ابن زبیرؓ نے امیر معاویہؓ کی وفات کے فوراً بعد خلافت کا دعوا کیا، یزید نے اپنے والد کی نصیحت و وصیت پر عمل کرنے کے لئے پہلے ان چاروں کی طرف توجہ کی وہ تاریخ میں سن چکا تھا کہ سیدنا علیؓ نے سب سے پہلے ابن عمرؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور سعد بن وقاصؓ ہی سے بیعت لینی چاہی، کسی سے بزور شمشیر بیعت لی کسی کے انکار پر ضامن طلب کیا کیونکہ انہیں سے آپ کو اندیشہ تھا اس لئے اس نے بھی اسی پر عمل کرنا چاہا کہ پہلے مدینہ کے ان پنجتن سے بیعت دوبارہ لے لی جائے تاکہ احتمال بالکل دور ہو جائے چنانچہ اس نے والی مدینہ کو .... (ان دنوں مروان کی جگہ ولید تھا)۔ لکھا کہ پہلے ان پنجتن سے بیعت لو اس کے بعد پبلک سے دوبارہ بیعت لینا ابن ابی بکرؓ اور ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ نے تو بیعت کر لی جب سیدنا حسینؓ کو بلایا گیا تو آپ چند آدمی لے کر گورنر کے یہاں گئے اور آدمیوں کو دروازہ پر یہ سمجھا کر چھوڑ آئے کہ جب میری آواز سننا تو سمجھ لینا کہ کچھ خطرہ ہے اس وقت تم اندر چلے آنا (تاریخ ملت سوم ص ۵۵) یہ کہہ کر آپ اندر گئے، اس وقت ولید اور مروان دونوں موجود تھے ولید نے پہلے وفات معاویہؓ کی اطلاع کی، اس پر آپ نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور اظہار افسوس کیا پھر یزید کا حکم سنایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ جیسے آدمی کا خفیہ

بیعت کر لینا مناسب نہیں آپ پہلے عام لوگوں سے بیعت لیجئے میں بھی ان کے ساتھ آؤنگا اس وقت جو سب کی رائے ہو گی وہی کیا جائیگا (خضری ۲ ص ۱۲۴ کامل ابن اثیر ص ۲۶۴ میں بھی تھوڑے سے تغیر سے یہ روایت موجود ہے) اس کے بعد آپ رخصت ہو کر چلے آئے اور اسی شب میں مکہ چلے گئے رخصت ہونے کے وقت محمد بن حنفیہ نے بہت سمجھایا کہ مدینہ نہ چھوڑیئے مگر آپ نے نہ مانا۔ راستہ میں ابن مطیع نے بہت سمجھایا کہ مکہ سے اگر کہیں جانے کی نیت ہو تو سب جگہ جائیگا مگر کوفہ نہ جائیگا لیکن آپ نے نہ مانا۔ یہاں دو تین باتیں پھر ذہن کے سامنے نمایاں کر کے رکھ لیجئے،

۱۔ اس وقت تو امیر معاویہ اور ان کی دھمکی بھی نہیں تھی اس وقت ولید اور مروان کے سامنے یزید کے فسق شرعی شراب نوشی۔ خدا کے حلال کو حرام و بالعکس کرنے کے اظہار سے اور اپنے انکار کی دینی وجہ بتلانے سے سیدنا حسین رضؓ کو کونسی چیز مانع تھی۔ سیدنا حسین رضؓ کی یہ بڑی سخت سیاسی غلطی تھی اور اگر در حقیقت یزید فاسق شرعی بھی تھا تب تو سیدنا حسین رضؓ نے دینی غلطی بھی کی کہ کلمہ حق سے خاموش رہے اور کتمان حق کیا"

۲۔ سب مورخ متفق ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ "سب لوگوں کے ساتھ میں بھی آؤنگا اس وقت جو سب کی رائے ہو گی وہی میں بھی کرونگا" اس جگہ جہاں یہ بات نکلتی ہے کہ اگر پبلک نے مخالفت اور انکار کیا تو میں بھی انکار کرونگا وہیں اور اتنے ہی امکانات کے ساتھ یہ پہلو بھی صاف نکلتا ہے کہ اگر سب لوگ بیعت کر لینگے تو میں بھی یزید کی بیعت کر لونگا

اس کے بعد ذرا انصاف کیجئے کہ مصنفین، مؤرخین، واعظین کا یہ سمجھنا کہ سیدنا حسینؓ یزید کی بیعت کو ناجائز جانتے تھے کیا وزن رکھتا ہے؟ اور خضری کا یا بعض دیگر مصنفین کا یہ لکھنا کہ سیدنا حسینؓ کا یہ قول مشہور کہ میں یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرلونگا یہ غلط ہے (خضری ج ۲ ص ۱۲۸) اس کا بھی کیا وزن رہ جاتا ہے! اول تو سفر کوفہ میں سیدنا حسینؓ کے بیعت یزید پر راضی ہونے کا ذکر چھ مورخین نے کیا ہے ان چھ مورخین کے آگے ان ایک دو منکرین کا تفرد یقیناً قابل اعتبار نہیں ہے لیکن اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ سفر کوفہ میں سیدنا حسینؓ نے بیعت یزید پر آمادگی نہیں ظاہر کی تھی تو اس وقت ولید کے سامنے اس ارادۂ بیعت کون اور کیسے انکار کرسکتا ہے؟

۳۔ سیدنا حسینؓ کا کچھ آدمیوں کو ساتھ لیجانا اور ان کو پہلے سے کچھ سمجھا دینا اگر صحیح ہے تو اس سے حضرت حسینؓ کے خیالات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے اس کے بعد امام ابن زبیرؓ کو بلایا تو انھوں نے[1] ایک دن کی مہلت مانگی اور راتا رات ایک غیر مشہور راستہ سے مکہ چلے گئے، دوسرے دن ولید نے انھیں بلانے کو آدمی بھیجا معلوم ہوا کہ وہ رات ہی سے گھر میں نہیں ہیں کہیں چلے گئے ہر چند تلاش کرایا مگر نہ ملے ابھی اہل مدینہ اور اہل مکہ نے دوبارہ بیعت یزید کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا تھا۔

شر وفتنہ کا آغاز کوفہ میں جب یزید کی بیعت کا ہنگامہ شروع ہوا تو شیعیان علیؓ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے انھوں نے کافی غور و خوض کے بعد یہ طے کیا کہ یزید کی بیعت کرنے کے بجائے سیدنا حسینؓ کی بیعت

---

[1] کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب ابن زبیرؓ کے پاس ولید کے قاصد بار بار آئے تو انھوں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا اور ان کے بھائی ہی نے ولید سے گفتگو کر کے کہا "ھو یاتیک غدا انشاء اللہ خدا نے چاہا تو وہ کل تم سے ملینگے" اس روایت سے امام ابن زبیرؓ کی پوزیشن اور صاف ہوجاتی ہے ۱۲

کی جائے اور اس کے لئے آپ کو مسلسل خطوط لکھے جائیں تاکہ آپ کوفہ ضروری چلے آئیں، کتاب امامت و سیاست میں ایک خط کی نقل بھی لکھی ہے جو ہم رسالہ الحرم شہید کربلا نمبر سے نقل کرتے ہیں :-

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ظالم، جابر، غاصب، دشمن کو ہلاک کیا۔ ہم بغیر امام کے ہیں، آپ تشریف لائیں تاکہ ہم آپ کے ذریعہ حق پر جمع ہو جائیں۔ ہم والی کوفہ کے پیچھے نہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں نہ عید کی، جیسے ہی ہمیں آپ کی آمد کی اطلاع ملیگی ہم اُسے شام کی حدود میں ڈھکیل دینگے"

(الحرم شہید کربلا نمبر ص ۷۵)

اس طرح ڈیڑھ سو خطوط انھوں نے سیدنا حسین رضؓ کو لکھے کہ بقول مورخ دینوری کے دو تھیلے بھر گئے۔ سیدنا حسین رضؓ نے ان خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا :-

"میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں اور ان کو سمجھا دیا ہے کہ وہ وہاں کے صحیح حالات سے مجھے اطلاع دیں پس اگر انھوں نے یہ لکھا کہ آپ تمام لوگ میری خلافت کے لئے مضطرب ہیں تو میں پھر انشاء اللہ بہت جلد چلا آؤنگا اور بخدا حقیقت تو یہ ہے کہ امام کو قرآن پر عامل انصاف کرنیوالا دیانتدار ہی ہونا چاہیئے، والسلام"

مکہ میں جب امام ابن زبیر رضؓ کو ان خطوط کا حال معلوم ہوا اور یقین ہو گیا کہ اہل عراق سیدنا حسین رضؓ کی مدد کرینگے اور آپ وہاں جانیوالے ہیں تو امام ابن زبیر رضؓ نے دو تین بار حضرت حسین رضؓ سے مکہ ہی میں رہنے کے لئے کہا مگر حسین رضؓ نے ہر بار انکار کیا (کامل ج ۳ ص ۲۷۵) اس کے

لہ نعوذ باللہ یہ صاف تبرّا ہے حضرت معاویہ کے لئے، حضرت حسین رضؓ نے نہ کہا ہوگا،

بعد انھوں نے بھی آپ کو کوفہ جانے ہی کا مشورہ دیا شاید اس لئے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ حسینؓ مکہ میں رہیں،

آگے بڑھنے سے قبل یہاں چند باتوں پر غور کر لیجئے :۔

۱۔ امیر معاویہؓ کے سامنے اگرچہ کوفہ مکہ مدینہ کے لوگ اپنا وفد بھیج کر یزید کے لئے بیعت کر چکے تھے اور اس لئے بظاہر اب پبلک یا پنجتن مدینہ کے دوبارہ بیعت کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن یزید نے غالباً اُسے کافی نہیں سمجھا اُس نے اب دوبارہ از سر نو بیعت لینی چاہی۔ اُس نے تو شاید یہ فعل مزید احتیاط کے لئے کرنا چاہا مگر یہ اُس کی بڑی سیاسی غلطی تھی اس لئے کہ یہ تشویش اور اختلاف کو از سر نو اٹھانا اور جھگڑوں کے چھتے کو چھیڑنا تھا،

۲۔ اگر فی الواقع کوفہ والوں کا کوئی خط سیدنا حسینؓ کے پاس اُن الفاظ میں بھی گیا تھا جس کی نقل اوپر گذری اور اگر سیدنا حسینؓ نے واقعی ایسے خطوں پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تو سخت تعجب ہے میرا ذوق ایمانی مجھے یہ سمجھاتا ہے کہ سیدنا حسینؓ نے ضرور اس خط کے مضمون پر لکھنے والے کو حسب ذیل تنبیہیں فرمائی ہونگی جو کہ کم مایہ تاریخ کے پاس محفوظ نہ رہ سکا ہوگا کہ :۔

(الف) تم نے معاویہ کو غاصب اور میرا دشمن کہا یہ سخت جسارت اور بے ایمانی ہے، وہ انتقال خلافت اور صلح سے خلیفہ برحق ہو گئے وہ صحابی رسول قوی الایمان تھے اور ہمارے عزیز تھے،

(ب) والی کوفہ نعمان بن بشیر نے کیا قصور کیا ہے کہ تم ان کے پیچھے نماز جمعہ و عید نہیں پڑھتے؟ یہ آخر تم لوگ اپنے آپ کو خود ہی اہل سنت والجماعت سے کیوں خارج کئے

لے رہے ہو" صلوٰا خلف کل برّ و فاجر تو حدیث کا حکم ہے، خبردار جمعہ و جماعت نہ چھوڑو یہ بات دینی حکم کے بھی خلاف ہے اور ہماری تمہاری دُنیوی مصلحت کے بھی خلاف ہے کہ ابھی سے تم والی کوفہ کو اپنا مخالف اور اپنے کو حکومت کی نظروں میں مشتبہ بنائے ہو اس کے بعد جو تم مجھے بلانا چاہتے ہو تو کیا تم حکومت کی نگاہ میں مجھے بھی شروع ہی سے مشتبہ بنا دینا چاہتے ہو؟

(ج) یہاں خود سیدنا حسینؓ کے اپنے اقرار و اعتراف سے واضح ہے کہ سیدنا حسینؓ جو کوفہ تشریف لے گئے تھے وہ صرف اپنی خلافت جمانے کے خیال میں گئے تھے اور اہل کوفہ پر اس کام کے لئے اعتماد کیا تھا اگر یہ صحیح ہے تو یہ سیدنا حسینؓ کی ایسی سخت سیاسی غلطی اور معاملات دنیا سے اس قدر بے خبری اور سادہ دلی اور سرت منو لیانہ تھی کہ اگر یہ معاملہ اور یہ حال کسی دوسرے شخص کا ہوتا تو علماء امت یقیناً یہ فتویٰ دیتے کہ آزمودہ کوفیوں کو پھر آزمانے اور انھیں غداروں کے بل بوتے پر حکومت سے ٹکر لینے چلنا خودکشی اور بغاوت کے مرادف ہے جس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں جیسا کہ حضرت نعمان نے آگاہ بھی کر دیا تھا (تاریخ طبری ملت سوم ص ۶۰) انھیں دو پہلے خطوط لکھنے والے معززین اہل کوفہ کو آگے چل کر آپ دیکھینگے کہ سیدنا مسلم کو اور پھر سیدنا حسینؓ کو حکومت کے سامنے بیکس چھوڑ کر خود صاف الگ ہو گئے اس وقت آپ شاید یہ کہنے لگینگے کہ ابن زیاد کی دھمکی سے ڈر کر انھوں نے ایسا کیا! مگر خدا کے لئے ان اہل کوفہ سے اس قدر حسن ظن نہ رکھئے کہ وہ خطوط لکھتے وقت تو آپ کے طرفدار دوست تھے اور اچانک عین موقع ضرورت ڈر کی وجہ سے آپ سے الگ ہو گئے گویا قدرت نے کوئی ہوا ایسی چلا دی تھی جس سے یہ مردان میدان، یہ بہادران کوفہ، یہ دلیران جگردار، یہ خیر خواہان آل علیؓ سب کے

سب یکایک قلب کے دوروں میں مبتلا ہو گئے تھے یا یہ کہ ان کا فرار بے اختیار آنہ تھا کیونکہ قدرت کی جانب سے اس کا کوئی سبب پیدا ہو گیا ورنہ وہ لڑنے مرو لاحول ولاقوۃ، واقعہ ہو چکنے اور اس کے اسباب و نتائج کے بالکل صاف سامنے آجکنے کے بعد اب آپ انصاف سے آخر گریز کیوں کرتے اور عقل پر پھپھوندی کیوں جماتے ہیں؟ خوب غور کر کے سمجھ لیجئے کہ یہ اہل کوفہ وہی شیعیان علی اور سبائی اور ان کے حلیف ہیں جنھوں نے علیؓ اور حسنؓ کو شہید کیا، زندگی بھر پریشان رکھا تھا اب حضرت حسینؓ کو انھوں نے خط لکھتے ہی وقت کی ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت قتل اور صرف قتل کرانے کے لئے بلایا تھا۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ○

بہرحال حضرت مسلم کو یہ خط دے کر آپ نے کوفہ بھیجا حضرت مسلم کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید ثقفی کے گھر ہی ٹھہرے، والی کوفہ حضرت سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے انھوں نے خبر سنی کہ حضرت مسلم آئے ہیں اور یزید کے خلاف سازش کر رہے ہیں تو انھوں نے منبر پر جا کر صاف یہ اعلان کیا:۔

"مسلمانو! امت میں تفریق نہ ڈالو، یاد رکھو اس میں لوگ قتل کر دئے جاتے ہیں اور خونریزی ہوتی ہے لیکن اگر تم یزید کی مخالفت کرو گے تو جب تک میرے ہاتھوں میں تلوار رہے ہیں تمہیں قتل کرتا رہونگا" (خضری ج ۲ تاریخ ملت سوم صفحہ ۲۰) یہ ایک صحابی رسول کی نصیحت مسلمین تھی، فرض منصبی کی ادائگی تھی، شرعی فتوا تھا اُسے بدباطن کوفی تو بھلا کیوں سنتے افسوس یہ ہے کہ حضرت مسلم نے بھی اس پر توجہ نہ کی،

لے خوب یاد رکھیے کہ نعمان بن بشیرؓ صحابی نے حضرت مسلم کو اور ابن عمرؓ صحابی رسول نے حسینؓ و عبداللہؓ کو مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کا مجرم قرار دیا ہے

حضرت نعمانؓ بن بشیر نے یزید کو بھی اس کی اطلاع دی اور لکھا کہ اگر آپ چاہتے ہوں کہ کوفہ کے حالات بد سے بدتر نہ ہوں تو پھر میری جگہ کسی زوردار آدمی کو بھیجئے، یزید نے عبیداللہ بن زیاد والی بصرہ کو کوفہ کا چارج بھی دے دیا اور اسے حکم دیا کہ جلد سے جلد کوفہ پہونچو۔ ابن زیاد کوفہ پہونچا اور بعض مورخ کے الفاظ ہیں بغیر فوج وسپاہ کے منہ ڈھانکے ہوئے پہونچا تو کوفی لوگوں نے ابن زیاد کو سیدنا حسینؓ سمجھا اور مرحبا یا ابن رسول اللہ کہہ کر اس کا استقبال کیا۔ یہاں ٹھہر کر ذرا غور کیجئے کہ ابن زیاد پر سیدنا حسینؓ کا شبہ کرنا اللہ اکبر! کتنا سخت فریب ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نعمانؓ کو بھی حضرت مسلم کے آنے کی خبر خود انھیں منافق اہل کوفہ ہی نے دی تھی اب وہی اہل کوفہ ابن زیاد کو خوب اچھی طرح پہچان کر قصداً ایسے بن گئے گویا نہیں پہچانا اور انھوں نے اُسے سنانے کے لئے قصداً السلام علیک یا ابن رسول اللہ کے الفاظ کہے گویا اس پردہ میں نہایت چالاکی سے ابن زیاد کو داخل کوفہ ہوتے ہی اس کی اطلاع کردی کہ یہاں سیدنا حسینؓ آنے والے ہیں ورنہ اہل کوفہ کو تو سیدنا مسلمؓ کے ذریعہ معلوم ہی ہو چکا تھا کہ سیدنا حسینؓ اکیلے نہیں بال بچوں کے ساتھ آرہے ہیں تو وہ یکہ و تنہا شخص کو حسینؓ کیسے سمجھ لیتے اس کے علاوہ اہل کوفہ کا ان کا نہ پہچاننا (جبکہ ان کا بچپن حضرت علیؓ کے ساتھ کوفہ ہی میں گذرا تھا) بھی عجیب تھا اور حضرت مسلمؓ وغیرہ کا ان کی آمد سے اس قدر بے خبر رہنا اور استقبال کو نہ نکلنا اس سے بھی زیادہ تعجب خیز تھا اسی طرح ہر بات کی خبر جو ابن زیاد کو مل جاتی تھی تو وہ خود اہل کوفہ ہی جا جا کر اس سے کہہ آتے تھے گویا چور سے کہتے چوری کر واور صاحب خانہ سے کہتے جاگتے رہو یہ تھی ان سبائی اہل کوفہ کی سیرت جنھوں نے سیدنا حسینؓ کو بلایا تھا۔ تو بلانے کا مقصد ان کو امام بنانا نہیں تھا بلکہ اسی طرح حکومت کے سامنے باغی بنا کر

لہ یہ روایت مصنف تاریخ ملت سلیم نے ص ۶۰ پر بغیر کسی حوالہ کے لکھی ہے مگر کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۷ پر ہے کہ یزید کو اس کی اطلاع دینے والا اور دوسرے گورنر کا مطالبہ کرنے والا عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی تھا،

پھیلا کر دیتا تھا اور حضرت حسینؓ اپنی سیرت متولیانہ کے باعث کوفیوں کو پہچان نہ سکے،
ابن زیاد ایک جابر گورنر تھا اس نے کوفہ میں اعلان کیا:۔

"کوفیو! امیر المومنین نے اب مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنایا ہے میں
دوستوں کے لئے بھائی مگر دشمنوں کے لئے زہر ہوں لہذا اپنی اپنی
جانوں پر تم لوگ خود رحم کرو"۔

اس کے بعد اس نے ہر میر محلہ کو حکم دیا کہ اس کے محلہ میں جتنے پردیسی یا مشتبہ لوگ موجود ہیں ان کی فہرست جلد سے جلد میرے پاس بھیجو اگر کسی میر محلہ نے اس کے خلاف کیا، اور اس کے محلہ میں کسی نے حکومت کے خلاف کوئی حرکت کی تو اُسے اسی کے گھر کے دروازہ پر پھانسی دیجائیگی۔ یہ انتظامات سنکر مختار حضرت مسلمؓ کو پناہ دینے سے گھبرایا تو وہ مختار کے گھر سے اُٹھ کر رات کے وقت ہانی کے گھر پہنچے کہ میں تمہارے یہاں رہنا چاہتا ہوں وہ بیچارہ بھی بہت پریشان ہوا۔ اور بہت سے شیعیانِ علیؓ بھی اس کے یہاں آتے رہتے تھے تو وہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت مسلمؓ کو ٹھہرائے مگر مروّت میں گھر پر آئے ہوئے مہمان سے بے رخی بھی نہیں برت سکا اس نے اپنے زنانخانہ میں ان کو چھپا کر رکھا۔ ابن زیاد کو اس کا بھی پتہ لگ گیا تو وہ (بقول دینوری) ہانی کے گھر اس بہانہ سے آیا کہ ہانی کے گھر میں ایک بصری رئیس شریک بن اعور آکر ٹھہرا ہوا ہے وہ میرا بھی دوست ہے، شریک نے پہلے ہی مسلمؓ سے کہا تھا کہ جب ابن زیاد آئے تو میں تمہیں اشارہ کرونگا تم اُسے قتل کر دینا (غالباً شریک بھی سبائیان کوفہ کا شریک تھا اور حضرت مسلمؓ کو پھنسانا چاہتا تھا) مگر مسلمؓ اور ہانی نے یہ مشورہ پسند نہیں کیا لیکن شریک اس پر اصرار کرتا رہا اور جب ابن زیاد آیا تو شریک نے اشارہ کیا چونکہ ابن زیاد کو پہلے ہی سے وہاں حضرت مسلمؓ کے چھپنے

کی اطلاع مل چکی تھی اس لیئے ان اشاروں سے وہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے وہ فوراً اٹھ گیا (دینوری ص ۲۳۶) بہر حال ابن زیاد نے ہانی کو بلا کر مسلم کا حال پوچھا تو اس نے انکار کرنا چاہا مگر جب ابن زیاد نے گرفت سخت کی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نے مجبور ہو کر انھیں پناہ دی ہے مجھے خود ان کا اپنے یہاں ٹھہرانا گوارا نہیں خیر اب میں انھیں گھر سے نکال دونگا۔ اس نے کہا نہیں مسلم کو ہمارے سپرد کرو ہانی نے معزز مہمان کو قتل کے لیئے والی کو سپرد کر دینا پسند نہیں کیا تو ابن زیاد نے ہانی کو بہت پٹوایا اور اپنے قلعہ میں قید کر دیا۔ جب یہ خبر مسلمؑ کو پہونچی تو اُنھوں نے میدان میں نکل کر نعرہ لگایا کہ ہمارے ساتھی جمع ہوں، فوراً بارہ یا اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والوں میں سے چار ہزار آدمی میدان میں آگئے۔ حضرت مسلم نے ہانی کی حمایت میں انھیں چار ہزار فوج کے ساتھ قصر حکومت پر دھاوا بول دیا گویا کھل کر حکومت کا مقابلہ کر کے اپنی بغاوت کا ثبوت دیدیا، ابن زیاد کے پاس اس وقت صرف پچاس آدمی تھے وہ بہت گھبرایا مگر اس نے درباریوں کو حکم دیا کہ محل کی چھت پر چڑھ کر اس مجمع کو سمجھاؤ خاص کر تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے اعزا و احباب کو واپس جانے کا مشورہ دے۔ اس تدبیر پر عمل ہوتے دیر نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مسلم کے آس پاس سے وہ تمام غدار فوج یکایک بھاگ گئی صرف تیس آدمی رہ گئے، یہ حالت دیکھ کر اب مسلم کو اپنی زندگی سے مایوسی اور قتل کا یقین ہو گیا تو انھوں نے محلہ کندہ میں ایک ضعیفہ کے گھر میں پناہ لی۔ اس ضعیفہ کے لڑکے نے حکومت کے ڈر سے جاکر ابن زیاد کو اطلاع دے دی کہ مسلم میرے یہاں ہیں ابن زیاد نے مسلم کی گرفتاری کے لیئے عمرو سلمی کو بہت سے آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ انھیں

ہیں حضرت حسنؓ کے برادر نسبتی محمد بن اشعث (یعنی سیدنا حسنؓ کی بیوی جعدہ کے بھائی) بھی تھے، پہلے حضرت مسلم نے عمرو کا مقابلہ کیا جب تھک کر چور چور ہوگئے تو محمد نے امان دی اس پر آپ نے ہاتھ روک لیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے آپ نے فرمایا تم اپنی امان دینے کی یہ ذمہ داری پوری کرنے سے شاید عاجز رہو گے، لہذا تم سے ہو سکے تو میری ایک وصیت پوری کرنے کا وعدہ کرو وہ یہ کہ حسینؓ کے پاس کہلا بھیجو کہ اب یہاں نہ آئیں اس نے وعدہ کیا اس کے بعد جب مسلم ابن زیاد کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ عمر بن سعد بیٹھے ہیں تو اُن سے حسب ذیل وصیت کی اور وعدہ لیا کہ وہ اُسے پورا کرینگے، ابن سعد نے وعدہ کر لیا وہ وصیت یہ تھی کہ :-

۱۔ مجھ پر ایک ہزار درم قرض ہیں وہ تم ادا کر دینا اس لئے کہ تم سے میری قرابت بھی ہے،

۲۔ میری لاش ابن زیاد سے لیکر دفن کر دینا،

۳۔ حسینؓ ابن علیؓ کو قاصد بھیج کر اطلاع دینا کہ کوفہ والے غدار ہیں میرے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی پھر اُسے توڑ بھی دیا۔ اس لئے آپ یہاں نہ آئیے واپس چلے جائیے،

(معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ہی سے وصیت کی تھی) اس کے بعد ابن زیاد کے حکم سے مسلمؒ اور ہانی دونوں کو محل کی چھت پر لیجا کر شہید کر دیا گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ بروز شنبہ کا ہے ابن زیاد نے اس کی اطلاع یزید کو کر دی اور محمد اور ابن سعد دونوں نے حسب وعدہ سیدنا حسینؓ کے پاس قاصد بھیجے ادھر سیدنا حسینؓ نے راستہ سے عبد اللہ نام اپنے رضاعی بھائی کو

خط دے کر مسلم کے پاس بھیجا تھا وہ خط راستہ میں پکڑا گیا اور عبداللہ بھی قتل کر دئے گئے

سیدنا حسینؓ کی روانگی کوفہ

سیدنا حسینؓ کو حضرت مسلم کا پہلا خط مل چکا تھا جس میں اٹھارہ ہزار کوفیوں کی بیعت کی خبر تھی تو آپ نے کوفہ کا ارادہ پختہ کر لیا آپ کے ہمدردوں کو معلوم ہوا تو مکہ میں تین آدمیوں عمروؓ بن عبدالرحمٰن بن حارث۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے یکے بعد دیگرے آپ کو بہت بہت سمجھایا یہ بھی کہا کہ اچھا خود تنہا جائیے اہل و عیال کو لے کر نہ جائیے ورنہ ان کی بھی ہلاکت ہے، کوفیوں کی غداری، زر پرستی، زمانہ سازی اور ابن الوقتی حضرات علیؓ و حسنؓ سے بیوفائی کو بار بار بتایا مگر مشیت خداوندی سیدنا حسینؓ کی افتاد طبیعت کے پردہ میں اپنا کام کر رہی تھی، انھوں نے کسی طرح نہ مانا، اور حج میں شرکت بھی نہ کی بلکہ ۳ ریا ۸ ر ذی الحجہ کو کوفہ روانہ ہو گئے جس دن آپ مکہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے ہیں اسی دن کوفہ میں مسلمؓ شہید ہوئے، راستے میں یکے بعد دیگرے پانچ آدمیوں، فرزدق شاعر۔ عبداللہ بن جعفرؓ حاکم حرمین عمروؓ بن سعید کا امن نامہ اور خوشامد کا خط (کہ کوفہ نہ جائیے آپ کی ہلاکت ہے میں آپ کو امن دیتا ہوں میرے پاس آئیے) پھر عبداللہ بن مطیع اور اس کے بعد شہادت مسلم کی خبر ملنے پر آپ کے ایک ساتھی نے آپ کو اللہ کا واسطہ، اسلام کی عزت کا واسطہ اللہ کی قسم دے کر سمجھایا مگر حصول خلافت، اٹھارہ ہزار کی بیعت، کوفیوں کا تملق آپکو اس طرح اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھا کہ آپ نے کسی کی ایک نہ سنی۔ البتہ حضرت مسلم کی شہادت اور کوفیوں کی غداری کا حال سن کر پہلی بار آپ کو تردد ہوا، اور آپ نے طلب خلافت و امارت کا خیال چھوڑ دیا کیونکہ کوفیوں ہی کے بل

وتے پر اپنے حصول خلافت کا یحکومتِ بنو امیہ کا تخت الٹنے کا ارادہ کیا تھا اب
کوفیوں کی غداری اور فسخ بیعت پر بھی ان امور کے ارادہ پر قائم رہنا صاف اپنے
کو ہلاکت میں ڈالنا تھا (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۸ بحوالہ الفرقان) رہا واپس
ہونے یا آگے بڑھنے کا فیصلہ تو اگر اس وقت بنو عقیل کی خاندانی ضد حائل نہ ہو
جاتی تو میرے نزدیک سیدنا حسینؓ ضرور واپس ہو جاتے اس لئے کہ ان حالات میں
آگے بڑھنے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ ہوا یہ کہ جب سیدنا حسینؓ کے ایک ساتھی نے
قتل مسلم کی خبر سن کر آپ کو خدا کی قسم دی کہ واپس چلئے تو ابھی سیدنا حسینؓ کوئی
جواب نہیں دینے پائے تھے کہ بنو عقیل بول اُٹھے "ہم تو نہ لوٹینگے یا تو مسلم کا بدلہ
لینگے یا اپنی جانیں بھی دینگے" حضرت حسین نے یہ سن کر فرمایا کہ واقعی ان عزیزوں
کے بعد پھر زندگی میں کوئی لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے چلے[1]

یہاں ناظرین آگے بڑھنے سے قبل چند باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تاکہ
ذہن صاف رہے اور انصاف آسان ہو:۔

(الف) مسلم کی شہادت اور کوفیوں کے فسخ بیعت کی خبر سننے کے بعد کوئی
ادنیٰ عقل کا بھی آدمی اپنے سابق عزائم پر قائم نہ رہنا چاہیگا۔ سیدنا حسینؓ بھی
نے بھی اس مرحلہ پر قطعاً اور یقیناً اور حتماً خلافت کا خیال۔ معالم[2] حق کو زندہ
کرنے اور حکومتی بدعتوں کو مٹانے کا خیال چھوڑ دیا تھا گو مجبوراً یعنی اس کے
بعد جو کچھ بھی پیش آیا وہ بے لاگ انصاف کے نزدیک حصول خلافت معالم حق
کو زندہ کرنے اور "بنار لا الہ" بننے وغیرہ کے سلسلہ میں ہرگز ہرگز نہیں تھا

---

[1] یہ پُرشکوہ لفظ سیر الصحابہ جلد ۶ کا ہے۔

اور اگر کوئی صاحب عقیدت کی دیوانگی میں سیدنا حسینؓ کے آئندہ اقدامات کو بھی کسی سابق عزیمت کے تحت میں لانا چاہتے ہیں تو وہ اپنے متعلق عقل سے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں وہ یا تو سیدنا حسینؓ کے بدترین دشمن یا نادان دوست ہیں کہ وہ سیدنا حسینؓ کو اسلامی قانون کے حسب ذیل دفعات کی خلاف ورزی کا مجرم بنانا چاہتے ہیں

۱۔ قرآن میں ہے "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ" یعنی بغیر قوت کے حکومت سے ٹکر لینا،

۲۔ ملکی امن و امان میں خلل ڈالنا حکم حدیث:۔ "مَنْ اَتَاکُمْ وَاَمْرُکُمْ جَمِیْعٌ .... فَاقْتُلُوْہُ (مسلم)

۳۔ اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کو قصداً مصیبت میں پھنسانا جس کا آپ کو کوئی حق نہیں تھا (قتل رات کو ساتھیوں کو واپسی کا مشورہ و اختیار دینا امام حسینؓ کو ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کر سکتا)

۴۔ معاملہ حق جس کا زندہ کرنے کا فریضہ خود اپنے ذمہ لے کر اٹھے اس کے بعد اس سے پیٹھ پھیرنا۔ قرآن میں ہے:۔ "وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ"

(ب) سیدنا حسینؓ نے بنو عقیل کی ضد پر خاموشی سے عمل کیا اور نہ خود ان کے تابع ہو گئے اور مسلمؓ، ہانیؓ، عبداللہ بن یقطرؓ رضاعی بھائیؓ کی شہادتوں سے بھی عبرت حاصل نہ کی اور ان کے ایک جذباتی فقرہ کو سن کر آپ ظاہری مروت میں پڑ گئے حالانکہ اس مختصر سے قافلہ کے امیر آپ تھے نہ کہ بنو عقیل، آپ کو ابن زیاد کی جابرانہ حکومت، تین حمایتیوں کی شہادت سے عبرت حاصل کر کے بنو عقیل کو سمجھانا

برآخر میں ڈانٹنا چاہیے تھا کہ نہیں اس وقت اس کا موقع نہیں ہے مسلم کا بدلہ لینا
نقول سا خیال بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اس سلسلہ میں کس قدر حیرت
انگیز امر ہے کہ اس موقع کے بعد نہ بنو عقیل ہی نے اور نہ حضرت حسینؓ ہی نے کسی موقع
پر (حُر یا ابن سعد کے یا ابن زیاد کے سامنے) کہیں بھی مسلم کے انتقام کا لفظ زبان سے
نہیں نکالا۔ بس ایک وقتی جذبہ تھا جو منہ سے ایک نے کہہ دیا دوسرے نے اس کی تائید
کر دی۔ اس واقعہ سے جہاں سیدنا حسینؓ کی مروّت و فتوت ظاہر ہوتی ہے جو بلاشبہ
اچھے اور قابل تعریف اوصاف ہیں وہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا حسینؓ جذبات سے
مغلوب ہو جاتے تھے یہاں تک کہ اپنے چھوٹوں کی بات کو بھی رد کر دینا ان کے لئے ناممکن
ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز انفرادی زندگی میں خواہ کیسی ہی قابل تعریف ہو مگر
سیاسی زندگی میں بہت بڑی کمزوری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خلافت آپ کو
حاصل ہو جاتی تو وہ خلافت کس قدر ناکام ہوتی! اور امت کا کیا حشر ہوتا!

بہرحال سیدنا حسینؓ آگے چلے یزید کو سیدنا حسینؓ کی روانگی کوفہ کی خبر مل چکی تھی
اس نے ابن زیاد کو تاکیدی احکام بھیجے ابن زیاد نے کوفہ آنے والے ہر راستہ کی ناکہ بندی کر
دی۔ سیدنا حسینؓ مقام ذی حسم تک پہنچے ہی تھے کہ ابن زیاد کا ایک دستہ حُر کی ماتحتی
میں سامنے سے نظر آیا۔ سیدنا حسینؓ اگرچہ پہلے سے ایک چشمہ پر قابض ہو چکے تھے مگر آپ
نے اس کے لشکر کو پانی پینے سے نہیں روکا اس کے بعد آپ نے حُر سے کہا تم لوگوں نے
مجھے بلایا تھا اس لئے میں آیا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تم کو میرا آنا گوارا نہیں تو میں اب
واپس جاتا ہوں یہ کہہ کر آپ نے قافلہ کو حجاز کی طرف لوٹایا۔ حُر نے کہا مجھے اس لئے
بھیجا گیا ہے کہ آپ کو نہ تو کوفہ میں داخل ہونے دوں اور نہ واپس جانے دوں سیدنا حسینؓ

نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے یہ تو جیتے جی ممکن نہیں، حُر نے جواب دیا اگر کوئی دوسرا عرب مجھے یہ جملہ کہتا تو میں اس کا جواب ایسا دیتا کہ وہ بھی یاد کرتا مگر آپ کی والدہ کو میں کیا کہہ سکتا ہوں، یہاں حرؓ سے آپ نے نہ قصاص مسلم کا ذکر کیا اور نہ یزید کی شراب نوشی وغیرہ کا ذکر کیا نہ اپنے خواب کا اور حکم رسول کا ذکر کیا بس صرف اپنی واپسی کا خیال ظاہر کیا اور سخت کلامی کی جو معالمِ حق زندہ کرنے کی نیت والے کے لئے سخت معیوب تھا مگر حُر نے کہا ایسی راہ چلیئے جو کوفہ اور حجاز کے درمیان ہو چنانچہ آپ آگے بڑھے نینویٰ سے آگے بڑھے اور کربلا میں پہونچے تو حُر نے راستہ روک لیا کہ بس اب میں آپکو آگے نہیں بڑھنے دونگا، مجبوراً آپ وہاں ٹھہرے، یہ واقعہ ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کا ہے، شام تک ابن زیاد کا دوسرا لشکر بھی عمرو بن سعد کی ماتحتی میں پہونچ گیا، عمرو نے پڑاؤ ڈالنے کے بعد ایک آدمی بھیج کر سیدنا حسینؓ سے دریافت کرایا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں، یہاں بھی آپ نے نہ تو قصاص مسلم کا ذکر کیا اور نہ خواب میں زیارت رسول و حکم رسول کا ذکر کیا نہ یزید کی شراب نوشی اور خدا کے حلال کو حرام کرنے کا ذکر کیا بلکہ پھر وہی ایک بات شروع سے دُہرا دی کہ "مجھے اہل کوفہ نے خطوط بھیجے کہ ہمارا کوئی امام نہیں آپ آئیے تو ہم آپکے ہاتھ پر بیعت کریں میں اُن باتوں پر بھروسہ کرکے چل پڑا ۱۸ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر میرے لئے بیعت کی پھر میری بیعت توڑ دی یہ بات آتے ہوئے مجھے راستہ میں معلوم ہوئی تو میں نے واپس جانا چاہا مگر حُر نے جانے نہ دیا اب تم سے کہتا ہوں چونکہ تم میرے رشتہ دار بھی ہو کہ مجھے مدینہ واپس جانے دو[1] یہ دوسرا موقع ہے کہ آپ نے حصول خلافت کے خیال سے دست برداری اور معالم

---

[1] کامل میں ہے کہ تمہارے ہی شہر والوں نے مجھے لکھا تھا کہ میں انکے پاس آؤں اب اگر ان کو مجھ سے انحراف ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں (ج ۴ - ص ۲۸۳)

حق کو زندہ کرنے اور بدعتوں کو مٹانے کی راہ سے واپسی کا اظہار کیا جو "بنا ر لا الہٰ الا اللہ" بننے والے کے لیئے دینِ محمدی کی رو سے حرام تھا یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ابن سعد تنہا نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ یزید اور ابن زیاد کے جاسوس بھی لگے تھے اگر سیدنا حسینؓ ابن سعد کو اپنا رشتہ دار ہونے کے اعتماد پر آنے کی غرض تنہائی میں کہتے تو بات دوسری تھی مگر آپ نے تو سب کے سامنے اقرار کر لیا کہ :۔

(الف) میں کوفہ والوں سے بیعت لینے اپنی خلافت جمانے اور حکومت کا مقابلہ کرنے آیا تھا۔

(ب) میرے لیئے مسلم کے ہاتھ پر ۱۸ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی تھی اگر یہی باتیں کوئی شخص کسی حکومت کے افسر سے کہے تو آپ خود انصاف فرمایئے یا کسی سے بھی پوچھ دیکھئے کیا جواب ملتا ہے وہ یہی جواب دیگا کہ یہ باتیں اپنے باغی ہونے کا اظہار ہیں دنیوی قانون میں (خواہ وہ شریعت محمدی کے مطابق ہو یا مخالف) صاف اقرار بغاوت ہے اور حکومت کا مقابلہ اور اس کا اعتراف ہے اپنی بغاوت کا حکومت کے افسر کو گواہ بنانا ہے اور اس کی سزا قتل اور صرف قتل ہے ہاں اگر یہ روایت ہی سرے سے غلط ہو تو اسکی تو بات ہی دوسری ہے ورنہ بشرط صحت روایت اسے سن کر سیدنا حسینؓ کے بارہ میں یہی رائے قائم ہو سکتی ہے کہ ان کے مزاج میں سادگی تھی اس کے ساتھ اپنی رائے پر اصرار بہت تھا۔ مصائب کا مقابلہ کرنے کی قوت بھی ضرورت سے کم تھی ایسی حالت میں حکمت الٰہی یہی تھی کہ ان کے کاندھوں پر وہ بوجھ نہ رکھا جائے جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہیں تھی، ابن سعد چونکہ سیدنا حسینؓ کے رشتہ دار بھی تھے، آپ کا مرتبہ بھی پہچانتے تھے آپ کی عزت بھی کرنے اور آپ سے لڑنے سے بچنے رہنا بھی چاہتے تھے

اس صاف گفتگو سے بہت خوش ہوئے، انھوں نے ابن زیاد کو سب کچھ لکھ بھیجا،

ابن زیاد نے جواب دیا کہ تم حسینؓ سے پہلے تو یزید کی بیعت لو اس کے بعد ان کی باتوں پر غور کیا جائیگا۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان پر } تاریخی موڑ عا

پانی بند کر کے سختی کرو، میرے نزدیک ابن زیاد کا یہ حکم سب سے پہلا تاریخی موڑ ہے جو سبب بنا شہادت حسینی کا اور میں حیران ہوں کہ اتنے صاف اور متفقہ سبب کو چھوڑ کر لوگ اصل شہادت حسینی کا سبب علیؓ اور معاویہؓ کی آویزشوں کو کیوں قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، مگر کیا کیا جائے کہ واقعہ کربلا کی تاریخ نویسی کے امام اوّل ابو مخنف نے اس اصلی سبب کو چھوڑ کر صحابہ کی بدگوئی ہی کرنی چاہی تھی تو ان کے مقلد سنی اہل قلم بھلا کیسے اُسے چھوڑ سکتے تھے، ابن سعد نے پانی حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر بند کر دیا اس کے بعد ایک بار سیدنا حسینؓ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو تیس سواروں اور بیس پیدل کے ساتھ بھیجا اور وہ لڑتے بھڑتے دریا سے پانی اتنا (اور بقول ملیح آبادی ص ۵۵، بیس مشکیں بھر کر لے آئے جو ۱۰ محرم تک چلا گو تنگی سے چلا[۱] (ابن اثیر ۳ ص ۲۸۳)؛

---

[۱] یہ قصہ اسی طرح مشہور ہے لیکن ناقابل اعتماد ہے، محترم عباسی صاحب کی یہ تحقیق بہت قرین قیاس ہے کہ جنگ کی ابتدا اور انتہا میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا بقیہ جو کچھ مشہور ہے کہ تین دن تک سیدنا حسینؓ کو اور ان کے ساتھیوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کیا اس کی حقیقت یہ ہوگی کہ دریا سے آزادی کے ساتھ پانی نہیں لا سکتے ہونگے، ورنہ تھوڑا بہت پانی تو آپ کے یہاں تھا چنانچہ بعض شیعہ ذاکرین تو یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ۱۰ محرم کو غسل بھی فرمایا اور اتنا تو سب ہی مورخ لکھتے ہیں کہ آپ نے شہادت سے چند لمحات قبل پانی کا پیالہ منہ سے لگایا۔ ابھی ہونٹ تر بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ابن نمیر نے تاک کر تیر آپ کے حلق میں مارا جس سے حلق زخمی ہو گیا اور آپ پانی بھی نہ پی سکے، اس سے زیادہ جو شہرت ہے وہ یا تو رونے رلانے اور ماتم کی اغراض سے ہے اور یا شہادت حسینؓ

اس کے بعد ابن سعد نے سیدنا حسینؓ سے کئی بار ملاقاتیں کیں اور ۸ محرم کو یہ دونوں حضرات دونوں لشکروں کے بیچ میں تنہائی میں رات کے پردہ میں ملے اور دیر تک گفتگو ہوتی رہی، سیدنا حسینؓ نے اپنے عزائم بتائے ہونگے ابن سعد نے خیر خواہی میں ان کو حکومت سے مقابلہ کرنے سے منع کیا ہوگا، بالآخر طبری کی روایت ہے کہ اس ملاقات میں تین باتیں سیدنا حسینؓ نے شرط کے طور پر پیش کیں جنکا ماحصل یہ ہے :۔

(الف) یا تو مجھے مکہ واپس جانے دو،

(ب) یا مجھے خود یزید کے پاس لے چلو کہ اس سے معاملہ طے ہوجائے اور ضرورت ہوگی تو وہیں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلونگا،

(ج) یا مجھے کسی دور کی اسلامی سرحد پر چلا جانے دو تاکہ تم کو میری طرف سے کوئی خطرہ ہی نہ رہ جائے، (سیر الصحابہ ج ۶ بحوالہ طبری ج ۷ ص ۳۱۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) کو شہادت عثمانؓ کے مقابل اور برابر بنانے کی نیت سے ہے، رہی وہ روایت جو بہت مشہور کی گئی ہے کہ حضرت علی اصغر ۶ ماہ کے تھے اور رو رہے تھے آپ نے خیمہ میں سے لاکر ان کو گود میں لیا اور کوفیوں سے کہا کہ یہ معصوم بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہے اس کو تو ایک قطرہ پانی دے دو تو کوفیوں نے ایک تیر مارا جس سے وہ بچہ شہید ہوگیا چونکہ رُلانے کے لئے یہ مضمون بہت ضروری تھا اس لئے مشہور کیا گیا ہے ورنہ ملیح آبادی کی یہ عبارت پیش کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا :۔

"اس واقعہ کے بعد ہی آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا یہ ابھی پیدا ہوا تھا، آپ نے اُسے گود میں رکھا اور کان میں اذان دینے لگے، اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا" (ص ۱۱۵ بحوالہ یعقوبی) لیجئے اس میں پیاس کا، پانی کا سرے سے ذکر نہیں ۔ ۱۲

ے، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۳ پر ہے :۔ "وَاِمَّا اَن اَضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی وبینہ رایہ" سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں بھی یہ جملہ ہے :

ابن سعد ان شرائط پر بہت خوش ہوئے کہ بس اب یہ مرحلہ خیریت کے ساتھ ختم ہوا یہ سوچ کر انھوں نے ابن زیاد کو لکھا :-

"خدا کا شکر ہے کہ فتنہ ختم ہو گیا حسینؑ ان تین باتوں میں سے ہر ایک پر راضی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھی صورت ہے، امید ہے کہ آپ انھیں منظور کر لینگے"۔ ابن زیاد نے یہ خط پڑھا تو اس نے بھی کہا کہ واقعی ابن سعد کا مشورہ خیر خواہی پر مبنی ہے۔ اور وہ بھی ان شرائط صلح پر تیار ہو گیا" ناظرین آگے بڑھنے سے پہلے چند باتیں واضح طور پر دوبارہ ذہن نشین کر لیں :-

۱- ابن سعد سے آخری گفتگو میں آپ نے پھر تیسری بار اپنے اس سفر سے واپسی کا ذکر کیا ہے یعنی اگر آپ قتال فی سبیل اللہ اور "معالم حق کو زندہ" کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے تو اس گفتگو پر تو وہ سب ختم ہو گیا اور اس ارادہ سے دست برداری اور واپسی مسلّم او حتمی ہو گئی !! لہٰذا اب تو کوئی گنجائش ہی نہیں کہ بعد کے واقعات کو معالم حق کے زندہ کرنے، بدعتوں کے مٹانے، خلافت راشدہ کے احیا، اور اسی طرح کے دوسرے نام نہاد بلند آہنگ عزائم اور بلند بانگ دعاوی آپ کی جانب منسوب کئے جائیں اور آپ کی شہادت کو شہادت فی سبیل اللہ کہا جا سکے ظاہر ہے کہ وہ تو دعویٰ نہ کریں مگر مؤرخین زبردستی آپ کی جانب منسوب کئے جا رہے ہیں مدعی سست گواہ چست !

۲- آپ نے یہاں بھی قصاص مسلم کا ذکر تک نہ کیا۔

۳- آپ نے یزید کے پاس جانے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے صاف اپنی آمادگی ظاہر کی، اس موقع پر اگرچہ خضری نے بھی اس آمادگی کا انکار کیا ہے مگر وہ بلا دلیل ہے۔ ملیح آبادی نے صرف عقبہ بن سمعان کی روایت کا ذکر کیا ہے

گردہ بھی زیادہ وقیع نہیں سب سے زیادہ علمی انداز میں اس پر صاحب سیر الصحابہ نے بحث کی ہے ہم ذرا اسی پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں،

ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت روایۃً بھی کمزور ہے اور درایۃً بھی، روایۃً ایک تو اس لئے کہ اس کے راوی مجالد بن سعید پر ذہبی اور ابن حجر نے جرح کی ہے دوسرے اس لئے کہ عقبہ ابن سمعان جو سیدنا حسینؓ کے ہمراہ تھے انھوں نے کہا کہ سیدنا حسینؓ نے تو ہمیشہ ہر جگہ صرف ایک بات کہی کہ "مجھے چھوڑ دو خدا کی وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں جب تک کہ لوگ کوئی فیصلہ نہ کرلیں"[۵] (ص ۱۹۰)

اور درایتی حیثیت یہ ہے کہ ابن زیاد کا تو یہی حکم تھا کہ اگر حسینؓ بیعت کرلیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے .... اس لئے حضرت حسینؓ کے بیعت پر آمادہ ہو جانے کے بعد ابن سعد[۶] کا اسکو منظور نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا (ص ۱۹۱) میں پہلے درایتی حیثیت کا مطلب ذرا واضح کئے دیتا ہوں صاحب سیر الصحابہ کا استدلال یہ ہے کہ ابن زیاد کو حسینؓ سے بیعت یزید ہی مطلوب تھی، اگر حسینؓ نے یہ شرط کی ہوتی تو ابن زیاد اُسے ضرور منظور کر لیتا، نہ منظور کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن چونکہ ابن زیاد کا یہ شرط ماننا کہیں سے ثابت نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسینؓ ہی نے بیعت یزید پر آمادگی کا ذکر ان شرائط میں نہیں کیا۔

۵؎ اس پر حاشیہ کا نمبر ۳ تو درج ہے مگر نیچے حاشیہ نمبر ۳ ندارد ہے۔ خیر یہ غلطی تو کتابت اور طباعت کی ہے میرا خیال ہے کہ مصنف یہاں حوالہ طبری کا دینا چاہتے تھے، یہی روایت ملیح آبادی نے بھی لی ہے،

۶؎ غالباً مصنف ابن زیاد لکھنا چاہتے تھے کتابت و طباعت کی غلطی سے ابن سعد چھپ گیا ہے،

اس درایتی حیثیت کا انصاف سے فیصلہ کرنے اور جانچنے کے لئے امید ہے کہ حسب ذیل نہج نقد و نظر زیادہ مناسب اور مفید ہوگا :۔

۱۔ صاحب سیر الصحابہ نے بھی اکثر حوالے طبری سے لئے ہیں اور ملیح آبادی نے بھی شہید کربلا میں اکثر بلکہ تمام تر واقعات طبری ہی سے لئے ہیں تعجب ہے کہ ملیح آبادی ایک دوسری مندرجہ ذیل روایت اور بیان کرتے ہیں جو تاریخ کامل ج ۴ ص ۲۸۴ پر بھی موجود ہے مگر شاہ صاحب اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ ذرا امتحاناً اس روایت کو سلسلہ واقعات کی ایک کڑی فرض کرکے تو دیکھئے کیا پھر بھی اس کی درایتی حیثیت میں کچھ کمزوری رہ جاتی ہے؟ وہ روایت یہ ہے :۔

"ابن زیاد نے خط (یعنی ابن سعد کا خط شرائط حسینی والا) پڑھا تو متاثر ہوگیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا" مگر شمر ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا آپ یہ کیا غضب کرتے ہیں اب کہ حسینؓ قبضہ میں آچکے ہیں اگر آپ کی اطاعت کے بغیر ہاتھ سے نکل گئے تو عجب نہیں عزت و قوت پیدا کرلیں اور آپ کمزور عاجز قرار پائیں بہتر یہی ہے کہ اب انھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے یہ بڑی ہی نادانی ہوگی۔ انھیں آپ کے سامنے اطاعت کا سر جھکانا چاہیئے آپ اگر سزا دیں تو آپ کو اس کا حق ہے اگر معاف کردیں تو اپنے اختیار سے معاف کرینگے۔ مجھے معلوم[1]

سلہ۔ "مجھے معلوم ہوا ہے" سے میری سمجھ میں یہ بھی آتا ہے کہ کوفہ کے سپاہیوں خارجیوں نے برابر سیدنا حسینؓ کی حرکات سکنات پر سختی سے نظر رکھی ہے اور ان کی ہر بات حریف سے جاجا کر بتائی ہے تبھی تو ہر بات حریف کو ہر مرحلہ پر برابر معلوم ہوتی رہی۔ یہاں پر ملیح آبادی نے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ کے حوالے سے ایک مفید اور عجیب اطلاع ہم پہونچائی ہے کہ "شمر پہلے حضرت علی کے اصحاب میں سے تھا آپ کی طرف سے جنگ صفین میں معاویہ سے لڑا تھا اور وہیں اپنے چہرے پر زخم بھی کھایا تھا" میرے نزدیک اس روایت

ہوا ہے کہ حسینؓ اور عمر دات رات بھر سرگوشیاں کرتے ہیں (شہید کربلا ص ۵۷-۵۸، تاریخ ملت سوم ص ۴۷ پر بھی یہ روایت ہے مگر اس طرح پر کہ ابن زیاد نے "شمر ذی الجوشن کے مشورہ سے" ابن سعد کو لکھا اور رسالہ الحرم شہید کربلا نمبر میں بھی ص ۷۶ پر یہی روایت لکھی ہے اور رسالہ الفرقان کے واقعہ کربلا کے مضمون میں بھی یہ روایت موجود ہے،

اس روایت کے ملانے سے صاحب سیر الصحابہ کی عمارت استدلال ہی اپنی بنیادوں پر آرہتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ابن زیاد کے منظور نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ شمر خارجی دشمن علیؓ نے ابن زیاد کی خوشامد کی،[1] اسے تعریف کرکے چرخ پر چڑھا دیا،[2] اشتعال دلایا،[3] ابن سعد کی چغلی کی[4] مصلحت وقت بتائی،[5] آیندہ کے وہمی ہتو سے ڈرایا[6] اس لئے ابن زیاد نے "منظور کر چکنے کے بعد" نامنظور کر دیا۔ ورنہ وہ منظور کر چکا تھا اور جب منظور کر چکا تھا تو معلوم ہوا کہ سیدنا حسینؓ نے یہ شرط بھی ضرور پیش کی تھی۔ یہ ہے درایتی حیثیت!

۲۔ رسالہ الفرقان محرم ۱۳۷۴ھ مضمون واقعہ کربلا میں حسب ذیل چھ حوالے درج ہیں کہ ان مورخین نے سیدنا حسینؓ کی بیعت پر آمادگی کی روایت تسلیم کی ہے وہ حوالے یہ ہیں:-

۱- ابن اثیر ج ۴ ص ۲۴	۲- اصابہ، ج ۲ ص ۱۷
۳- طبری ج ۶ ص ۲۳۵	۴- البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۷۰،
۵- رسالہ راس الحسین ص ۲۰	۶- تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۴۰،

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) سارا غبار چھنٹ گیا بات بالکل کھل گئی کہ شمر خارجی منافقت سے لشکر علوی میں رہا اور معاویہؓ سے لڑا، مگر وہ بھلا خارجیوں کے نصب العین یعنی علیؓ اور آل علی کی دشمنی اور ان کے قتل کو کیونکر بھول سکتا تھا اس لئے اب حسینؓ کے مقابل آیا۔

۳۔ بیعت یزید کفر نہ تھی اور نہ حرام و باطل تھی، کیونکہ اگر بیعت یزید کو کفر اور باطل اور حرام مانا جائے تو ان متعدد صحابہ کے ایمان و تدین کا کیا بنے گا جنھوں نے بیعت یزید کر لی تھی۔

یاد رکھئے اگر ایک بار یہ ثابت کر دیا گیا کہ یزید کی بیعت کرنے والے گمراہ تھے (اور ابلیس اور اس کی ذریت کا عین مقصد حیات یہی ہے) تو پھر کسی صحابی کے اوپر بھی اطمینان نہ رہ جائیگا، آخر بار بار لوگوں نے تقیہ جیسے رکن اعظم دین کا نام لگا کر حضرت علی و دیگر اہل بیت حدیثی سے اپنے لئے امان اٹھا ہی دیا۔

۴۔ سیدنا حسینؓ اور ولیدؓ والی مدینہ کا ایک مکالمہ تو خود مصنف سیر الصحابہ نے بھی ص ۱۵۳ (سیر الصحابہ ج ۶) پر یہ لکھا ہے کہ "حسینؓ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرا جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے۔ جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آجاؤنگا اور عام مسلمان جو صورت اختیار کرینگے اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا" خضری نے بھی یہ روایت لکھی ہے اس جملہ حسینی کا مطلب جہاں یہ ہے کہ اگر بالفرض عام مسلمانوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو میں بھی انکار کردونگا وہاں اتنے ہی زور اتنے ہی وزن کے ساتھ یہ مطلب بھی ہے کہ بالفرض عام مسلمانوں نے بیعت یزید کو قبول کرنے کی صورت اختیار کی تو میں بھی یہ صورت اختیار کرونگا۔ اگر یہ مطلب صحیح ہے — اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یقیناً صحیح ہے — تو لیجئے یہاں تو سیدنا حسینؓ نے خود ہی گو مشروط طور پر سہی اس کا امکان اور اس کی آمادگی ظاہر کر دی کہ ہاں میں بیعت یزید کر لونگا اور مصنف سیر الصحابہ نے اس روایت کو بغیر اس کی روایتی

حیثیت اور درایتی حیثیت کو چیلنج کئے ہوئے خود بھی قبول کیا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ وعدہ کرنے کے باوجود بلا اطلاع دئیے سیدنا حسینؓ مدینہ سے مکہ چل دئیے اور مسلسل اپنی حرکات و سکنات سے حکومت کو اپنی طرف الجھائے رکھا اور خود ہی عام مسلمانوں کے بیعت کا موقع آنے نہ دیا ورنہ میرا یقین ہے کہ سیدنا حسینؓ اپنی بات پر ضرور قائم رہتے اور بیعت یزید کر کے رہتے!! یہ کلام تو علمی انداز میں صرف درایتی حیثیت پر تھا رہی روایتی حیثیت تو میں اپنی محدود نظری اور کم علمی کا اقرار کرتا ہوں، جرح رواۃ کے کام کو اہل علم کے لئے اٹھا رکھتا ہوں ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ استدلال تو اس مفروضہ پر ہے کہ ان چھ مؤرخوں کی روایت میں مجالد بن سعید مشترک ہو لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ مؤرخین و مصنفین نے کسی اور راوی کی روایت سے بھی استناد کیا ہو سب کی روایت میں مجالد کی شرکت نہ ہو واللہ اعلم!

اور اگر کہیں اتفاق سے فی الواقع یہی صورت ہو کہ سب کی روایت الگ الگ راویوں سے ہو اس میں مجالد نہ ہو تو پھر اس کی روایتی حیثیت بھی قابل اعتبار ہو گی اور سیدنا حسینؓ کی بیعت یزید پر آمادگی ایک ناقابل انکار حقیقت ہو جائیگی اور خضری صاحب سیر الصحابہؓ و جملہ منکرین بیعت کا سارا زور استدلال ختم ہو جائیگا،

لہ:- (۱) ابن اثیر نے پہلے اسی روایت کو لیا ہے جسے ہم ملیح آبادی سے ایک صفحہ قبل نقل کر آئے ہیں، اسے لکھنے کے بعد اس نے دوسری روایت "رُوِیَ عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ سَمْعَانَ" کے عنوان سے لکھی ہے،

(۲) مجالد راوی اگر مجروح ہے تو یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ عقبہ بن سمعان تو مجہول ہے۔ مجالد پر جرح نقل کرتے وقت شاہ صاحب کا فرض تھا کہ عقبہ کی توثیق بھی نقل کرتے، (۳) عقبہ سے اس کو حارث بن کعب سبائی نے اور حارث سے ابو مخنف سبائی نے روایت کیا ہے۔ لیجئے یہ ہے اس کی اسناد جسے شاہ صاحب نے راجح قرار دیا ہے (۴) مجالد کی بیشک بعض ارباب فن نے تضعیف کی ہے لیکن بخاری نے ان کو صدوق اور عجلی نے جائز الحدیث بھی کہا ہے، (۵) بعض روایات ایسی بھی ہیں جس میں مجالد نہیں ہے۔ روایت کرتا۔ ابن کثیر نے دو روایتیں لکھی ہیں ایک وَاِنْ اَبَیْتَ فَسَیِّرْنِی کے لفظ سے اور دوسری

تاریخی موڑ ۲

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ ابن سعد کا خط شرائط حسینی کے متعلق ابن زیاد نے بہت پسند کیا اس نے ان شرائط کو منظور بھی کر لیا تھا اور اگر ایک سبائی خارجی شمر کی شرارت حائل نہ ہو جاتی تو آج یہ واقعہ ہی سرے سے تاریخ عالم سے ناپید ہوتا چونکہ شمر کی یہی شرارت سببِ اصلی بنی شہادت حسینؓ کا اس لئے میں اُسے تاریخی موڑ لکھتا ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تاریخ کے اتنے کھلے ہوئے واقعہ کے ہوتے ہوئے لوگ شہادت حسینؓ کا سبب یزید کے کسی فعل[1] میں سیدنا امیر معاویہؓ کے استخلاف[2] یزید میں حضرات معاویہؓ و علیؓ کی کشاکش[3] میں امیہ اور ہاشم کی خاندانی شکر رنجیوں[4] میں تلاش کرنے کی زحمت کیوں کرتے ہیں؟ جب شمر نے دیکھا کہ ابن زیاد شاید سیدنا حسینؓ کو چھوڑ دے تو اس نے جیسا ہم ملیح آبادی کی عبارت اوپر پوری نقل کر آئے ہیں —— ابن زیاد کی خوشامد تعریف کی، اس کو خوب بڑھایا اس کے بعد سیدنا حسینؓ کے بچ کر نکل جانے کے فرضی اندیشے بہت سے سمجھائے۔ ابن سعد کی شکایت کی اور سیدنا حسینؓ کو چھوڑ دینا مصلحت کے خلاف بتایا، ابن زیاد کو ڈرایا کہ لوگ اس میں تمہیں الزام دینگے کہ تم کچھ نہ کر سکے تم نالائق ہو یہ سب باتیں ایک مغرور کم ظرف فوجی افسر کے لئے جادو بن گئیں آخر اس نے ابن سعد کو بہت سخت جواب خط میں دیا :-

"میں نے تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ حسینؓ اگر بلا شرط میری اطاعت منظور کریں تو انھیں میرے پاس زندہ بھیجو اور نہ منظور کریں تو قتل کر کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) فناشدھم اللہ والاسلام ان یسیروہ کے لفظ سے اور ان دونوں کے رجال اسانید دوسرے دوسرے لوگ ہیں ان میں مجالد نہیں ہیں، جب صورت حال یہ ہے ایسی حالت میں شاہ صاحب کا حسینؓ کی بیعت یزید کے لئے فی الجملہ آمادگی کا نہ لکھنا اور اسے مشتبہ بنانے کی فکر کرنا بالکل اس کا مصداق ہے کہ ع یا نمی دانست یا دانستہ اخفا کردہ است

ان کا سر بھیجو۔ یہ تم ان کی سفارش کیوں کرنے لگے؟ اگر تم اس کے لئے تیار نہیں تو فوج کا چارج شمر کو دے کر اپنے کو معزول سمجھو"

(السیرۃ الصحابہ ج ۶ ص ۱۹۱ بحوالہ طبری ج ۷ ص ۳۱۶)

اور یہ خط شمر ہی کو دے کر ابن سعد کے پاس بھیجا۔ ابن سعد نے خط پڑھا تو شمر کو بہت برا بھلا کہا کہ "او کمبخت شمر یہ تو نے ہی سارا بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ حسین اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالے کریں گے اور اس کی اطاعت قبول کریں گے"۔ آخر ۹ محرم کو بعد عصر عمر ؒ بن سعد نے فوج درست کر کے حملہ کا ارادہ کیا۔ سیدنا حسین رضؓ نے اپنے بھائی عباس رضؓ کو ابن سعد کے پاس بھیجا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دو۔ ابن سعد نے فوراً یہ درخواست قبول کر لی اور یہ کہلا بھیجا کہ "اچھا ہم کل تک کی مہلت دیتے ہیں اگر کل بھی تم نے اپنے آپ کو اطاعت ابن زیاد قبول کر کے ہمارے حوالہ کر دیا تب تو ہم تمہیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے اور اگر تم نے مقابلہ کیا تو یاد رکھنا کہ ہم تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے"۔ ابن سعد کو اب بھی توقع تھی کہ شاید اب یہ معاملہ سدھر جائے۔ عباس کے ذریعہ اطاعتِ ابن زیاد کا نام سن کر سیدنا حسین رضؓ نے ایک باحمیت شریف اور عالی نسب انسان کی طرح آخری قطعی فیصلہ کر لیا کہ ابن زیاد جیسے چار ٹکے کے آدمی کی اطاعت تو وہ کسی قیمت پر بھی قبول نہ کریں گے۔ اس معاملہ میں انھیں سر کٹا دینا منظور ہے مگر ابن زیاد جیسے معمولی افسر فوج اور والی کوفہ کی اطاعت" ہرگز ہرگز منظور نہیں۔ غرض یہ فیصلہ فرما کر آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا:—

"دشمنوں کو صرف مجھ سے مطلب ہے مجھ سے دشمنی ہے تم سب سے نہیں۔ کل میرا اور ان کا آخری فیصلہ ہے، اس لئے تم کو عام اور خوشی سے اجازت ہے

کہ جس کا جدھر جی چاہے چلا جائے"!

مگر کوئی اس نازک موقع پر سیدنا حسینؓ کو تنہا دشمنوں میں چھوڑ کر اپنی جان بچا لے جانے پر راضی نہ ہوا، یہ حضرات کوئی سبائی کوفی تو تھے نہیں مثل شبث بن ربعی یا شمر بن ذی الجوشن کے جو عین وقت پر ساتھ چھوڑ جاتے کہ کل فوج علیؓ میں ہو کر معاویہؓ سے لڑے آج یزید کی طرف سے سیدنا حسینؓ کو شہید کر رہے ہیں، شمر نے ابن زیاد سے سیدنا حسینؓ کے چار بھائیوں (عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان) کے نام امان کا فرمان لکھوا لیا تھا اس لئے کہ ان چاروں کی والدہ ام البنین بنت حرام جو حضرت علیؓ کے زوجیت میں تھیں اور سیدنا حسینؓ کی سوتیلی ماں تھیں شمر کی ہم قبیلہ اور دوری رشتہ کی پھوپھی یا بہن تھیں اور اس طرح شمر سیدنا حسینؓ کا ماموں یا بھائی بھی تھا شمر نے ان چاروں کو امان نامہ دیا مگر ان چاروں بھائیوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیرے امان نامہ پر بھی لعنت!

رات بھر سیدنا حسینؓ اور آپ کے ساتھی دعا و مناجات، نماز و تلاوت تسبیح و استغفار کرتے رہے، ۱۰ محرم کی صبح کو نماز کے بعد سیدنا حسینؓ نے عام طور پر مشہور واقعات کے مطابق اپنے ساتھ کے بہتّر یا اسّی آدمیوں کو صف ہی میں موقع مناسب سے کھڑا کیا اور ابن سعد کے لشکر کے سامنے آکر آپ نے آخر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں رسول کا نواسہ ہوں بیگناہ ہوں مجھے کیوں قتل کرتے ہو تم میں شبث بن ربعی (یہی شخص صفین میں صلح سے مانع ہوا تھا) حجار بن ابجر، قیس بن اشعث، یزید بن حارث وغیرہ ہیں۔ انھیں کے خطوط میرے پاس گئے تھے اس لئے میں آیا تھا اب اگر تم کو میرا آنا گوارا نہیں تو مجھے لوٹ جانے دو

یہ تقریر سن کر ابن سعد وغیرہ تو کچھ نہیں بولے البتہ کچھ آوازیں اس کے لشکر سے آئیں کہ کہ نہیں ہم نے آپ کو نہیں بلایا تھا مگر حُر پر اس کا بہت اثر ہوا اور وہ سیدنا حسینؓ کی بیکسی دیکھ کر آپ کی فوج میں آملا۔ پھر جنگ شروع ہوئی سب سے پہلے ابن عوسجہ شہید ہوئے پھر حُر شہید ہوئے، اس کے بعد آپ کے دوسرے رفقاء جو آپ کے رشتہ دار نہیں تھے شہید ہوئے پھر بنو ہاشم میں سے حسب تفصیل ذیل بیس حضرات جمعہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ مطابق ۲۸ ستمبر سنہ ۶۸۱ء کو شہید ہوئے، اناللہ!

(الف) اولاد عقیل میں سے:۔

جعفرؓ عبدالرحمٰنؓ عبداللہ عبداللہؓ بن مسلم محمدؓ بن ابی سعید ۵

(ب) اولاد عبداللہ بن جعفر میں سے:۔

عونؓ محمدؓ ۲

(ج) اولاد علی رضی اللہ عنہ میں سے:۔

عباسؓ جعفرؓ عبداللہؓ عثمانؓ ابوبکرؓ محمدؓ آخر میں سیدنا حسینؓ ۷

(د) اولاد سیدنا حسنؓ میں سے:۔

قاسمؓ عبداللہؓ ابوبکرؓ ۳

(ہ) اولاد سیدنا حسینؓ میں سے:۔

علی اکبرؓ (جو امیر معاویہ کے نواسے تھے) عبداللہؓ علی اصغرؓ ۳

۲۰

خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سب سے آخر میں کئی زخم کھا کر شہید ہوئے

اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پچاس سال بعد ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جمعہ کے دن پیش آیا اس میں سیدنا حسینؓ کے ساتھ کے اسّی[1] آدمیوں میں سے بہتر[2] شہید ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون ، اور ابن سعد کے چار ہزار میں سے اٹھاسی آدمی مارے گئے ، ابن سعد نے فوراً سر مبارک ابن زیاد کے پاس بھیجا اس بدبخت نے سر مبارک کے ساتھ بے ادبی کی ، اس جنگ میں ابن سعد کے ہمراہ شام کا کوئی ایک بھی فوجی سپاہی نہیں تھا سب کے سب کوفی تھے اور اصابہ میں ہے کہ کچھ لوگ یمن کے اور کچھ مصر کے بھی تھے ۔ ان میں بعضے وہ بھی تھے جنھوں نے خطوط لکھ کر سیدنا حسینؓ کو بلایا تھا ، سیدنا حسینؓ کو شہید کرنے کے بعد وہ شیعیان علیؓ اور سبائی خیموں کی طرف بڑھے اور جس طرح سیدنا حسنؓ کے سر سے چادر اور نیچے سے مصلے گھسیٹا تھا اب جنگ کربلا میں وہ اور بھی وحشی بن گئے اور خیمہ کا سارا سامان عورتوں کے سر کی چادریں تک اتار لیں تیسرے دن ابن سعد اہل بیت حدیثی کا یہ مختصر آٹھ[3] آدمیوں کا قافلہ لے کر کوفہ گیا ۔ ادھر پاس کے گاؤں والوں نے آکر شہدائے کرام کے مقدس اجسام کو بعد نماز جنازہ ، میدان کربلا میں دفن کیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون !

---

[1] خضری ج ۲ ص ۱۲۹ ، روافض سبائیہ کا تو ذکر نہیں مگر صاحب سیر الصحابہ نے ج ۶ ص ۲۰۴ تا ۲۲۳ نہ معلوم کتنی جگہ شامی فوج کا ذکر کیا ہے یہ ان کا نیا انکشاف ہے مگر بالکل غلط ، [2]

[3] ایک سیدنا علی بن حسینؓ عرف زین العابدین عمر ۲۳ سال[1] حضرت حسن کے صاحبزادے حضرت شہر بانو[3] ، فضہ[4] نام کنیز زینب[5] بنت فاطمہ سکینہ[6] بنت حسین

خاتمه

یزید ابن سباسب سے زیادہ ذمہ دار شہادت حسین رضی کیلئے، کوفہ کی سبائی خارجی کمیٹی ہے جس نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت اپنے خیبری رشتہ داروں کے قتل وقید کا انتقام فاتح خیبر سے لینے کیلئے ایک بھولے بھالے نواسہ رسول صلعم کو مسلسل ڈیڑھ دو سو خطوط لکھکر ان کی قوت فیصلہ کو حیران دماؤف کردیا اور اپنی منفی کربھری اسکیم کو اس طرح دین کا رنگ دیکر بیچاروں کو فریب دیا کہ وہ ان پر اعتماد کرکے یزید سے قتال کو نکلے اس وقت اُن غداروں نے حسب دستور قدیم یہود و حسب روایات منافقین میدانِ جنگ میں ان کو پہونچا کر چھوڑا اور ان کو شہید کراکے اپنے جذبہ اسلام دشمنی کی تسکین کی۔ اور قتل مسلم کے بعد دوبارہ حضرت حسین رضی کو سبز باغ دکھا کر پھر جنگ پر آمادہ کیا۔

(۲) شمر خارجی نے ابن سعد سے حسد ۱ اولادِ علی سے انتقام ۲ حکومت رسے کی طمع ۳ ۔ ابن زیاد کی خوشنودی کے مرکب و مخلوط جذبہ سے ۹ و ۱۰ محرم کی درمیانی شب میں ابن زیاد کو شرارت بھرا مشورہ دیا جس سے شہادت حسین رضی واقع ہوئی ورنہ ابن زیاد حضرت حسین رضی کو معاف کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ یہ دوسرے نمبر پر ذمہ دار ہے۔

(۳) ابن زیاد، سیدنا حسین رضی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو چکا تھا مگر شمر کی خوشامد ۱ ۔ شری طبیعت کی موافقت ۲ نے یہ نہایت بیہودہ و نامعقول حکم دیا کہ سیدنا حسین رضی یہیں میرے ہاتھ پر یزید کیلئے بیعت کریں ورنہ ان کو کہیں جانے کا موقع نہ دیا جائے ان پر جنگ کا پانی کی بندش کا دباؤ ڈالا جائے تاکہ یہ بیعت پر مجبور ہوں۔ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت حضرت حسین رضی کو ہرگز قابل قبول نہ تھی اس لئے سیدنا حسین رضی نے اس ذلت پر مظلومیت اور مجبوریت کی شہادت گوارا کر لی۔

(۴) برادران مسلم بن عقیل جنھوں نے خواہ مخواہ سیدنا حسین رضی کو جوش اور غیرت دلاکر قصاص مسلم کے بہانہ انھیں جنگ پر آمادہ کیا۔

(۵) ابن سعد، انھوں نے اگرچہ بہت کچھ سیدنا حسین رضی سے قرابت اور انکی حرمت کا بڑا لحاظ کیا اور ان کا معاملہ سفارش کرکے ابن زیاد سے تقریباً طے کرا دیا تھا کاش یہ اس وقت مستعفی ہو جاتے اور سیدنا حسین رضی سے جنگ نہ کرتے!

(۶) سیدنا حسین رضی خود اپنی شہادت کے بہت کچھ ذمہ دار ہیں مخلص مشیروں کا کہنا نہیں مانا۔ براہ راست خود یزید سے مل کر معاملات طے نہیں کئے۔ کوفی غداروں پر بھروسہ کیا۔

(۷) یزید کہ اسے جب اس کا علم ہو گیا کہ عراق کے لوگ حضرت حسین رضی کو میرے مقابل کھڑا کر رہے ہیں تو اُس نے ان کا احترام کرکے خود اپنے پاس کیوں نہ بلایا؟

(۸) حُر بھی ذمہ دار اور مجرم شہادت حسین رضی ہے کہ پہلے سیدنا حسین رضی کو واپس آنے سے مانع بنا۔

۸ مجرمین کربلا کے ذمہ دار بہ ترتیب

فصل دوم

بیان شہادت کا حکم

(الف) یہاں پہلے ہم ذکرِ شہادت اور بیان شہادت کا حکم بیان کرتے ہیں :-

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دن سے زائد کوئی کسی کا سوگ نہ منائے البتہ بیوی کو اجازت ہے کہ شوہر کا سوگ چالیس دن منائے" (بیوی کے لئے جو چار مہینہ دس دن عدت کے رکھے ہیں اس میں چالیس دن سوگ کے اور تین ماہ تحقیق حمل کیلئے ہیں جو طلاق کی عدت میں بھی مشترک ہیں) مقصد یہ ہے کہ غم کا اثر اور رنج کا دباؤ انسان کے دل پر خدا کی طرف سے تین ہی دن رہتا ہے اس کے بعد حق تعالیٰ خود ہی غم کو دور فرما دینا چاہتے ہیں دنیا کی زندگی میں ہر وقت احکام خداوندی پر عمل اسی صورت میں آسانی سے ممکن ہے جب دل غم کی گرفت سے آزاد ہو۔ دنیا میں خدا نے مسجود ملائکہ انسان کو ہر وقت رونے بسورنے کے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ انسان بہ اندازۂ فریبِ شہود، عالم کی گوناگوں رنگینیوں سے شریعت کے مطابق لطف اندوز ہو سکے اور رجالِ شریعت اور حُسنِ کائنات کی پذیرائی پوری خندہ پیشانی اور نشاطِ دل سے کر سکے۔ اس لئے تین دن کے بعد طبعی رنج فطرت کی طرف سے دور کر دیا جاتا ہے رہی یہ صورت کہ انسان اپنے اختیار و عمل سے اسے برابر تازہ کرتا رہے تو یہ نہ عقلاً درست اور نہ نقلاً صحیح۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ملک کے طول و عرض میں مسلمانان اہلِ سنّت والجماعت میں محرم اور صفر کے مہینوں میں شہادت حسین رضؓ۔ ذکر شہادت -

مرثیہ خوانی۔ روضہ خوانی بہ کثرت ہوتی رہتی ہے تو یہ غمِ حسین کو از سر نو تازہ کرنے کے لئے اور عوام کو خوش کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ بیانات واقعات کربلا کی غلط بیانی[1] کے لحاظ سے، اکثر صحابہ پر ناروا الزام عائد ہونے اور ان سے بدگمانی بڑھنے کے لحاظ سے اور اکثر مسلمانوں پر افترا پردازی کے لحاظ سے آج بھی ٹھیک وہی نتائج پیدا کر رہے ہیں جو ذرّیتِ ابن سبا کا دلی منشا اور اسلام کے خلاف ہیں۔ اس کے متعلق اب تک علماء اہل سنّت والجماعت کا متفقہ فتویٰ یہ رہا ہے (اور جو نقطۂ نظر ان علماء کے پیشِ نظر تھا اس کے لحاظ سے ان کا یہ فتویٰ صحیح بھی تھا) کہ

۱۔ اگر کہیں مصائب سیّدنا حسین رضؓ کا ذکر سُنے تو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہے اگر بے اختیار کسی کو گریہ کا غلبہ بھی ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہائے۔ سینہ کوبی۔ سر کوبی۔ ماتم و نوحہ جامہ دری وغیرہ نہ کرے اور اگر خود اس کا ذکر تحریر کرے تو اس میں تشبہ بالروافض سے بچنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے نہ ملائے۔ اشتعال کی عبارت نہ لکھے۔ ماتم آمیز الفاظ سے بچے۔

۲۔ قصد کر کے تجدیدِ غم کی نیت سے نہ مجمع کرے نہ اس نیت سے ذکر حسین رضؓ کرے۔

۳۔ ذکر حسین رضؓ کے سلسلہ میں عورتوں کا چوڑی توڑنا۔ عورتوں۔ مردوں بچوں کا سیاہ یا سبز کپڑا اسی نیت سے پہننا۔ عورتوں کا خوشبو یا دیگر زینت سے

---

[1] اگر اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو سیر الصحابہ ج ۶ ص ۲۰۴ سے ۲۲۳ تک پڑھیے اور رجب سبائی کی تحریر سے چاہیے مقابلہ کر لیجئے۔

پرہیز کرنا۔ بچوں کو پیک بنانا۔ سیدنا حسین رضؓ کے نام کی بھیک منگوانا منع ہے یہ سب نہ کرے (کہ یہ سوگ منانا اسلام کے خلاف اور ارشاد نبوی کا مقابلہ ہے)۔

۴۔ ذکر حسین رضؓ میں غلط مضامین مثلاً دوسرے صحابہ پر دین فروشی یا مداہنت وغیرہ کا الزام۔ اُن سے بدگمانی خاص کر حضرات ابوسفیان امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی بدگوئی اور بے حرمتی۔ خاندانِ نبوّت کی خواتین کی بے پردگی۔ سیدنا حسین رضؓ کے حریف لشکر کو کفار۔ بے دین۔ لعین۔ ملعون۔ جہنمی کہنا منع ہے اس طرح سیّدنا حسین رضؓ کی مدح میں "آفتابِ امامت" وغیرہ جیسے کھلے لفظ بھی نہ لکھنا چاہیئے۔

۵۔ ذکر حسین رضؓ اور بیان شہادت کے لئے محرم کا مہینہ اور اس کے شروع کے دس بارہ تاریخوں کو مخصوص کر لینا منع ہے اس لئے کہ شریعت میں جس چیز کی توقیت وارد نہیں اس کو کسی تاریخ میں مخصوص طور پر کرنا دین پر اضافہ ہے۔

۶۔ ذکر شہادتِ حسین رضؓ کوئی دینی لازمی کام سمجھ کر کرنا اور اس پر ثواب کے متوقع رہنا غلط ہے۔

لیکن احقر یہاں اپنا خیال ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا وہ یہ کہ اب تک علماء حقانی نے جو بیان شہادت کو منع کیا تو اپنے مخصوص مذکورہ نقطۂ نظر سے ٹھیک منع کیا لیکن حالات بدلنے سے ایسے مسائل و معاملات میں جن میں کوئی امر یا نہی صریحاً وارد نہیں ہے حکم بھی بدلتا اور بدل سکتا ہے اور اس معاملہ میں بھی بدل جانا چاہیئے۔

عہ سیر الصحابہ ج ۶

اب حالات یہ ہیں کہ مسلمانان اہل سنّت غیروں کی مجلسوں میں جاکر زہریلے خلاف واقع حالات و واقعات سُنتے ہیں اور اس طرح عقائد ان کے ہرگز کسی سبائی سے کم نہیں۔ اب اہلِ سنّت بھی عموماً سبائیوں کی بولی بولتے ہیں۔ سبائیوں نے مسلمانوں کے عقائد کو تباہ کرنے کے لئے جتنی تدابیر کی ہیں اور شعر و ادب۔ افسانہ۔ تاریخ۔ مناظرہ۔ وعظ۔ ذکر شہادت سوز خوانی مرثیہ خوانی وغیرہ مختلف محاذوں سے جس طرح مسلمانوں کے قلعۂ ایمانی پر حملے کئے ہیں افسوس کہ اس کے مقابلہ میں علمار حقانی نے اس کی کافی مدافعت ہرگز نہیں کی۔ ہمارے شاعر مشاعروں میں کوئی ایک شعر بھی اپنے مخصوص عقیدہ کا نہیں کہتے جبکہ حریف کا ہر فرد ہر غزل میں اپنے عقائد کا اظہار کر جاتا ہے۔ اس موضوع پر حریف کا ہر فرد اچھی طرح تیار ہے اور ہمارے علمار سے بڑھ کر تیار ہے مگر ہمارے علمار بس اس پر راضی اور مطمئن ہیں کہ سَو دو سَو برس میں بس ایک عبدالشکور فاروقی پیدا ہوجائے تو وہ کافی ہے پھر لطف یہ ہے کہ خود ہمارے اہل سنّت والجماعت کے افراد بھی ان امام اہل سنّت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی نقشبندی مدظلہٗ کو غیروں کے طعن سے متاثر ہو کر "تفرق ڈالنے والے" کا خطاب دیتے ہیں۔ فالی المشتکیٰ حریف ہر نئی نسل کے لئے نئی تیاریاں کرتا رہتا ہے۔ ہمارے علمار ایک نسل میں کچھ تیاری کر کے اُسے قیامت کے لئے کافی سمجھتے ہیں وہ اس اُصول پر کاربند ہیں کہ ذکر حسینؓ عبث ہے اس کو رواج نہ دینا چاہئیے اس طرح زہر کا تریاق تو سرے سے غائب ہے اور زہر برابر بڑھ رہا ہے اس لئے میری قطعی رائے ہے کہ مسلمانان اہلسنت

میں سے اہل تحقیق علماء جن میں طمع نہ ہو لوجہ اللہ خود اپنے گھر یا اپنے انتظام میں حسینؓ کے حالات ضرور بیان کریں۔ میری اس رائے میں اگر علماءِ وقت شریک نہ ہوں گے اور اتفاق نہ کریں گے تو بھی میں اپنے تفرد پر پشیمان نہ ہوں گا۔

(حضرات عشرہ مبشرہ وکبار صحابہ کے بعد) صغار صحابہ میں سیدنا حسینؓ یقیناً تمام اولیاء اللہ کے سردار، اور جوانان جنتی کے سردار ہیں۔ ان کے صحیح اور معتبر حالات کے بیان کرنے میں یقیناً خدا کی رحمت کا نزول ہوگا جس طرح دیگر اولیاء وصحابہ کی سیرتوں کے ذکر کے وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے پھر صحیح ذکر حسینؓ سے عقائد وعمل بھی درست ہوں گے مگر علماء کو چاہیئے کہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور پہلے مستند کتابوں سے بغائر مطالعہ کرکے تیاری کرلیں پھر بیان شہادت کی محفلوں میں جاکر صحیح واقعات بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ شہادت حسینؓ کے ذکر کے وقت ماتم کرنا۔ آواز سے رونا نہ چاہیئے صرف آنکھ سے روئے اور زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے۔ یہ بھی بتائیں کہ شہادت کی تیرہ قسموں میں سے سیّدنا حسینؓ کی شہادت، "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَظْلِمَةٍ" کی قسم کی تھی قتل فی سبیل اللہ کی نہ تھی اور یہ بھی بتائیں کہ بنائے لا الٰہ الا اللہ صرف اصحاب بدر تھے یہ بھی بتائیں کہ سید الشہداء تو حمزہ رضی اللہ عنہ تھے ان کے بھی کچھ حالات سنائیں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ مظلومیت کی شہادت، سب سے زیادہ حسرتناک حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی یہ بھی بتائیں کہ سیدنا حسینؓ کی شہادت، حضرات حمزہؓ۔ عثمانؓ اور سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادتوں سے کم درجہ کی تھی۔

اسی طرح سیدنا حسینؓ کے دوسرے احوالِ زندگی مثلاً حُسنِ اخلاق۔ زہد و ورع عبادت و ریاضت، حُسن معاشرت، حُسنِ معاملات وغیرہ کے صحیح و مستند حالات بیان کریں اسی کے ساتھ جنگ کربلا کا بھی لازماً بیان کیا کریں اور نیت یہ ہو کہ مسلمانوں کے عقائد درست ہوں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ غم تازہ کرنے اور صرف ذکر شہادت کو یا ماہ محرم کو مخصوص کر لینے میں شرعی قباحتیں ہیں ان سے بچنا چاہیئے واقعات کربلا کے لئے یا سیدنا حسینؓ کی سیرت کے دوسرے پہلو پر مستند کتابوں کے لئے محقق علما سے مشورہ بھی کریں۔ چند کتابوں کا نام میں بھی لیتا ہوں :۔

عربی میں :۔ راس الحسینؓ از ابن تیمیہؒ ۔ محاضرات الخضری ۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۔ اُسد الغابہ ۔ اصابہ ۔ طبقات ابن سعد

اُردو میں :۔ خلافت معاویہ و یزید از محمود احمد عباسی ایم اے مضمون واقعۂ کربلا معہ تتمہ از مولانا عتیق سنبھلی رسالہ الفرقان ذالحجہ ۷۳ھ و محرم ۷۴ھ۔

احقر کا یہ رسالہ تحفۂ کربلا۔

فصل سوم

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کا حکم

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے بلکہ کربلا کے واقعات کی تحقیق کرنے میں اُمت کا رویہ چار قسم کا رہا ہے (۱) وہ حضرات جنھوں نے کم علمی، کم فرصتی یا تن آسانی و کم ہمتی کی وجہ سے اس خارزار میں سرے سے پڑنا ہی نہیں چاہا اور نفیاً یا اثباتاً

ان کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا خاموش ہی رہے ان کا مقولہ یہ تھا کہ قیامت میں ہم سے
یزید کے بابت سوال نہ ہوگا اس لئے ہم کو ان اُمور میں علم و عمل لگانا چاہیئے جن کے
متعلق قیامت میں ہم جواب دہ ہوں گے (۲) وہ حضرات جو خود سیّد تھے یا سیّد زادہ
تھے مگر جذباتی تھے وہ خاندانی عصبیت کے بہاؤ میں یا جذبات کی رو میں بے قابو
ہو کر بہہ گئے اور اُنھوں نے علم و تحقیق ضمیر اور صداقت کا خون کرنا، احتیاط اور
شرافت نفس کو نظر انداز کرنا، یزید کے کارناموں کو چھپا جانا گوارا کرلیا اور اُنھوں
نے یزید پر بلکہ اس کے اعوان و انصار تک پر مستقل تصانیف میں یا کہیں ضمناً ہی
بے تحاشا لعنتیں کی ہیں اور اس طرح اپنے نامۂ اعمال میں "لعنِ اہل قبلہ کے جرمِ عظیم"
کا ذخیرہ کرلیا جیسے تفتازانی۔ مصنّف تفسیر روح المعانی و امثالہم اور اس قسم
میں ۹۸ فی صدی سُنّی داخل ہیں (۳) وہ جنھوں نے سوالات و استفتاؤں کے
جواب میں علم و تحقیق کی داد دی۔ ادب و احتیاط حق و صداقت کا دامن نہ چھوڑا
جذبات سے الگ رہ کر جو جرم یزید پر ثابت نہ تھے اُن سے اس کا تبریہ کیا یا احتیاط
اور خاموشی کو اسلم بنایا اسے دیانت کے ساتھ اس احتمال کا فائدہ دیا کہ شاید
اس نے توبہ کرلی ہو اس لئے اس پر لعنت نہ چاہیئے جیسے امام غزالیؒ۔ مولانا
تھانویؒ (۴) وہ لوگ جنھوں نے اُمّت کے عقائد کی جب ایسی تباہی دیکھی کہ
حسینؓ کے نام کے ساتھ لوگ بے تکان امام اور علیہ السّلام لکھتے اور حسینؓ کے پیغمبر
اور معصوم ہونے کا ایہام کرتے ہیں تو خود مستقل تصانیف لکھکر تحقیق کی داد دی
جیسے امام ابن تیمیہؒ نے راس الحسینؓ میں۔ ابن کثیرؒ نے تاریخ بدایہ و نہایہ میں
ابن خلدون نے مقدمہ میں۔ محمد الخضری نے محاضرات میں۔ محمود احمد عباسی

نے خلافت معاویہ و یزید میں جزاہم اللہ عنا خیر الجزاء، مگر مجھے کہنے دیجئے کہ پہلی دو قسموں کے لوگ اُمّت کی گمراہی اور عقائد کی تباہی کے ذمّہ دار ہیں انھوں نے خاموش رہ کر یا جذباتی و غیر تحقیقی تحریروں سے سبائیہ کے ہاتھ مضبوط کئے ان کے کفریات کی اشاعت میں مدد دی اور کچھ تعجّب نہیں اگر قیامت میں یہ لوگ سکوت عن الحق اور اضلال اُمّت کے جرموں میں ماخوذ ہوں۔ البتہ بعد کی دو قسموں کے لوگوں کو یقیناً انشاء اللہ سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا اس لئے کہ وہ عجمی زہر یعنی خاندانی طرفداری سے محفوظ ہے مثل حضرت عمرؓ۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ بیعت رضوان کا درخت اُمّت میں فساد عقیدہ کا ذریعہ بن رہا ہے تو اُسے کاٹ دیا تبرک نبوی کی رعایت نہیں کی۔ اُنھوں نے شرعی بے لاگ فیصلہ دیا۔

لعنت کے معنے ہیں رحمت سے دوری۔ لعنت رحمت کی ضد ہے۔ کسی کو یہ کہنا کہ اللہ اس پر لعنت کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بددعا دی جا رہی ہے کہ خدا اس پر رحم کرنا چھوڑ دے اسلام میں مسلمانوں پر (نیکوکار مسلمانوں پر بھی اور فاسق و بدکار مسلمانوں پر بھی) رحمت کی دعا کرنے کا تو حکم ہے لعنت کرنے کا حکم و اجازت نہیں۔ بلکہ ممانعت ہے۔

قرآن و حدیث میں جس شخص یا جس قسم کے لوگوں پر لعنت وارد ہوئی ہے اس پر تو ہم بھی لعنت کر سکتے ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے بہت سے ملائکہ ان پر لعنت ہی کرنے کے لئے مقرر ہیں۔ لیکن جس شخص پر لعنت وارد نہیں ہے اس شخص اس کے کسی بڑے سے بڑے گناہ اور فسق کی وجہ سے لعنت کرنے کی ہم کو اجازت نہیں۔ کیا خبر ممکن ہے اُس بدکار شخص نے مرنے سے قبل توبہ کر لی ہو۔ تو

ایسی صورت میں لعنت کرنے سے لعنت خود اس لعنت کرنے والے ہی پر آپڑتی ہے اور وہ "نوارۂ لعنت از وخیزد و بر و ریزد" کا مصداق بن جاتا ہے۔

یزید مسلمان تھا اُس کے کفر کا ثبوت نہیں اس لئے اُسے واقعۂ کربلا کے مشہور حالات کی بنا پر بھی زیادہ سے زیادہ آپ بدکار مسلمان کہہ سکتے ہیں مگر چونکہ اس کا احتمال بھی ہے کہ اس نے مرنے سے قبل خدا کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لی ہو اس لئے اس پر لعنت کرنا غلط اور متقیانہ احتیاط کے خلاف ہے۔ تمام اکابر محتاط علما کی رائے اور فتویٰ یہی ہے۔ ہم ذیل میں چند فتاوے مستند علمار کے درج کرتے ہیں:۔

فتویٰ اوّل از حضرت حکیم الامت مولٰنا اشرف علی فاروقی تھانوی چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

سوال:۔ یزید کو لعنت بھیجنا چاہیئے یا نہیں۔ اگر بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے اور اگر نہ بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب:۔ "یزید کے باب میں علمار قدیماً و حدیثاً مختلف رہے ہیں۔ بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے بدلیل حدیث بخاری: ثم قال النبی صلی اللہ علیہ اول جیش من اُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم مختصراً من الحدیث الطویل بروایۃ اُم حرام رض۔ قال القسطلانی کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ۔ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بھا ابو ایوب سنۃ اثنین و

خمسین من الھجرة اھ کذا قال فی الخیر الجاری ۔ وفی الفتح:
قال المھلب فی ھذا الحدیث منقبة لمعاویہؓ لانہ اول من غزا
البحر ومنقبة لولدہ لانہ اول من غزا مدینة قیصر انتھی ۔
اور بعضوں نے اس کو ملعون کہا ہے بقولہ تعالیٰ فھل عسیتم ان تولیتم
ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم ۝ اولئک الذین لعنھم
اللہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم ۝ الآیة ۔ فی التفسیر المظھری:
قال ابن الجوزی انہ روی القاضی ابو یعلی فی کتابہ معتمد الاصول
بسندہ عن صالح ابن احمد بن حنبل انہ قال قلت لابی ۔ یا ابت!
یزعم الناس انک تحب یزید بن معاویہؓ فقال یا بنیّ ! ھل یسع
لمن یومن باللہ ان یحب یزید ولا یلعن رجلاً لعنہ اللہ فی کتابہ
قلت یا ابتِ ! این لعن اللہ یزید فی کتابہ قال حیث قال "فھل
عسیتم" الآیة

مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا ۔ اور
یہ ایک امر غیبی ہے جب تک شارع بیان نہ فرمادے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں
شخص خدا کی رحمت سے دور ہے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے ۔ اور تتبع کلام شارع
سے معلوم ہوا کہ نوع ظالمین وقاتلینِ مسلم پر تو لعنت وارد ہوئی ہے کما قال تعالیٰ:
الا لعنة اللہ علی الظالمین ۔ وقال: ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ
جھنم خالداً فیھا ۔ وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدّ لہ عذاباً
عظیماً الآیة بس اس کی تو ہم کو بھی اجازت ہے ۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہے

کہ کون اس نوع میں داخل ہے اور کون خارج ۔ اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہے نہیں ۔ پس بلا دلیل اگر دعویٰ کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے تو اس میں خطر عظیم ہے ۔ البتہ اگر نص ہوتی تو مثل فرعون و ہامان و قارون وغیرہم کے لعنت جائز ہوتی ۔ و ذلیس قلیبس ۔ اگر کوئی کہے کہ جیسے کسی شخص معیّن کا ملعون ہونا معلوم نہیں ۔ کسی خاص شخص کا مرحوم ہونا بھی تو معلوم نہیں ۔ پس صلحاء مظلومین کے واسطے رحمۃ اللہ علیہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ یہ بھی اخبار عن الغیب بلا دلیل ہے ۔ جواب یہ ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ سے اخبار مقصود نہیں بلکہ دعا مقصود ہے اور دعا کا مسلمانوں کے لئے حکم ہے اور لعن اللہ علیہ میں یہ نہیں کہہ سکتے اس واسطے کہ وہ بددعا ہے اور اس کی اجازت نہیں ۔ فافہم ۔ اور آیت مذکورہ میں بھی نوع مفسدین و قاطعین پر لعنت آئی ہے ۔ اس سے لعنت یزید پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے ۔ اور امام احمد بن حنبل رح نے جو استدلال فرمایا ہے اس میں تاویل کی جاوے گی یعنی آن کان منہم یا مثل اس کے ۔ لحسن الظن بالمجتہد ۔ البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاتل و آمر و راضی بقتل حسین رض پر لعنت وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ ۔ یعنی اگر بلا توبہ مرا ہو ۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ ان سب لوگوں کا قصور قیامت میں معاف ہو جائے ۔ کیونکہ ان لوگوں نے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ضائع کئے اور کچھ حقوق ان بندگانِ مقبول کے ۔ اللہ تعالیٰ تو توّاب رحیم ہی ہے یہ لوگ بھی بڑے اہل ہمّت اولوالعزم تھے کیا عجب کہ بالکل معاف کر دے بقول مشہور ع صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم ۔ پس جب یہ احتمال ہے تو

ایک خطر عظیم میں پڑنا کیا ضرور۔ اسی طرح اس کو یقیناً مغفور کہنا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔ رہا استدلال حدیث مذکور سے۔ وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ وہ مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ۔ اور وہ امر مجہول ہے چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول المہلب کا لکھا ہے :-

"تعقبہ ابن التین وابن المنیر بما حاصلہ انہ لا یلزم من دخولہ فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص۔ اذ لا یختلف اہل العلم عن قولہ علیہ السلام مغفور لھم مشروط بان یکونوا من اہل المغفرۃ حتی لو ارتد احدٌ ممن غزاھا بعد ذالک۔ لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً۔ فدل علی ان المراد مغفورٌ لمن وُجد شرط المغفرۃ فیہ منھم

(حاشیہ بخاری جلد اول مطبوعہ احمدی ص ۴۱۰) پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بہ علم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لان فیہ خطراً۔ اور اگر کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے تعرض نہ کرے لان فیہ نصراً۔ اسی واسطے خلاصہ میں لکھا ہے: انہ لا ینبغی اللعن علیہ ولا علی الحجاج لان النبی علیہ السلام نھی عن لعن المصلین۔ ومن کان من اہل القبلۃ وما نقل من النبی علیہ السلام من اللعن لبعض من اہل القبلہ۔ فلما انہ یعلم من احوال الناس ما لا یعلمہ

غیرہ" آہ اور احیاء العلوم جلد ثالث باب آفتہ اللسان آفت ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی ہے۔ خوف تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی۔ "من شاء فلیرجع الیہ۔ اللھم ارحمنا من مات ومن یموت علی الایمان آمین۔"

(امداد الفتاوی تتمہ ثالث ص ۶۵)

فتویٰ دوم: از حجۃ الاسلام الامام الہمام محمد الغزالی قدس اللہ سرہ

"ھل یجوز لعن یزید لانہ قاتل الحسین او امر بہ۔ قلنا: ھذا لم یثبت اصلاً فلا یجوز ان یقال انہ امر بہ مالم یثبت۔ فضلاً عن اللعنۃ۔ لانہ لا تجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ... (پھر ۹ سطور کے بعد)..... فان قیل ھل یجوز ان یقال قاتل الحسین لعنہ اللہ او الآمر بقتلہ لعنہ اللہ۔ قلنا: الصواب ان یقال قاتل الحسین ان مات قبل التوبۃ لعنہ اللہ لانہ یحتمل ان یموت بعد التوبۃ فان وحشیاً قاتل حمزہ عم رسول اللہ صلعم قتلہ وھو کافر ثم تاب عن الکفر والقتل جمیعاً۔ ولا یجوز ان یلعن. والقتل کبیرۃ ولا تنتھی الی رتبۃ الکفر فاذا لم یقید بالتوبۃ واطلق کان فیہ خطر"۔ انتہی

سوال: کیا یزید پر لعنت جائز ہے اس لئے کہ اُس نے حسین رض سے جنگ کی یا جنگ کا حکم دیا تھا؟۔

جواب: اس بات کا مطلق ثبوت نہیں اس لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یزید نے حسین رض کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو چہ جائیکہ لعنت

(لعنت جائز نہیں) کیونکہ کسی مسلمان کی نسبت کسی گناہ کبیرہ کا بطور یقین کے ذکر کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

(۹ سطر بعد) تو اگر یہ کہا جائے۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ حسینؓ کے قاتل پر لعنت اور جس نے اُنکے قتل کا حکم دیا اس پر لعنت خدا کی؟

جواب: یوں کہنا درست ہوگا کہ حسینؓ کا قاتل اگر توبہ سے پہلے بغیر توبہ کے مرگیا ہو تو اس پر خدا کی لعنت[1] کیونکہ اس کا بھی تو احتمال ہے کہ وہ توبہ کر کے مرا ہو دیکھو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ کے قاتل نے کفر کی حالت میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا پھر کفر اور قتل سب سے توبہ کر لی تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ یہ قتل گناہ کبیرہ ہے کفر کے درجہ تک نہیں پہونچتا۔ اس لئے اگر توبہ کے احتمال کی قید نہ لگائی جائے اور مطلقاً (قاتل حسینؓ کو) ملعون کہہ دیا جائے تو اس میں بہت بڑا خطرہ ہے۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۰۸، باب آفات اللسان)

---

[1] یہاں غالباً تسامح ہوا ہے۔ ایک قید اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر قاتل و آمر و راضی بقتل حسین رضی اللہ عنہ نے آپکو بلا تاویل شہید کیا ہو۔ ورنہ اگر قاتل و آمر و راضی بقتل حسینؓ نے اس تاویل سے ان کو قتل کیا اور قتل حسین پر اس خیال سے راضی ہوا ہو کہ وہ اُمت میں فتنہ پھیلاتے ہیں اور حکومت مسلم سے بغاوت کر رہے ہیں تب تو یہ غالباً عین امتثال حکم نبوی ہوگا کہ ارشاد صریح ہے ".... یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ کائناً من کان" او کما قال ؐ ـــــ ورنہ اگر کوئی قاتل و آمر و راضی بہ قتل مسلم واقعی ملعون اور مطعون ہونے لگے تب تو کسی حکومت کو کسی باغی کے قتل کا اختیار ہی نہیں رہ جاتا ہے۔ یہاں اگر علماء میری جسارت معاف فرمائیں تو اپنے منہ کے چھوٹے ہونے کے اعتراف کے ساتھ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ حضورؐ نے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۳ پر ملاحظہ ہو)

فتویٰ سوم : ازعالم ربانی مولا عبدالحی لکھنوی نور اللہ مرقدہٗ :-

سوال :- طویل ہیں ایک ضمنی سوال یہ ہے کہ

"..... نیز بکر دعوا کرتا ہے کہ مذہب اہلِ حق یہی ہے کہ یزید کافر ہے اور لعنت کرنا اس پر بالخصوص جائز ہے جو اس میں مخالف ہے وہ اہلِ حق سے خارج ہے اور بعضے علمائے حنفیہ کا جو خلاف منقول ہے وہ بغرض عدم جواز لعن نہیں ہے بلکہ بایں غرض ہے کہ ان کے نزدیک یزید کا نام قابل زبان پر لانے کے نہیں ہے نہ یہ کہ فی نفسہ اس پر لعن کرنے میں کچھ قباحت ہے شرح عقائد اور حاشیہ جند میں اس کی تصریح ہے یہی مذہب صحیح ہے۔ ..... (۱۰ سطر بعد) ..... حامد کہتا ہے کہ اہلِ حق یزید پلید کے حکم کفر میں اور پھر جواز لعن میں خود مختلف ہیں اگرچہ بعض اکابر نے اس پر حکم وجواز لعن کا اطلاق فرمایا ہے لیکن حجۃ الاسلام جناب امام غزالی اور صاحب قصیدہ امالی اور سوا ان کے بہت ائمہ دین حکم عدم کفر اور عدم لعن کو حق جانتے ہیں اور جمہور محققین اس کے اطلاق حکم کفر و اسلام و جواز و عدم جواز لعن میں توقف کو اپنا مذہب گردانتے ہیں .....(۹ سطر بعد).....

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷) مغفور لہم مقام تبشیر میں حق تعالیٰ کی طرف سے غیب پر مطلع ہو کر اور آئندہ اس فوج کی حالت ایمانی کی طرف سے مطمئن ہو کر فرمایا تھا۔ مغفرت ایک خدائی اور غیبی امر ہے اس کی بشارت، مغفرت کے قطعی اور یقینی ثبوت ہی کی صورت میں ہو سکتی ہے ایسی صورتوں میں بھی شرط وفات علی الایمان اگر ہو تو پھر اصحاب بدر و اصحاب شجرہ سب کے لئے یہی تاویل کرنی پڑے گی اور کوئی اس کا قائل نہیں۔

پس اگرچہ صاحب شرح عقائد نے باوجود اختلاف اہل حق وبیان مذہب حنفیہ کے اپنے زعم میں ترجیح کفر کی ثابت فرمائی ہے لیکن دوسرے اکابر محققین نے وہ ترجیح مسلم نہیں ٹھہرائی ہے۔ مسائرہ[۳] اور مسامرہ[۴] و ردالمحتار شامی[۵] وغیرہ کتب معتمد فقہ و عقائد علماء حنفیہ میں دوسری جانب کے معتمد ہونے کی ترجیح ہے بلکہ بہت کتب مشہورہ محققین میں شرح عقائد پر اعتراض کی بھی تصریح ہے چنانچہ شرح فقہ اکبر۔ ضوء المعالی۔ حاشیہ عصام اور حاشیہ ابوالیسر بر شرح عقائد اور دوسرے حواشی سے ثابت ہے الخ"

جواب:۔ قول بکر کا اس بحث میں صحیح نہیں ہے بلکہ مخالف کتب معتبرہ ہے.... (ڈھائی سطر بعد) ..... اور بھی اُس (یعنی مسامرہ لابن الہمام مع شرح مسائرہ لابن ابی شریف ۱۲) میں ہے:

"قد اختلف فی اکفار یزید قیل نعم لما وقع منہ الاجتراء علی الذریۃ الطاھرۃ کالامر بقتل الحسین وما جری منہ مما ینبو عن سماعہ الطبع ویصم لذکرہ السمع وقیل لا۔ اذ لم یثبت لنا تلک الاسباب الموجبۃ للکفر۔ وحقیقۃ الامر اے الطریقۃ الثابتۃ القویمۃ فی شانہ التوقف فی شانہ ورجع امرہ الی اللہ تعالٰی انتہی اور اسی طرح اور کتب عقائد میں موجود ہے"

(فتاوی عبدالحی ج ۲ ص ۱۷ تا ۱۹)

مطبوعہ یوسفی لکھنؤ ۱۳۱۴ھ

لیکن یہ بحث ناتمام رہے گی اگر ہم علامہ سعدالدین تفتازانی کی ایک تحریر اور اس کے

متعلق صحیح مسلک کا ذکر بھی نہ کر دیں کیونکہ اکثر کرایہ کے اہل علم سُنّی اپنی مغالطہ آمیز اور تشیّع انگیز تحریروں سے سینیّوں میں بہت سخت بدظنی پھیلائے ہوئے ہیں :-

علّامہ نجم الدین عمر نسفی نے عقائد کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام عقائد نسفی ہے اس پر علّامہ سعد الدین تفتازانی نے ایک شرح لکھی ہے جو شرح العقائد النسفیہ کے نام سے عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے یہ کتاب یقیناً معتبر ہے مگر اس میں یزید کے لعن کے مسئلہ میں یقیناً وہ منصبِ علم و افتاء مقام عقل و عدل سے ہٹ گئے ہیں ۔

نسفی کا متن ہے "ویکفّ عن ذکر الصحابۃ الّا بخیرٍ" یعنی صحابہ کا ذکر یا تو کیا نہ جائے اور اگر کیا جائے تو بھلائی کیساتھ کیا جائے اس پر تفتازانی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے :- "کیونکہ اُن (صحابہ) کی تعریف میں صحیح حدیثیں موجود ہیں چنانچہ ایک حدیث ہے کہ "میرے[1] صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہنا کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ برابر سونا بھی خدا کی راہ میں خرچ کرے گا تب بھی میرے کسی صحابی کے ایک مُد یا نصف مُد کے برابر نہیں پہونچ سکتا" نیز فرمایا "میرے[2] تمام صحابہ کی عزّت و اکرام کیا کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہترین جماعت ہیں" نیز فرمایا[3] "دیکھنا خدا سے ڈرتے رہنا میرے صحابہ کے معاملات میں زبان کھولتے وقت ۔ دیکھنا میرے بعد کہیں انھیں نشانہ ملامت نہ بنانے لگنا ۔ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی اس نے میری ہی محبت کیوجہ سے ان سے محبّت کی اور جس نے اُن سے بغض و دشمنی رکھی تو اُسے درا صل خود مجھ ہی سے بغض و دشمنی ہے جس کی وجہ سے وہ اُن سے بھی بغض رکھتا ہے جو انھیں ستائے گا وہ مجھے ستائے گا اور جس نے مجھے ایذا پہونچائی اُس نے حق تعالیٰ کو

کو ایذا پہونچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہونچائے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے فوراً پکڑ کر رہے گا۔" پھر حضرات ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ حسن حسین رضی اللہ عنہم و دیگر اکابر صحابہ میں سے ہر ایک کے بارہ میں صحیح حدیثیں موجود ہیں ۔۔۔ رہیں وہ روایات جو اُن میں آپس میں ہوئیں تو اُن کا خاص محمل اور سبب ہے اور ان کی کچھ تاویلات بھی ہیں اس وجہ سے ان کو بُرا بھلا کہنا اور ان پر الزام قائم کرنا اگر ایسی باتوں میں ہو جو دلیل قرآنی قطعی کے خلاف ہو تو کفر ہے جیسے سیّدہ عائشہ رضؓ پر تہمت۔ ورنہ پھر بدعت اور فسق ہے۔ اور مختصر یہ ہے کہ سلف مجتہدین سے اور صالح علماء سے حضرت معاویہ رضؓ پر اور ان کے ساتھیوں پر لعنت کا جواز منقول نہیں کیونکہ ان کا معاملہ بس اتنا ہی تو تھا کہ اُنھوں نے امام (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کا مقابلہ کیا تھا تو اس سے لعنت نہیں کی جا سکتی۔ ہاں یزید کے بارے میں اختلاف ہے۔ خلاصہ وغیرہ میں تو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنا چاہیے اور اسی طرح حجاج بن یوسف پر بھی لعنت نہ کرنا چاہیے کیونکہ حضورؐ نے نماز پڑھنے والوں پر اور جتنے اہل قبلہ ہیں ان پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے رہیں وہ روایات جن میں حضورؐ کا بعض اہل قبلہ والوں پر بھی لعنت کرنا آیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ کو لوگوں کے ایسے ایسے حال معلوم تھے جو دوسرے نہیں جان سکتے تھے۔ اور بعضوں نے یزید پر لعنت کی بھی ہے کیونکہ اُس نے جب حسینؓ کے قتل کا حکم دیا تھا اُسی وقت وہ کافر ہو گیا تھا۔ اور اس پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ جس نے سیدنا حسین رضؓ کو[1] قتل کیا۔ یا جس نے اس کا حکم دیا یا جس نے اس کی اجازت دی

[1] یہ حکم مطلق نہیں بلکہ اگر کسی نے یہ حکم بنا دلیل قیامِ امن و دفعِ شورش و اطفاءِ فتنہ (بقیہ صفحہ ۲۸۲ پر)

اور جائز سمجھا اور اس پر راضی ہوا اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ حق یہ ہے کہ سیدنا حسین رضؓ کے قتل پر یزید کا خوش اور راضی ہونا۔ اس کا اس خبر کو خوشخبری سمجھنا اور اہلبیت نبوی کی اہانت ایسی چیزیں ہیں جو تواتر کی حد تک مشہور ہیں۔ اگرچہ اس کے جزئی واقعات، روایتِ آحاد ہی سے ثابت ہوں اس لئے ہم تو اس کی شان میں توقّف نہیں کریں گے بلکہ اس کے ایمان[ـه] میں بھی توقّف نہیں کریں گے۔ خدا کی لعنت ہو اُس پر بھی اور اس کے تمام ساتھیوں پر بھی ــــ" انتہی

(عربی شرح عقائد نسفی مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۱۶-۱۱۷)

اس عبارت کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ چونکہ یزید نے قتل حسین رضؓ کا حکم دیا تھا۔ چونکہ یزید قتل حسین رضؓ پر خوش تھا۔ چونکہ یزید نے اہلبیت نبوی کی اہانت کی تھی اس لئے وہ کافر ہو گیا اور چونکہ وہ کافر تھا اس لئے ہم اُس پر لعنت کرتے ہیں ــــ تو اس پر حسب ذیل ایرادات وارد ہوتے ہیں :-

۱- جب تفتازانی کتاب خلاصہ کا فتویٰ خود نقل کر چکے کہ یزید پر حجاج پر کہ اہل قبلہ ہیں لعنت نہ کرنی چاہیئے اس کے بعد تو احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ لعنت سے سکوت کیا جاتا جیسا امام غزالی نے لکھا ہے اہلِ علم کا منصب یہی تھا۔

(صفحہ ۲۱ کا بقیہ) دیا اور اس پر راضی ہوا تو وہ کافر تو کیا عاصی بھی نہیں ہوا۔ اور معلوم ہے کہ بنو امیہ حضرت حسین رضؓ کو باغی سمجھتے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضور صؐ نے فاقتلوہ کائنا من کان فرما دیا ہے ۱۲ [ـه] گویا ان کو علم الیقین حاصل ہو گیا کہ اس نے توبہ نہیں کر لی تھی یا بقول حضرت تھانویؒ حضرت حسین رضؓ وغیرہ نے معاف نہیں کر دیا۔ مومن کو مومن سے حُسن ظن رکھنا چاہیئے۔

۲۔ تفتازانی لکھتے ہیں کہ یزید نے قتل کا حکم دیا تھا حالانکہ دوست دشمن کسی مورخ یا سیرت نگار نے یزید کا حکم قتل نہیں نقل کیا۔ اُس نے جو کچھ حکم دیا تھا وہ یہ تھا کہ حسینؓ سے جس طرح بنے میری بیعت لے لو بیعت لینے میں سختی اور تاکید تک تو اس کے حکم سے مترشح ہوتی ہے مگر قتل کا حکم نہیں نکلتا۔ بھلا ذرا غور تو فرمائیے یزید کو تو صرف بیعت مقصود تھی تاکہ پبلک پر اچھا اثر پڑے اور سب لوگ بغیر کسی شورش کے میری بیعت کرلیں۔ حسینؓ کے قتل کا حکم دینا تو اس کے لئے ظاہری سیاست کے لحاظ سے بھی مُضر تھا۔ موٹی عقل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ حسینؓ کے قتل سے تو پبلک یزید سے سخت متنفر اور اس کے خلاف ہوجاتی۔ پس وہ قتل کا حکم دیتا تو کیوں؟ بہرحال روایات تاریخی میں تو اس حکم کا سرے سے وجود ہی نہیں تواتر تو الگ رہا ـــــ ہاں اگر تفتازانی ہر سال کے محرم تعزیہ ماتم کی فتنہ انگیز بدعات سے تواتر نکال رہے ہوں تو یہ تواتر تو صحیح مگر اس سے مسئلہ نہیں ثابت ہوسکتا! پھر تفتازانی کو اس پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تھی کہ سیدنا علیؓ نے بھی تو زبیر[۱] و طلحہ رضی اللہ عنہما سے بزور شمشیر اور بہ تہدید قتل ہی بیعت لی تھی اس کے علاوہ قیس[۲] والیٔ مصر کو لکھا تھا کہ اہل مصر سے بیعت لینے پر اصرار کرو نہ مانیں تو اُن سے قتال کرو۔ نیز[۳] سیدنا معاویہؓ سے بھی اُنھوں نے ایسا ہی معاملہ کیا کہ یا بیعت کرو یا جنگ کے لئے تیار رہو۔ اس کے بعد کیا عجب ہے کہ یزید نے جو

سیدنا علیؓ کا عزیز قریب تھا۔ حسینؓ سے بیعت لینے پر اسی سنتِ علوی پر عمل کیا ہو۔ یہ دو جوابات تو عام اہلِ ایمان کی طبائع کے مناسب عرض کیے گئے۔ لیکن جس طبیعت کے تفتازانی معلوم ہوتے ہیں ایسی طبائع کے لیے غالباً زیادہ مناسب جواب یہ ہوگا کہ جب یزید نے صاف دیکھ لیا کہ حضرت حسینؓ اُس کی حکومت ختم کرنے کی سازش میں اہلِ کوفہ کی ہمنوائی کرنے لگے اور حضورؐ کا حکم ہے فاقتلوہ کائنا من کان تو پھر یزید اطفاءِ فتنہ کی نیت سے ان کے قتل کا حکم نہ دیتا تو کیا سیدنا حسینؓ کے لئے ہر قدم اور ہر مرحلہ پر پھولوں کی سیج کا انتظام کرتا؟

۳۔ تفتازانی نے لکھا ہے کہ یزید قتلِ حسینؓ پر خوش ہوا۔ اس کا ذکر بھی روایات تاریخی میں نہیں ملتا البتہ تفتازانی اور سبائیوں کے ذہنوں اور دماغوں میں ہے اور اسے وہ مما تواتر معناہ (تواتر کی حد تک پہونچی ہوئی بات) کہتے ہیں۔ تاریخ سے یہ فعل شمر اور ابن زیاد کا تو معلوم ہوتا ہے یزید کا نہیں۔

۴۔ تفتازانی لکھتے ہیں کہ یزید نے اہلبیت نبوی کی اہانت کی۔ اگر تفتازانی نے اہلبیتِ نبوی سے صرف سیدنا حسینؓ کی ذات مراد لی ہے (کہ دراصل اہلبیت نبوی میں سے اس وقت اور اس جگہ میدانِ کربلا میں صرف وہی تنہا تھے) تو پھر تفتازانی کے ذمہ علمی دیانت کے تقاضے سے اس کا ثبوت مہیا کرنا بھی ہوگا کہ یزید نے اہانتِ حسینؓ

کا کوئی کام کیا۔ لیکن اگر تفتازانی نے اہلبیت نبوی کہہ کر سیدنا حسین رضؓ
کی زوجۂ محترمہ اور ہمشیرۂ محترمہ اور صاحبزادگانِ محترم کو
مراد لیا ہے تو اُنھوں نے دو غلطیاں کیں ایک یہ کہ اہلبیت کا لقب تو
توقیفی ہے اللہ نے قرآن میں ازواج رسول کو اور حضورؐ نے حدیث
میں صرف چار حضرات علی فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو اہلبیت
فرمایا تھا پس ازواج رسول تو اہلبیت قرآنی ہیں اور یہ چاروں بزرگ
اہلبیت حدیثی۔ اب کسی دوسرے شخص کو اس کا حق ہرگز نہیں ہے کہ
کسی دوسرے کو اس خطاب میں شامل کرے یہاں تفتازانی کو اہلبیت
حسینی کہنا چاہیئے دوسرے یہ کہ انھیں ثابت کرنا پڑے گا کہ یزید نے
اہلبیت حسینی کی اہانت کا کوئی کام کیا تھا۔ روایات تاریخی تو یہ
کہتی ہیں کہ یزید نے اہلبیت حسینی کا بڑا اکرام کیا تھا۔

۵۔ ان سب کے بعد جو تفتازانی لکھتے ہیں کہ چونکہ اس نے کفر کیا اس لیے
اب تو ہم اس کے بارے میں اور اس کے ایمان کے بارے میں بھی
توقف نہیں کر سکتے اور اس پر اور اس کے ساتھیوں پر خدا کی
لعنت ضرور کہیں گے تو میں پوچھتا ہوں کہ خیر یزید کا کفر تو مختلف فیہ
ہے مگر جن کا کفر متفق علیہ ہے اور منصوص ہے مثل فرعون ہامان
قارون، ابلیس۔ تفتازانی نے کفر کے باعث ان پر بھی لعنت کی
ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کی تو وہ لعن جیسے کار خیر کے نہ کرنے کے مجرم ہی
مرے۔ یزید اور حجاج کا درجہ غالباً فقہا کے یہاں برابر سمجھا گیا

ہے تو کیا حجّاج پر بھی تفتازانی نے اسی طرح لعنت کی ہے یا نہیں؟ خلفاء بنی عباس میں بہتوں نے اولادِ علی کو شہید کرنے کا حکم دیا۔ اور ان کے حکم کا تو ثبوت بھی تاریخوں میں موجود ہے ان پر کتنی بار تفتازانی نے لعنت بھیجی ہے؟۔ اگر لعنت نہیں بھیجی ہے تو یقیناً تفتازانی کے ذمّہ یہ سب مواخذہ ہائے اُخروی باقی رہ گئے۔ اللہ اُن پر رحم کرے۔

[انتباہ ضروری] (۱) سیدنا حسین رضی صحابی رسول تھے خود رسول نہیں تھے۔ شریعت محمدی میں رسول کا قتل تو کفر ہے صحابی کا قتل کفر نہیں فسق ہے۔ (۲) کسی مسلمان کا قتل بلا وجہ شرعی گناہ کبیرہ ہے (۳) کسی مسلمان سے جنگ و قتال اس طرح کہ اس کو بلا وجہ شرعی مباح الدم بھی سمجھے یا اس کے قتل سے خوشی حاصل کرے البتہ کفر ہے (۴) اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی وجہ شرعی کی تاویل سے (مثلاً قصاص میں یا اطفاء فتنہ کے لئے یا سزائے بغاوت میں) قتل کرے تو یہ قتل و قتال کفر نہیں بلکہ بعض حالات میں فسق اور بعض میں جائز اور بعض میں واجب ہے۔ خود سیدنا حسین رض کے خیال میں بھی تو یہی تھا کہ اگر مجھے قوت حاصل ہو جائے تو میں یزید سے قتال کروں اور وہ اپنے عندیہ میں یہ تاویل کئے ہوئے تھے کہ اس کا گھر گھسنا پن۔ سماع شعر و شاعری، سیر و شکار فسق ہے اور اس کے خلاف خروج جائز ہے۔ حالانکہ محض ان امور کے باعث نہ وہ کافر تھا اور نہ اُس سے قتال جائز ہو جاتا تھا اس لئے اپنی نیت قتال یزید کے باعث سیدنا حسین رض بھی تو اُسی جرم "قتالِ مسلم" کے مرتکب تھے

ہم یہ پانچ اعتراضات تفتازانی پر اس لئے کر رہے ہیں کہ سبائیوں کے جو کرایہ کے ٹٹو اور آلہ کار لالچی سنّی اس عبارت کو بار بار پیش کرتے ہیں ان کی اور ان کے ہمنواؤں کی آنکھیں کھل جائیں اور زبانیں بند ہو جائیں ورنہ ہمارا اپنا خیال تو یہ ہے کہ شرح عقائد نسفی کی یہ آخری سطور دشمنانِ اسلام ہی کی تحریف اور اضافہ ہے جب ان کم بختوں نے قرآن تک میں تحریف ۔ کمی بیشی ۔ تبدیل وغیرہ کی ہمّت کر ڈالی گو اللہ کی حفاظت سے اس میں تحریف نہ چل سکی تو بقیہ کتابوں کے ساتھ تو اللہ کی حفاظت بھی نہ تھی ۔ اس لئے دشمنوں نے یہ سطور اضافہ کر دیں کہ لوگ اسے بھی علّامہ تفتازانی کی عبارت سمجھ کر اپنے عقیدوں میں شامل کر لیں اس کے محرّف اور اضافہ ہونے کا کافی ثبوت یہ ہے کہ اوپر خلاصہ کا فتویٰ لکھا ہے کہ اہل قبلہ پر لعن جائز نہیں اس کے بعد یقین نہیں کہ تفتازانی لعنت بھیجنے کی حماقت کرتے ۔

اب ہم ایک ایسے عالم کی تحریر لکھتے ہیں جو ہمارے زمانہ میں تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جذبات سے مغلوب ہو کر کس طرح عالم متّقی بھی راہِ حق اور راہِ عدل سے عدول کر جاتا ہے ۔ علّامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

"فُرات کے ساحل پر اپنے رسولؐ کے نواسے اور ان کے خاندان کے پیاسے شہیدوں کے معصوم بہتے ہوئے لہو سے یہ (بنی اُمیّہ) اپنی حرص و آز کی پیاس بجھا چکے تھے ۔ رسولؐ کا منوّر اور پاک شہر حرّہ کے واقعہ میں لوٹا جا چکا تھا کہ جان و مال ہی نہیں عصمتیانِ حرم کی آبرو اور ناموس تک کی پرواہ نہیں کی گئی الخ"

(رسالہ الفرقان ذالحجہ ۱۳۵۸ھ ہجری ص ۱۲)

اب اس کا جواب بھی ایک انصاف پسند درد مند کے قلم سے سُنئے (عربی عبارات کو حذف کر کے صرف ان کا ترجمہ نقل کیا ہے) وہ لکھتے ہیں :-

"مولانا نے حادثۂ کربلا کی طرف جس انداز سے اشارہ کیا ہے علمائے اہلسنّت کے نزدیک یہ انداز کسی طور پر محمود نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں علّامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی تصنیف "حسین ویزید" میں تفصیلی طور پر علماء حق کے طرز عمل کو واضح کیا ہے جہاں کسی افراط و تفریط کی گنجائش نہیں رکھی ہے۔ میں اس وقت قصداً حادثۂ کربلا کی تفصیلات میں پڑنا نہیں چاہتا کہ بارہا اس واقعہ کی تفصیلات مسلمانوں کے سامنے آچکی ہیں اور یہ امر پایۂ تحقیق کو پہونچ چکا ہے کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا اُس میں بڑا دخل خود اُن کے معاونین "شیعیانِ علی" کو تھا۔

واقعہ حرّہ میں بے شک تین دن تک باشندگان مدینہ کو مصائب کا سامنا رہا اور یزید کی فوجیں اپنا تسلّط قائم کرنے کے لئے سرگرم پیکار رہیں لیکن مولانا نے اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آخر واقعہ حرّہ پیش ہی کیوں آیا ____ ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ ۶۳ھ میں (۲۸ ذی الحجّہ ۶۳ھ کو) واقعۂ کربلا کے دو برس بعد جب ابن زبیر نے حصول خلافت کے لئے اپنی دعوت پھیلائی تو) اہل مدینہ نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان والی مدینہ کو جو بنی اُمیّہ کی طرف سے مدینہ پر مقرر تھے عضوِ معطل بنا دیا

اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ بنی اُمیہؓ کے افراد کو جو مدینہ میں موجود تھے ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہ مروان کے گھر میں محصور ہوگئے ان کی تعداد حالانکہ ایک ہزار تھی لیکن اہل مدینہ کے اس طرزِ عمل پر افسوس کیا اور حسرت سے کہا (شعر) "میں نے اپنی طبیعت میں جس طرح حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تھا (مدینہ کے) لوگوں نے (اپنے طرزِ عمل سے اب) اُسے بدل دیا تو میں نے بھی اپنی قوم پر نرمی کو سختی سے بدل دیا" پھر اُس نے مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ فوج لے کر مدینہ پہونچیں اور بنو اُمیہؓ کو اہل مدینہ کے شدائد سے نجات دلائیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تاکید کردی کہ "انھیں تین مرتبہ (یا تین دن) صلح اور اطاعت کی دعوت دینا اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے ورنہ پھر جنگ کرنا" پھر کہا "جب تین دن گزر جائیں تو جنگ روک دینا۔ علی بن حسینؓ کا خیال رکھنا اور ان کی ایذا رسانی سے باز رہنا اُن سے اچھی طرح پیش آنا کیونکہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ اُن کا خط میرے پاس آگیا ہے" مسلم بن عقبہ فوج لے کر مدینہ روانہ ہوئے اُس وقت اہل مدینہ کا جو رویہ بنی اُمیہؓ کے محصورین کے ساتھ تھا اس کو مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں:۔ "جب اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے بنی اُمیہ پر اپنا محاصرہ اور سخت کردیا اور محصورین سے کہا خدا کی قسم ہم تم سے باز نہ رہیں گے

یہاں تک کہ تم کو ذلیل کر دیں۔ تمہاری شان و شوکت خاک میں ملادیں اور تمہاری گردنیں اُڑادیں۔ ہاں اگر تم ہم سے بہ حلف وعدہ کرو کہ اب ہماری دشمنی نہ کروگے ہمارے ممالک محروسہ پر حملہ آور نہ ہوگے اور ہم سے مقاتلہ نہ کروگے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دینگے"۔

مسلم بن عقبہ مدینہ پہونچے تو اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا "امیرالمومنین (یزید) بھی آپ لوگوں کو شریف اور اصل سمجھتے ہیں اور میں بھی آپ کا خون بہانا بُرا سمجھتا ہوں لہذا میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں پس جو اپنے طرز عمل سے باز آجائے گا اور راہِ حق اختیار کرے گا میں اُس سے اسی (طرز عمل) کو قبول کر لوں گا اور واپس چلا جاؤنگا"

جب تین دن گزر گئے تو مسلم بن عقبہ نے ایک موقع پھر صلح جوئی کا نکالا اور قبل اس کے کہ مدینہ پر حملہ کرے اہل مدینہ سے پوچھا "اے اہل مدینہ! تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کیا کروگے جنگ یا صلح؟ اہل مدینہ نے جواب دیا ہم جنگ کریں گے۔ مسلم بن عقبہ نے پھر کہا "ایسا نہ کرو بلکہ اطاعت قبول کرلو" اہل مدینہ اپنی ضد پر قائم رہے بالآخر جنگ شروع ہوئی اور تین دن تک معرکہ ہوتا رہا۔ بیشک مسلم بن عقبہ نے اپنا تسلّط قائم کرنے کی ہر تدبیر کی۔ البتہ "عصمتیارک حرم کی ناموس" کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس کے وہی ذمہ دار ہیں ـــــ اب حالات آپ کے سامنے ہیں اسی کو واقعہ حرّہ کہا جاتا ہے آپ ہی فیصلہ کرلیں کہ ان واقعات کے پیشِ نظر بالکلیہ بنی اُمیّہ ہی کو

قصور وار ٹھہرا کر ان کے لئے (جن میں بہت سے تابعی اور صحابی بھی تھے) غیر شائستہ الفاظ کا استعمال کہاں تک مناسب ہے ۔۔۔۔؟"

[فائل الفرقان محرم ۱۳۶۶ھ ص ۲۹]

صاحب مضمون نے تاریخ کامل ابن اثیر کی جلد ۴ ص ۲۴ تا ۴۶ کا حوالہ دیا ہے ۔ اس کے بعد صاحبِ مضمون نے شہادت ابن زبیر اور استحلال کعبہ بار اول[1] کا بھی ذکر کیا ہے جو ۷۳ھ میں واقع ہوا ۔ چونکہ وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم تفصیلات کو حذف کر کے تین ضروری معلومات[2] مختصراً یہاں درج کرتے ہیں :۔

(۱) جب ابن زبیر حرمین پر قابض ہو گئے ...... تو حضرت ابن زبیر سے بعض ایسے افعال کا صدور ہوا جو لوگوں کے لئے باعث ناگواری ہوئے جن کی وجہ سے لوگوں نے ان پر اعتراضات کئے ازآں جملہ یہ کہ ابن زبیر نے بنی ہاشم کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا یہانتک کہ خطبہ میں نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود[3] پڑھنا بند کر دیا اور جب لوگوں نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا "اس

---

[1] استحلال کعبہ کا واقعہ دو بار پیش آیا ۔ بار اول عہد یزید میں محرم ۶۴ھ میں حصین بن نمیر کے ہاتھوں اور دوسری بار جمادی الاخریٰ ۷۳ھ میں بعہد عبدالملک حجاج بن یوسف کے ہاتھوں ۱۲ [2] یہ ماخوذ ہے مولانا شبلی کے الانتقاد سے جو اُنھوں نے جرجی زیدان کے جواب میں اسی استحلال کعبہ (کعبہ کی بے حرمتی ۔ اس پر سنگباری ۔ اس میں کسی کو قتل کرنا) کے متعلق عربی میں لکھا ہے [3] اس کے راوی ابن الکلبی وغیرہ روافض ہیں ۔ عقد الفرید میں ہے کہ ابن الزبیر خطبہ میں آہستہ درود پڑھتے تھے واقعی ایک صحابی کے متعلق کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ وہ حضورؐ پر نعوذ باللہ ترک درود کا مرتکب ہو سکے ۱۲

عہد میں نبی ص سے اہل خاندان بڑے لوگ ہیں جب خطبہ میں نبی ص پر درود و سلام سنتے ہیں تو (کبر و نخوت سے) اپنا سر اونچا کرتے ہیں۔"

(ترجمہ الانتقاد شبلی از الفرقان محرم ۱۳۶۰ھ ص ۳۲ بحوالہ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۱)

(۲) "(استحلال کعبہ کی) ابتدا حضرت ابن زبیر ہی نے کی تھی اور پہل کرنے والا زیادہ خطاوار ہوتا ہے اس وجہ سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ عبد الملک نے کعبہ کی بے حرمتی کا قطعاً قصد نہیں کیا تھا بلکہ ابن زبیر سے جنگ کر رہے تھے اور مقصود بالذات ابن زبیر ہی تھے پس کعبہ کو جو نقصان پہونچا وہ بالکل غیر ارادی طور پر ...... چنانچہ حجاج نے اس سلسلہ میں اس قدر احتیاط برتی کہ جب کعبہ پر منجنیقیں نصب کی ہیں تو اصل کعبہ سے اس کا رُخ پھیر کر اُس زمین کی طرف کر دیا جو ابن زبیر نے کعبہ کو وسیع کرنے کے لئے خود اس میں شامل کی تھی۔ علامہ نشاوری نے احسن التقاسیم میں اس کی تصریح کی ہے۔"

(ترجمہ الانتقاد شبلی از الفرقان محرم ۱۳۶۰ھ ص ۳۳)

(۳) "پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مسائل فقہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ باغی جب کعبہ میں پناہ گزیں ہو جائیں تو ان کی یہ پناہ گزینی جنگ و قتال سے روک نہیں سکتی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں ایک کافر کے قتل کا حکم دیدیا تھا جو غلاف کعبہ پکڑے ہوئے کعبہ میں پناہ گزیں تھا۔ اور حضرت

ابن زبیر بھی اہل شام کے نزدیک باغی[۱] تھے"۔
(ترجمہ الانتقاد شبلی از الفرقان محرم ۶ ۱۳۹۳ھ ص ۳۳)

استخلال کعبہ کا ذکر ہو رہا ہے تو اتنا اور سن لیجئے:۔
"جمع الفوائد میں بخاری کی ایک حدیث ہے کہ ابن ابی ملیکہ
کہتے ہیں کہ ابن عباس اور ابن زبیر کے درمیان قصہ خلافت کے

---

[۱] اگر شبلی کا یہ لفظ حضرت ابن زبیر کے لئے تاریخی حقیقت ہے اور اگر ان کی طرف (اہل شام کے نزدیک ہی سہی) اس لفظ کی نسبت کرنا مذہب اہلسنت حنفی کے لحاظ سے بے ادبی اور نادرست نہ ہو تو میں کہتا ہوں کہ سیدنا حسین رضی کا موقف بھی ٹھیک وہی تھا جو ابن زبیر کا تھا صرف فرق خلافت کے پا جانے اور نہ پانے کا تھا نیت سیدنا حسین رضی کی بھی یہی تھی کہ قوت حاصل ہو جائے تو یزید کے خلاف جنگ کریں۔ پس یہ بڑی بے انصافی ہے کہ حضور کے دو عزیز قریب میں سے ایک (ابن زبیر) وہی کام کریں تو ان کو اہل شام کے نزدیک باغی کہا جا سکے اور دوسرے (حسین رضی) وہی کام کریں تو ان کو اہل شام کے نزدیک باغی نہ کہا جا سکے پھر جب حسین رضی کو اہل شام کے نزدیک باغی کہا جا سکتا ہے تو اس کے بعد کے سارے شبہے کہ یزید نے ابن زیاد کو سزا کیوں نہیں دی وغیرہ وغیرہ آپ سے آپ دور ہو جاتے ہیں کہ یزید نے حجاج کو بھی قتل ابن زبیر پر سزا نہیں دی تھی مجھے یقین ہے کہ شبلی نے جس آسانی سے حضرت ابن زبیر کو اہل شام کے نزدیک باغی لکھدیا ہے اُس آسانی سے حضرت حسین رضی کے بارہ میں قیامت تک نہیں لکھ سکتے تھے کہ اہل شام کے نزدیک باغی تھے۔

(انتباہ ضروری) حضرت امام ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت بہت مشہور ہے کہ "حضور صلعم نے فرمایا ایک مینڈھا ہوگا جس سے حرم کعبہ کی حُرمت برباد ہوگی او کما قال" ابن کثیر نے اس کے مُنکر ہونے کی تصریح کی ہے اس کا ایک راوی یعقوب قمی ہے جو (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

بارہ میں کچھ رنجش تھی پس میں ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کیا آپ ابن زبیر سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں کہ حرم کو قتل مسلم کے لئے حلال بنا دیں" تو ابن عباس نے کہا "معاذ اللہ یہ تو ابن زبیر اور بنی اُمیہ ہی کی تقدیر میں لکھ گیا ہے کہ حرم پاک کو حلال سمجھیں واللہ میں کبھی اس کو حلال نہ سمجھوں گا۔ مجھ سے لوگوں نے کہا کہ ابن زبیر سے بیعت کر لو تو میں نے کہا کہ ...... اب عبدالملک برابر آگے بڑھتا جاتا ہے اور ابن زبیر ہیں کہ دُم موڑ کر بیٹھے جا رہے ہیں۔" (جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۲۲)

اس کی شرح میں مولانا عاشق الٰہی نے لکھا ہے :۔

"اس انقلاب و تغیر حالات کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ محتاط صحابہ کی طرح حضرت ابن عباس و محمد بن حنفیہ یکسو تھے کہ جب کسی ایک پر آراء مسلمین کا اتفاق ہو جائے تو اس سے بیعت کریں۔ ابن زبیر نے ان کو دھمکایا اور محصور کیا کہ بیعت کریں جس کو ابن عباس نے اس حدیث میں حرم الٰہی کو

(بقیہ سابقہ) شیعہ ہے یعقوب سے اسماعیل ابن ابان نے روایت کیا وہ بھی شدید التشیع تھا اس کے علاوہ اس کی سند منقطع بھی ہے اس لئے کہ ناقدین رجال نے ابن ابزی عن عثمان کو مرسل قرار دیا ہے (کما فی التہذیب) ابن کثیر ج ۸ ص ۳۳۹ پر ہے کہ بالفرض حدیث کیش صحیح بھی ہو تو بھی یہ سیدنا عبداللہ ابن الزبیر کے لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کے صفات حمیدہ تھے آپ کا امارت کے لئے اُٹھنا اللہ کے لئے تھا۔

حلال کرنے سے تعبیر فرمایا" الخ (دررالفرائد ص ۳۶۱)

ابن زبیر۔ استحلال کعبہ وغیرہ کی بحثیں یقیناً میری کتاب کے موضوع سے خارج ہیں مگر بعض حیثیتوں سے یہ خارج از موضوع بحثیں بھی مفید تھیں اس لئے مختصراً درج کی گئیں۔

اس کے بعد دوسرے اہل علم بزرگ کا حال سُنئے وہ ہیں علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد متوفی سنہ ۱۲۰۷ھ مصنف تفسیر بے نظیر روح المعانی۔ پارہ ۲۶ سورہ محمد کی ایک آیۃ "فہل عسیتم الخ" میں قطع رحم کا لفظ آگیا ہے اس کے بعد ہے اولائک الذین لعنہم اللہ الخ قطع رحم کے سلسلہ میں جو لعنہم اللہ کا لفظ آگیا تو گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ سید صاحب کو لعن یزید کا زرّین موقع ہاتھ آگیا۔ سید صاحب نے پہلے تو (تفتازانی کی طرح) خلاصہ کا فتویٰ کہ یزید پر لعن نہ کرنا چاہئے لکھا پھر تفتازانی ہی کی طرح شانِ علم بھول کر لعنت کرنے پر اُتر آئے ہیں گویا یہ آیت یزید ہی کی شان میں اُتری ہے۔ حالانکہ آیت اُتری ہے منافقین مدینہ کے بارہ میں اور زجر ہے اُن منافقوں پر جو جہاد سے پیٹھ پھیریں اور یزید کے بارہ میں تو سید آلوسی سے بھی زیادہ بڑے عالم اور متقی دو بزرگ عسقلانی اور قسطلانی شرح بخاری میں اور ارباب تواریخ تاریخ میں بیان کر چکے ہیں کہ مدینہ قیصر پر جہاد کا سپہ سالار اور ابو ایوب انصاری اور دیگر اکابر صحابہ کا سردار وہی غریب یزید ہی تھا تو اس نے تو جہاد سے پیٹھ کبھی نہیں پھیری اور نہ اُس کا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینا یا قتل سے راضی ہونا اور قطع رحم کرنا ثابت ہے پھر سید محمود آلوسی ہوں یا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے صالح ہوں انہیں لعن کا حق کیا پہونچتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

سبائیوں کا اضافہ ہے۔ تاریخ معاویہ میں صفحہ ۵۲ پر کتاب العواصم سے نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمد کے نزدیک امیر یزید رحمہ اللہ کا درجہ یہ تھا کہ انھوں نے کتاب الزہد میں صحابہ کے ذکر کے بعد یزید کا ذکر کیا ہے یعنی امام حنبلؒ یزید کی عزت اور اس سے محبت کرتے تھے۔ اس پر سبائیوں نے یہ روایت گڑھ کر تفسیر میں داخل کر دی کہ صالح نے باپ سے پوچھا ارے آپ یزید سے محبت رکھتے ہیں؟ اس کے بعد ایک لچر اور پوچ استدلال آیت سے کر کے لکھ مارا کہ "دیکھو تو قرآن میں یزید پر لعنت ہے" میں اوپر مولانا تھانوی کا مفصل و مکمل و مدلل فتویٰ نقل کر چکا ہوں اُنھوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ آیت میں "نوع مفسدین پر لعنت آئی ہے اس سے لعنت یزید پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے" اس کے بعد مولانا نے اس قول کو امام حنبلؒ کا مان کر اس کی شرح کر دی۔ میں کہتا ہوں کہ لچر استدلال کو امام کا قول مانا ہی کیوں جائے؟ ہم اُسے دشمنوں کی تحریف کیوں نہ سمجھیں؟

فصل ۴

سیدنا حسینؓ کے اقدام کی نوعیت

عقلاً سیدنا حسینؓ کے اقدام کی نوعیتیں تین ہی ہو سکتی ہیں :۔ (الف) آپ ایک عام طالبِ حکومت انسان کی طرح شروع ہی سے حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے نفسانی جذبہ سے اُٹھے تھے یعنی اگر بالفرض یزید کے علاوہ کوئی دوسرا شخص بھی خلیفہ اور امام ہوتا تو بھی آپ یہ اقدام کرتے (ب) آپ

خدا کی طرف سے خلیفہ اور امامِ وقت منفرد ہو چکے تھے اس لئے کسی دوسرے شخص کو منصبِ خلافت پر فائز دیکھ کر آپ کے ذمہ فرض شرعی تھا کہ اُس دوسرے کو جنگ کر معزول کر دیں اور اپنی امامت قائم کریں (ج) آپ شروع سے (شہادت حسن سے) طالب خلافت نہ تھے بلکہ بعض حالات نے آپ کے دل میں طلب خلافت کا اور اس کے لئے حصول قوت کا خیال پیدا کر دیا آپ نے اس کی کوشش کی مگر اس میں ناکام رہے۔

ہم ترتیب وار ایک ایک صورت کا اور اس کے لازمی نتائج کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر میں ہم اپنی واضح رائے اس بارہ میں لکھیں گے:۔

(الف) یہ کہ "آپ شروع سے یعنی شہادتِ حسنؓ کے بعد سے طالبِ جاہ و خلافت تھے اور امیر معاویہؓ کے حکومت کے خلاف اُٹھے تھے" ـــــ ظاہر ہے کہ یہ صورت بغاوت کی ہے اور ناجائز ہے۔ جب حضرت امیر معاویہؓ اپنی حیات میں یزید کو اپنے بعد خلافت کیلئے علانیہ نامزد فرما چکے اور سب سے یزید کی خلافت کے لئے بیعت لے چکے تھے تو حضرت معاویہؓ کے دفن کے وقت اُمت پر لوگوں کا تسلیم کردہ ایک خلیفہ۔ امیر المومنین۔ حاکم۔ امام۔ اولی الامر موجود تھا لہذا اس کے خلاف اُٹھنا یقیناً بغاوت اور ناجائز ہے۔ بنو اُمیہ نے حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے اقدام کو بغاوت ہی سمجھا جیسا ابن زبیر کے واقعہ میں ہم شبلیؒ کا قول اوپر لکھ چکے ہیں۔"

اس سلسلہ میں ذیل کی احادیث سے اُمید ہے ذہنوں کو کافی تسکین د

منتفی ہوگی :۔

[یہ احادیث جمع الفوائد ج اوّل کتاب الخلافت وطاعۃ الامام سے ماخوذ ہیں :]

۱۔ اذا بویع للخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما (مسلم)

جب دو خلیفاؤں کی بیعت لی جانے لگے تو دوسرے کو قتل کر دو۔

۲۔ من اتاکم وامرکم جمیع علی رجلٍ واحدٍ یرید ان یشقّ عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ (مسلم)

جو تمہارے پاس امیر ہونے کی بیعت لینے آئے اُس وقت جب تم لوگ ایک شخص پر متفق ہوکر گزارہ رہے ہو اور وہ شخص تمہارے اتحاد میں انتشار پیدا کرنا یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنا چاہتا ہو تو اس کی گردن اُڑا دو۔

۳۔ ستکون ھناۃ وھناۃ فمن اراد ان یفرق ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان۔ (مسلم)

عنقریب مسلسل ہنگامہ و خرابیاں پیدا ہوں گی اس وقت جو شخص اس اُمّت میں تفریق ڈالنا چاہے درحالیکہ اُمّت مجتمع ہو چکی ہو تو اے مسلمانو تم تلوار سے اُسے مار دو چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

۴۔ انما الامام جنّۃٌ یقاتل من ورائہ ویتقی بہ فان امر بتقوی اللہ وعدل فانّ لہ بذالک اجراً وان قال بغیرہٖ کان علیہ وزراً۔ (بخاری)

حاکم وقت ڈھال ہے جسکے پیچھے جنگ کی جاتی ہے اور جسکی آڑ میں بچاؤ کیا جاتا ہے اگر وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم لوگوں کو دے اور انصاف کرے تو اُسے اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ اس کے خلاف

کرے گا تو اس پر اس کا وبال پڑے گا۔

۵۔ علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب او کرہ الا ان یؤمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة (صحاح ستہ)

ہر مسلمان پر حکم سُننا اور ماننا ضروری ہے چاہے حکم اسے پسند ہو یا نہ ہو ہاں جب حاکم کی طرف سے گناہ کا حکم دیا جائے اس وقت نہ اس کا حکم ماننا چاہئے نہ اس کی بات سُننی چاہئے۔

۶۔ خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم الخ (صحاح ستہ)

حضور نے فرمایا:۔ تمہارے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کو دعائے خیر دو اور وہ تمہیں دعا دیں۔ اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں کہ تم ان کو ناپسند کرو اور وہ تم کو ناپسند کریں تم انھیں بددعا اور لعنت کرو اور وہ تمہیں۔ تو ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو کیا ہم ایسے حاکموں کا تختہ اُلٹ دیا کریں تو آپ نے تین بار منع فرمایا نہیں۔ نہیں۔ نہیں جب تک وہ لوگ تم لوگوں میں نماز کا انتظام جاری رکھیں (یا جب تک وہ تم میں مل جل کر نماز پڑھتے رہیں) اور وہ شخص جس پر کوئی حاکم بن کر آیا ہے وہ اگر حاکم کو خدا کی نافرمانی کرتا دیکھے تو اللہ کی اس نافرمانی اور گناہ کو تو ضرور ناپسند کرے لیکن اطاعت سے باہر نہ ہو۔

۷۔ لا تسبوا الائمة وادعوا الله لهم بالصلاح الخ (کبیر و اوسط)

حضور نے فرمایا:۔ تم لوگ حاکم وقت کو بُرا نہ کہا کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی صلاح و اصلاح کی دعا کیا کرو کیونکہ

انھیں کی درستی میں تمہاری بھی بھلائی ہے۔

۸۔ اسمعوا واطیعوا الخ (بخاری)	حکم احکام سُنا کرو اور خوشدلی سے مانا کرو چاہے تم پر حاکم کوئی ایسا حبشی

ہو جس کا سر پھوڑے کی طرح ذرا سا نکلا ہوا ہو جب تک وہ تم میں قرآن کے مطابق حکومت کرتا رہے۔

۹۔ انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ الخ (بخاری)	عنقریب تم لوگ بھی امیر و حاکم بننے کی حرص کرنے لگو گے مگر وہ امارت قیامت میں ندامت ہی بنے گی یہ امارت

ملتے وقت تو گویا شیر مادر کی طرح مرغوب اور لذیذ ہوتی ہے مگر چھوٹتے وقت دودھ چھوٹنے کے برابر ناگوار اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔

غرض اس سلسلہ کی احادیث بہ کثرت ہیں ان کے نقل و ذکر میں طوالت و ملالت کا خوف تھا اس لئے زیادہ نقل نہیں کی گئیں۔ اصل یہ ہے کہ اسلام میں اجتماعیت۔ وصل۔ اتحاد۔ اتفاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ نماز باجماعت جمعہ عید۔ نکاح وغیرہ اسی لئے محمود و مطلوب ہیں۔ اور جن چیزوں سے اختلاف فصل۔ انتشار۔ تفریق ہو۔ ایسی تمام چیزوں کو اسلام میں بہت ناپسند کیا گیا اور ان میں سے حدیث نمبر ۶ اور نمبر ۹ خاص طور پر اس کی اہمیت ظاہر کرتی ہیں۔

بہرحال سیدنا حسین رضؓ کے اقدام کی نوعیت اگر بالفرض اس قسم کی قرار دی جائے گی تو پھر سیدنا حسین رضؓ ان احادیث کی رو سے باغی۔ واجب القتل اور مباح الدم قرار پاتے ہیں۔ حدیث نمبر ۶ میں کائناً من کان کی تعمیم سے یہی مراد ہے

خواہ وہ کیسا ہی مقدس عالی نسب اور ملکوتی صفات کا مالک ہوئیے بھی ضرور قتل کردو۔ اس تعمیم کے بعد کسی کی پیمبرزادگی اس کے اس جُرم کی شافع نہیں بن سکتی۔ سیدنا حسینؓ ہی کے ہم عصر دوسرے اکابر صحابہ بھی مدینہ میں تھے مثل ابن عمر و ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم وہ بھی سیدنا حسین سے حمیت دین میں کسی طرح کم نہیں تھے وہ لوگ اسی لئے نہیں اُٹھے کہ (الف) یزید کا کفر۔ یا کتاب اللہ کے خلاف حکم دینا یا علانیہ فاسق ہونا وغیرہ ثابت نہیں (ب) اس کی بعیت ان صحابہ نے امیر معاویہ ہی کے ہاتھ پر کرلی تھی (ج) کسی نے یزید سے اختلاف کی کوئی دینی بنیاد نہیں بیان کی (د) ان کے دلوں میں خود امارت کی خواہش نہ تھی (ہ) حضورؐ نے اُس شخص کو حاکم بنانے سے منع فرمایا ہے جو خود طلبِ حکومت کرے (و) یزید کا مقابلہ کرنے سے اُمت میں اختلاف و شورش پیدا ہوتی انتشار و افتراق پیدا ہوتا جو اللہ کو اور اس کے رسول کو سخت ناپسند ہے (ز) حاکم مفضول کو افضل سے تبدیل کرنے کے لئے حضورؐ نے دعا کا حکم فرمایا۔ محض اتنے کے لئے خروج کرنا اپنے کو تہلکہ میں ڈالنا ہے جو حکم قرآنی لاتلقوا بایدیکم الی التہلکہ کی رو سے منع ہے۔

اب دوسری صورت لیجئے :۔

(ب) آپ خدا کی طرف سے خلیفہ مقرر تھے۔ یہ نظریہ اس قابل تو نہ تھا کہ اس پر کچھ لکھا جائے لیکن تصنیفی اور تحقیقی دیانت کا اقتضا ہے کہ اس پر بھی کچھ کلام کیا جائے خواہ مختصراً اور تردیداً ہی کیوں نہ ہو۔

خدا کی طرف سے تقرر کا ثبوت آخر کیا ہے؟ عقلاً دو ہی طرح کے ثبوت ہوسکتے

ہیں عقلی یا نقلی اور دین کے کاموں میں نقلی ثبوت اور وہ بھی نقل صریح ہی مفید مطلب ہوسکتی ہے۔ حال یہ ہے کہ یہ دونوں ہی ثبوت اس معاملہ میں مفقود ہیں ومن انکر فعلیہ البیّنۃ۔ اس کے علاوہ اس میں ذیل کی چند قباحتیں بھی ہیں:۔

۱۔ خدا کی طرف سے مقرر ہونا ایک غیبی امر ہے۔ عوام کو اس کی اطلاع یا تو قرآن سے ہوسکتی ہے یا حدیث سے۔ قرآن میں ہم کو یہ ملتا ہے کہ خدا کی طرف سے صرف نبی و رسول مقرر ہوا کرتا ہے۔ آیت "اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" میں اسی کا ذکر ہے۔ حدیث میں اگر نبی و رسول کے علاوہ کسی کا تقرر ملتا ہے تو صرف ابوبکرؓ کے بارہ میں یہ ملتا ہے "ویابی اللّٰہ والمومنون"۔ "ویابی اللّٰہ والمومنون الا ابابکر" (او کما قال)

۲۔ اس کے بعد سیدنا حسینؓ کو مامور من اللّٰہ۔ معصوم مفترض الطاعۃ ماننا پڑے گا جس کے لئے ختم نبوت کا انکار لازم ہے۔ اور ماننا پڑیگا کہ حضورؐ کے بعد بھی نعوذ باللّٰہ نبی آئے۔ اور یہ سب کفر ہے۔ اس کا ماننے والا اسلام سے خارج ہے۔

۳۔ خدا نے حسینؓ کو نبی تو نعوذ باللّٰہ بنا دیا مگر نصرت ذرا بھی نہ فرمائی کہ یزید کے مقابلہ میں ان کو شکست اُٹھانی پڑی۔

۴۔ جب آپ مامور من اللّٰہ تھے اور حکومت فاسقہ کو اُلٹنا فرض عین تھا تو جب کوفیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑا تو آپ نے بھی اُس خدائی فرض عین کا جوا اپنے کاندھے سے کیوں اُتار پھینکا؟ اور ہر جگہ اپنی

بازادگی کا واسطہ دے کر طلبِ رحم کی درخواست کیوں کرتے تھے؟ اور فرض عین سے دست بردار ہونے کا وعدہ اور ارادہ کیوں فرماتے رہے پس معلوم ہوا کہ اس صورت کا فرض کرنا اپنے مسلوب الایمان والعقل والدیانتہ ہونے کا اعلان کرنا ہے۔

(ج) یعنی سیدنا حسینؓ کو حالات نے مجبور کر دیا:۔ یہی خیال معتدل مانا گیا ہے یعنی صورتِ حالات مختصراً یہ پیش آئی کہ:۔

۱۔ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنایا یہ طریقۂ انتخاب کم سے کم سیدنا حسینؓ کے لئے ناقابل قبول تھا ان کے نزدیک یزید کی یہ خلافت خلاف اولیٰ اور غلط تھی۔

۲۔ یزید کی بیعت ابھی تک سیدنا حسینؓ نے تسلیم اور قبول نہیں کی تھی اس لئے ان کے نزدیک اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں تھی (امیر معاویہؓ نے بھی حضرت علی کے خلاف ایسا ہی اجتہاد کیا تھا)۔

۳۔ چونکہ یزید کی بیعت عراق کے بہت سے لوگوں نے نہیں کی تھی یا کی تھی مگر اسے توڑ چکے تھے اس لئے اس وقت تک ان کے نزدیک وہ صورت اجتماعیت اور اتحادِ اُمت کی پیدا نہیں ہونے پائی تھی جس میں حضورؐ نے حاکمِ وقت کے خلاف اُٹھنے یا اُمت میں تفریق ڈالنے کی ممانعت کی تھی (ایسا ہی اجتہاد حضرات معاویہ۔ طلحہ۔ زبیر و ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؓ کے خلاف کیا تھا)

۴۔ چونکہ بغیر قوت کے ایسا اقدام کرنا عقلاً اور نقلاً خودکشی کے مرادف ہے اس لئے آپ نے سوچا کہ اگر مجھے قوت حاصل ہو جائے تو میں اس غلط خلافت کے مقابل خروج کروں ورنہ نہیں۔

۵۔ ان ترتیب وار خیالات کے بعد آپ مکہ پہونچے۔ کوفیوں کے خطوط کا تانتا بندھ گیا اور قوت ملنے کی ایک صورت آپ سے آپ نکل آئی۔

۶۔ بدمعاش سبائیوں نے سیدنا حسینؓ کو بھی تول لیا تھا اس لئے خطوط میں ایسی باتیں لکھیں جو سیدنا حسینؓ کے خیال کے بالکل مطابق تھیں۔ مثلاً بنو اُمیہ آپ کے دشمن ہیں۔ آپ کے دشمن امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ خلیفہ سے لے کر حاکموں تک سب[1] فاسق و بدکار ہیں۔ آپ آئیے تو ہم آپ کی بیعت کر کے والیٔ کوفہ کو ملک سے نکال دیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان حالات میں آپ ان کے فریب میں آگئے اور یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے اُٹھے۔ کوفی اگر دھوکہ نہ دیتے تو بہت ممکن تھا کہ آپ کی سعی مشکور ہو جاتی اور آپ کو بھی حضرت امام عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی طرح خلیفہ ہونے کا موقع مل جاتا۔ مگر کوفی ساتھ چھوڑ گئے تو آپ نے بھی حاکم وقت کے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا کیونکہ وہ تو مشروط تھا حصول قوت کے ساتھ۔ اور اس میں کوئی شرعی

---

[1] یہ فریب ان کا قدیمی ہے سیدنا عثمانؓ کے خلاف بھی ایک شہر سے دوسرے شہر کو اسی مضمون کے خطوط بھیجتے تھے ۱۲

قباحت بھی نہیں تھی ۔ اس لئے کہ آپ نے یزید کے مقابلہ کرنے کو ایک لمحہ کے لئے بھی فرض عین نہیں جانا تھا۔ اور دیگر صحابہ کا موقف بھی یہی تھا۔ غرض آپ نے تو مقابلہ سے علٰحدگی کا خیال ترک فرما دیا تھا مگر اس میں ابن زیاد اور شمر کی متفقہ شرارت نے ان کو اس پر مجبور کرنا چاہا کہ وہ ابن زیاد ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ آپ نے اس ذلت کو گوارا نہ کیا اور شمر و ابن زیاد کے ظلم سے مجبور ہو کر مظلومیت کی شہادت پسند کرلی ۔ انا للہ ۔ و رضی اللہ عنہ؁

اب ہم اپنی رائے لکھتے ہیں:

ہماری رائے کا خلاصہ تو یہی آخری صورت مذکورہ ہے مگر ذیل کے چند جزوی اضافات و اختلافات کے ساتھ :۔

۱۔ سیدنا حسین رض کے دل میں حصول خلافت کی نیت تھی اور ضرور تھی اور عرصہ سے تھی اور موروثی تھی ۔ اس کا سرے سے انکار کر دینا دماغ پر پھپھوندی جما نا ہے اس کے اظہار میں کسی طرح کا سوء ادب بھی نہیں ۔ جب حضرت سعد رض ابن عبادہ جیسے کبار صحابہ کے بارہ میں امام ابن تیمیہ رح جیسے محقق لکھتے اور لکھ سکتے ہیں کہ "......فان الامامة[1] امر معین فقد یتخلف الرجل لھویً لا یعلم کتخلف سعد

---

[1] ترجمہ یہ ہے :۔ کیونکہ امامت و خلافت ایک مقرر و متنقل معاملہ ہے کبھی کوئی شخص کسی مبہم خواہش کی بنا پر (اُس مقرر شدہ امیر سے) تخلف کرتا اور شرکت نہیں کرتا جیسے حضرت سعد کا تخلف (بیعت ابو بکر سے) کیونکہ وہ تو سوچے بیٹھے تھے کہ انصار مدینہ کی طرف سے امیران کو منتخب کیا جائے گا اور وہ امارت ان کو مل نہ سکی اس لئے حصولِ امارت کی بقیہ خواہش ان کے دل میں رہ گئی (انتہیٰ) ۔

(اے ابن عبادۃ عن بیعۃ ابی بکر) فانہ کان قد استشرف الی ان یکون ھو امیراً من جھۃ الانصار فلم یحصل لہ ذالک فبقی فی نفسہ بقیۃ ہوئی ۱۲ انتہیٰ (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۲۳۱)

تو یقیناً سیدنا حسین رض صغار صحابہ کے لئے بھی فبقی فی نفسہ بقیۃ ہوی (حصول امارت کی بقیۃ خواہش ان کے دل میں رہ گئی تھی) کا ریمارک کیا جا سکتا ہے اس میں مطلق سوء ادب نہیں۔

۲۔ سیدنا حسین رض کے خاندان میں تین چار پشت سے تولیت کعبہ کا کام چلا آرہا تھا۔ آپ بھی طبعی طور پر تولیت کعبہ کے قسم کا کام کر سکتے تھے امارت اور حکومت اُن کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس میں بھی ان کی مطلق اہانت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی خلافت دینے میں ملائکہ کے تقدس کا نہ خیال کیا نظام حکومت کے لئے کچھ وہی مفسد اور سفاک اور ظلوم وجہول ہی موزوں تھا۔

۳۔ میری قطعی رائے ہے کہ سیدنا حسین رض کی شہادت تو شمر اور صرف شمر خارجی کی شرارت آمیز درہ اندازی کے باعث ہوئی اور مشیت خداوندی سیدنا حسین رض کو کشاں کشاں ایک مقدر فیصلہ کی طرف لے جا رہی تھی لیکن اس مشیت حق کا ظاہری سبب خود سیدنا حسین رض کا اپنے بارہ میں غلط اعتماد۔ اپنی رائے پر اصرار۔ مخلصوں کا مشورہ نہ ماننا۔ ایک رائے پر قائم نہ رہنا۔ سیدنا علی رض کی طرح کسی بڑے سے بڑے کو بھی خاطر میں نہ لانا۔ کوفیوں پر (باوجود سیدنا علی رض و حسن رض کے

تجربات کے) اعتماد کر لینا[6] ۔ حج پر سفر کوفہ[7] کو اور حصولِ خلافت کی سعی کو ترجیح دینا[8] ۔ عام مسلمانوں پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کرنا ۔ اپنے پیمبر زادگی[9] کا شدید احساس ۔ حصولِ خلافت[10] اور اصلاحِ اُمّت کا جذبہ بے پروا وغیرہ اُمور تھے (تلک عشرۃ کاملہ) ۔

غرض اس فصل کا خلاصہ یہ ہے کہ **شہادت حسینؓ تاریخ کی نگاہ میں** ۔ یہ مقام رکھتی ہے کہ خانوادۂ نبوی کے ایک فرد نے حکومتِ وقت کے خلاف اُٹھنا چاہا ۔ جن لوگوں کے بھروسہ پر انھوں نے اس اقدام کی ہمت کر ڈالی تھی ان لوگوں نے عین وقت پر آپ کو دھوکا دیدیا اور آپ بیکس و بے بس مظلوم شہید ہو گئے ۔

قانون دنیوی کی نگاہ میں ۔ اس کا درجہ یہ ہے کہ جو حکومت (اموی) بیس[20] برس سے جمی ہوئی عدل و انصاف رحم و سخاوت کے ساتھ چلی آرہی تھی اس کے بادشاہ کے مرنے پر بیٹا تخت نشین ہوا ۔ دو اشخاص سے حکومت کو پہلے ہی سے خطرہ تھا ان میں سے حضرت حسینؓ نے نئے بادشاہ کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ بجائے اس کے کہ سیدنا حسینؓ خود نئے بادشاہ سے مل کر اپنی شکایات بیان کرتے کوفہ کے مشہور سازشی اور باغی سیاسی پارٹی سے جا ملے ۔ بادشاہ نے گورنر کو حکم بھیجا کہ ان پر سخت نگرانی رکھی جائے اور جس طرح بنے ان سے جلد سے جلد وفاداری کا حلف لیا جائے ۔ ایک سخت گیر افسر نے ان کو حکومت کا باغی دیکھ کر اپنی رائے سے ان کو قتل کرا دیا بلکہ اس صورت میں تو اگر خود بادشاہ وقت علی الاعلان ان کے قتل

کا حکم بھی دیدیتا تو بھی خلاف قانون نہ ہوتا۔

شریعت کی نگاہ میں ۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ سے چند اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں :-

۱۔ یہ کہ یزید کی بیعت ابھی تام نہیں ہوئی اس لئے اس کے خلاف کوشش کرنا منع نہیں ہے ۔ یہ اجتہاد غلط تھا۔ امیر معاویہ ایک بار یزید کی بیعت اپنے سامنے سب سے لے چکے تھے یزید دوبارہ یہ بیعت لے رہا تھا اس لئے اس کی بیعت تام تھی ۔

۲۔ یہ کہ یزید سماع سُنتا ہے ۔ بیوی لونڈی کے پاس ہر وقت گھسا رہتا ہے ۔ شعر و شاعری میں وقت گزارتا ہے ۔ سیر و شکار میں مصروف رہتا ہے یہ سب افعال ایسے ہیں کہ اس کی مخالفت شرعاً درست ہے۔ یہ اجتہاد بھی غلط تھا سوا ابن زبیر کے اور سیکڑوں صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اس کے خلاف خروج کے لئے اسے بنیاد نہیں بنایا۔ جن صحابہ ابن عمرؓ ۔ ابن عباسؓ نے سیدنا حسینؓ کو کربلا جانے سے منع کیا تھا اُنھوں نے بھی ساتھ جانا نہ چاہا ۔ اور اسی وجہ سے سیدنا حسینؓ کی شہادت پر بھی کسی صحابی نے ایک آواز بھی حکومت کے خلاف نہیں اُٹھائی بلکہ حسب حکم حدیث دعائے اصلاح کرتے رہے۔

۳۔ یہ کہ کوفہ کے لوگ قابل اعتماد ہیں یہ اجتہاد بھی غلط تھا ۔

۴۔ یہ کہ شہادت مسلم کے بعد آپ نے ارادہ کیا کہ میں یزید سے ملوں اس سے گفتگو کے بعد میں سمجھا بجھا کر اسے خلافت سے دست بردار کرا کے

خلافت راشدہ کا دور واپس لاؤں گا۔ یہ اجتہاد بھی غلط تھا۔ ملوکیت کا دور آچکنے کے بعد سیدنا حسینؓ بھی بادشاہ ہوتے تو حکومت کو خاندانی ہی بناتے اور کسی دوسرے منازع کے حق میں حکومت سے دست بردار نہ ہوتے۔ سیدنا علیؓ بھی دست بردار نہیں ہوئے تھے۔

عامیانہ جذبات۔ اندھی عقیدت کی نگاہ میں البتہ اس کی تعبیر ان کھوکھلے بلند بانگ الفاظ سے[1] کی جاتی ہے کہ:-

فلک امامت، زمیں بوس ہو گیا خانوادۂ نبوی کا آفتاب ہدایت روپوش ہو گیا۔ اس سانحہ پر آسمان خون رویا۔ آسمان پر شفق اُسی دن سے نکلنے لگی جو زبانِ حال سے اعلان کر رہی ہے کہ خونِ شہیداں رنگ لائے گا۔ سیدنا حسینؓ نے اللہ کے راستہ میں جان دی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ؎ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

فصل ۵

چند استفتے

چونکہ سیدنا حسینؓ رضی اللہ عنہ، کے نام کے ساتھ ابن رسول اللہ۔ نواسۂ رسول اہلبیت رسول۔ سردارانِ جنت۔ نور دیدہ سیدہ فاطمہؓ۔ فرزند حیدر کرار وغیرہ کے وزنی مگر وانعی القاب لگے رہتے ہیں اس لئے ان کے حالات سُن کر ایک مسلمان

---

[1] اس میں سے بعض الفاظ سیر الصحابہ ج ۶ کے ہیں۔

آزادی سے صحیح رائے نہیں قائم کر پاتا۔ ساڑھے ننانوے فیصدی انسانوں کی قوت فیصلہ
پر مذکورہ بالا القاب وخصوصیات کا اس قدر دباؤ اور بوجھ پڑتا ہے کہ وہ بجائے
عقل و انصاف اور شریعت وقانون کی راہ پر چلنے کے جذبات اور عقیدتمندی۔
محبت اور مسامحت۔ رواداری اور چشم پوشی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اکثر تو
ایسا ہوتا ہے کہ انسان کچھ دیر اور کچھ دور تک تو صحیح حالات سُن کر صحیح رائے قائم
کرنے لگتا ہے اور اُمید ہوتی ہے کہ شاید یہ صحیح فیصلہ کر سکے گا کہ قریب ختم جیسے
اُسے ناگاہ کچھ یاد سا آجاتا ہے۔ یا اس کی خوش عقیدگی اور جذباتیت اس کے ضمیر
کو شرم دلانے لگتی ہو یا روافض کی تقلید چھوٹ جانے کا غم اُسے ستانے لگتا ہو۔
یا عوام کی ناخوشی اور بدنامی کا فرضی ہوّا اسے ڈرانے لگتا ہو بس وہ یکایک بہک کر
کچھ کا کچھ کہنے لگ جاتا ہے جس طرح ایک طفلِ مکتب تَبَّتْ کے ہجے یوں تو یوں
ٹھیک ٹھیک کہتا تھا کہ ت ب زبر تب اور ب ت زبر بت مگر جب روانی
پڑھتا تھا تو بجائے تَبَّتْ کے ہمیشہ لطخ ہی کہتا تھا حالانکہ جن حروف کے ملانے
کے نتیجہ میں لطخ بنتا ہے وہ یہاں سرے سے موجود نہیں اسی طرح اُن خوش عقیدہ
لوگوں کے نکالے ہوئے نتائج کے لئے جن احوال کی ضرورت تھی وہ واقعات حسینؓ
میں سرے سے نہیں۔ گویا دل کو سمجھا رکھا ہے کہ نہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ
کے لئے قانون عقل، قانون انصاف، قانون فطرت، قانون شرع سب بدل جانے
چاہئیں۔ احوال کچھ مگر عقیدت کچھ اسباب وہ مگر نتائج یہ۔ اسباب آم مگر نتیجہ
یقیناً املی۔ حد ہو گئی کہ ایک ہی حالات کے دو افراد کے متعلق فیصلہ کبھی جدا جدا۔
کیوں؟ محض اس لئے کہ اُس دوسرے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہونے

جوانانِ جنت کے سردار ہونے وغیرہ کا شرف حاصل نہیں۔ مثال کے لئے ایک مصنف کی دو تحریریں ملاحظہ ہوں (نوٹ) اتنی بات تو غالباً سب کو تسلیم ہے کہ یزید کی بیعت سے سیدنا حسینؓ اور سیدنا ابن زبیر دونوں کو انکار تھا اور دونوں نے ایک ہی خطوطِ خیال پر (گو الگ الگ مقام پر اور کچھ آگے پیچھے) ایک ہی قسم کا اقدام کیا تھا۔

وہ مصنف امام ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"...... اس غلطی سے بنی اُمیہ کو قدم جمانے کا موقع مل گیا اگر عبداللہ بن زبیر انہیں مدینہ میں رہنے دیتے تو پھر خاندانِ بنی اُمیہ میں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا...... مگر ان کی قسمت میں تو بے دردی کے ساتھ حرم میں ذبح ہونا مقدر ہو چکا تھا اس لئے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے اسباب مہیا کر دئے۔"

(سیر الصحابہ ج ۶ ص ۲۶۵)

عبارت بالا میں خطِ کشیدہ الفاظ کا پورا لحاظ رکھئے اب دیکھئے سیدنا حسینؓ کے بارے میں لکھتے ہیں اس موقع پر کہ مکہ سے روانگی کے وقت حضرت ابن عباسؓ آپ کو روک رہے ہیں:۔

"...... یہ سُن کر حضرت حسینؓ نے فرمایا مجھ کو یقین ہے کہ آپ میرے شفیق ناصح ہیں لیکن اب تو میں ارادہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباس جب بالکل مایوس ہو چکے تو فرمایا اچھا اگر جانے ہی ہو تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ مجھ کو خطرہ ہے کہ تم بھی عثمانؓ کی طرح اپنے بچوں اور عورتوں کے سامنے نہ

قتل کر دیئے جاؤ اور وہ غریب دیکھتے ہی رہ جائیں لیکن کارکنان قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔"

(سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۷ طبع دوم)

دیکھئے سیدنا حسینؓ کے لئے وہ الفاظ کہ "غلطی اور خود اپنے ہاتھوں اپنے ذبح ہونے کے اسباب مہیا کر دئے" نہیں لکھ سکے۔

پھر امام ابن زبیرؓ کی شہادت اور ماتم کے بیانات ص ۲۸۶ پر صرف چار سطروں میں [یا مولانا شبلی کی نظم اور حضرت اسماء اور حجاج کا مکالمہ ملا کر تین صفحات میں] لکھا ہے اور سیدنا حسینؓ کی شہادت اور ماتم میں دس صفحات بہترین اور ادبیانہ تحریر اور پورے ملکۂ انشاء پردازی کے نمائش کے ساتھ لکھ ڈالے ہیں۔

یہاں بے اختیار جی چاہتا ہے کہ مصنف سیر الصحابہ نے شہادت حسینؓ کا ذکر جس نگارش بدیع اور ادب جمیل کے ساتھ کیا ہے اُس کا نمونہ ناظرین کو دکھلا دوں اس چیلنج کے ساتھ کہ ناظرین اس تحریر کا جس رافضی ادیب کی تحریر سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں انشاء اللہ یہ تحریر اُن اجارہ دارانِ ماتم حسینؓ اور مدعیانِ فصاحت و بلاغت کی تحریر سے ہر لحاظ سے کچھ بڑھ کر ہی ثابت ہوگی۔ لکھتے ہیں:-

"..... عین اس حالت میں سنان بن سنان نے کھینچ کر ایسا کاری نیزہ مارا کہ فلک امامت، زمیں بوس ہو گیا۔ سنگ دل اور شقی ازلی خولی بن یزید سر کاٹنے کے لئے بڑھا لیکن ہاتھ کانپ

گئے۔ نفرا کے پیچھے ہٹ گیا اور سنان بن انس نے اُس سر کو جو بوسہ گاہِ سرورِ کائنات تھا۔ جسم اطہر سے جدا کر لیا۔ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں خانوادۂ نبوی کا آفتاب ہدایت ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ اس شقاوت اور سنگ دلی پر زمین کانپ اُٹھی۔ عرش الٰہی تھرا گیا۔ ہوا خاموش ہو گئی۔ پانی کی روانی رُک گئی آسمان خون رویا۔ زمین سے خون کے چشمے پھوٹے، شجر و حجر سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جن و انس نے سینہ کوبی کی۔ ملائکۂ آسمانی میں صفِ ماتم بچھی کہ آج ریاضِ نبوی کا گلِ سرسبد مرجھا گیا۔ علی کا چمن اُجڑ گیا اور فاطمہ کا گھر بے چراغ ہو گیا۔" (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۲۲۲ طبع دوم)

عبارت بالا میں سنان اور نیزے کا ایہام تناسب، فلک اور زمین کا تضاد، دل اور سر کا تلازمہ، بڑھا اور ہٹ گیا کا تضاد۔ کانپ گئے اور تھرا گئے کا تناسب، سنگ کی رعایت سے زمین لانے کی داد نہ دینا ظلم ہے مگر کیا فلک امامت خانوادہ نبوی کا آفتاب کے خود ساختہ مگر شاید بے معنے الفاظ، فاضل مصنف امام ابن زبیر کے لئے بھی لکھ سکتے تھے؟ حالانکہ سات برس تک امامتِ مسلمین پر فائز رہنے کے باعث امام ابن زبیر زیادہ مستحق تھے کہ ان کو امام ہمام ناموسِ اکبر" فلکِ امامت" کے الفاظ سے یاد کیا جاتا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی ذکر تھا بہر حال چونکہ کئی صدیوں سے عموماً سیدنا حسین رضؓ کے متعلق معصوم ہونے، انسانوں سے بالا تر ہونے کے خیال کا اظہار

برابر کیا جاتا رہا ہے اس لئے ان کے بارہ میں آزادی سے صحیح رائے نہیں دی جا سکتی
اس سے میرے نزدیک صحیح صورت یہ ہے کہ حالات تو زیادہ صحیح اور متفق علیہ ہی
درس کیجئے مگر ان کو اشخاص زمان و مکان کی تعیین کے بغیر لکھئے۔ پھر اُن حالات
کو کسی مسلم یا غیر مسلم کے سامنے رکھ دیجئے اور پھر رائے پوچھئے اس وقت انشاء اللہ
آپ کو صحیح رائے معلوم ہو جائے گی۔ یہی خیال کر کے میں اس فصل میں واقعات کربلا
کے حالات کو اور بعض دیگر حالات کو استفتا کی شکل میں صحیح اشخاص و زمان و مکان
کی تعین کے بغیر لکھتا ہوں۔

پہلا استفتا

حالات - ایک بادشاہ نے عام اعلان کیا کہ میرے بعد میرا بیٹا بادشاہ ہوگا۔ چند دینداروں نے ایک بار یہ اعتراض کیا کہ ہمیں آپ کے اس فعل میں دو خرابیاں نظر آتی ہیں۔ بادشاہ خود بھی دیندار تھا اس نے ان اعتراضات کو بغور سُنا مگر کوئی اعتراض خلافِ شریعت ہونے کا نہیں تھا اس کے علاوہ بیٹے میں شاہی کی اہلیت موجود پائی اس لئے اُنھوں نے اپنی رائے نہیں بدلی نیز اُن چند مخالفین کے علاوہ بہت سے اور دینداروں نے بادشاہ کے بیٹے کی بادشاہی تسلیم بھی کر لی یہ دیکھ کر اُن مخالفین میں سے تین دینداروں نے بھی بیٹے کی بادشاہی تسلیم کر لی بعض لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اُن بقیہ دو نے بھی بیٹے کی بادشاہی تسلیم کر لی تھی۔ لیکن بادشاہ بزرگ کے مرنے پر اُن دو دینداروں نے بیٹے کی بادشاہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور

الگ الگ شہروں میں فوج جمع کرنے لگے تاکہ نئے بادشاہ کا مقابلہ کرکے اُسے تخت سے اُتار دیں۔ بادشاہ سے مقابلہ دونوں نے کیا اور دونوں قتل ہوگئے۔

سوال۔ اب کیا فرماتے ہیں علمار دین اور عقلار دنیا صورت مذکورہ میں حسبِ ذیل اُمور کے متعلق کہ :-

۱۔ شاہ بزرگ کا یہ فعل (اپنے بعد اپنے اہل بیٹے کو بادشاہی کے لئے نامزد کرنا) درست اور جائز تھا یا نہیں ؟

۲۔ جن دو دینداروں نے (خواہ تسلیم کرچکے ہوں یا نہ تسلیم کرچکے ہوں) نئے بادشاہ کی بادشاہی نہ تسلیم کی یہ کیسا تھا ؟

۳۔ ان دونوں کے قتل کی اصل ذمہ داری کس کے سر ہے ؟ بینوا توجروا

دوسرا استفتا

حالات ۔ ایک شہر کے باشندوں نے علی کو دعوت دی کہ آپ ہمارے شہر میں آئے تو ہم بادشاہِ وقت کے خلاف اُٹھ کر اُسے تخت سے اُتار دیں اور آپکو تخت پر بٹھائیں۔ ہم آپکی بادشاہت پسند کرتے ہیں چھ سات آدمیوں نے علی کو منع کیا کہ آپ ان لائونی لوگوں کے کہنے میں نہ آئیے وہ بڑے دغاباز ہیں آپکے ساتھ بھی دھوکا کریں گے کیونکہ انھیں لوگوں نے آپکے والد کو بھی زندگی بھر پریشان رکھا۔ اور بالآخر قتل بھی کردیا پھر آپکے بڑے بھائی کو بھی پریشان کیا اسی طرح آپکو بھی پریشان کرینگے مگر علی نہ مانے اور روانہ ہوگئے۔ مگر جب ان کے ایک آدمی کو وہاں کے بادشاہ نے قتل کرادیا تب علی کی سمجھ میں بات آئی اور اُنھوں نے واپسی کا ارادہ کیا؟

سوال ۔ اب کیا فرماتے ہیں علمار دین و عقلار دنیا کہ کہ (۱) علی کا ان مفسدوں کے کہنے میں آجانا خصوصاً اُس حالت میں کہ ان لوگوں ہی نے ان کے والد اور بڑے بھائی کو بہت پریشان کیا اور بالآخر قتل کر دیا۔ اور ہمدردوں کا مشورہ نہ ماننا اور حکومتِ وقت کے مقابلہ کے لئے نکلنا کیسا تھا ؟ (۲) حکومتِ وقت کو علی کے

ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا؟

تیسرا استفتا

حالات۔ ایک بادشاہ بہت مفسد تھا ایک بزرگ بایزید نامی نے اس ارادہ سے کہ قوت حاصل کر کے مفسد بادشاہ کو تخت سے اتار دیں اور معالم دین کو زندہ کریں کیونکہ اس مفسد بادشاہ نے خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رکھا تھا۔ اس نے شیطان کی اطاعت کی تھی اور رحمان کی طاعت چھوڑ دی تھی حدود دین کو معطل کر رکھا تھا۔ غنیمت اور فے بے جا تصرف کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس مفسد بادشاہ کے خلاف قوت حاصل کرنے کے لئے ایک شہر کا رخ کیا۔ مفسد بادشاہ کو اطلاع مل گئی اس نے پہلے کئی فوجی دستے بھیج کر بایزید کو اشارۃً متنبہ کرنا اور اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا مگر بایزید نے نہ مانا۔ اس سے قبل بایزید کے خیر خواہوں نے بھی ان کو مفسد بادشاہ کے خلاف اٹھنے سے منع کیا تھا مگر بایزید نے نہ مانا۔ اور کہا کہ چاہے اس میں میری جان چلی جائے میں اسے کر کے رہوں گا اور میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے انھوں نے مجھے ایک کام کر گزرنے کا حکم دیا ہے اس کے بعد مفسد بادشاہ کے ایک گورنر نے جب بایزید کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تب بایزید اپنے ارادہ سے باز آئے اور وہاں سے لوٹنے کا یا مفسد بادشاہ کی اطاعت کرنے کا ارادہ کر لیا۔

سوال۔ اب کیا فرماتے ہیں علماء دین اور عقلاء دنیا اس بارہ میں کہ:۔

بایزید نے معالم دین کے مٹنے کے وقت اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی نیت کرنے کے بعد جو ایک ساتھی کے قتل پر فوراً نیت بدل دی اور واپس آنے کا ارادہ کیا یا مفسد بادشاہ سے جو مذکورہ بالا جرائم میں مبتلا تھا باوجود اس کے بھی بایزید نے اس مفسد سے مل جانے اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو بایزید کا یہ فعل شرع اور عقل کی رو سے جائز تھا یا نہیں؟

بینوا توجروا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ اھل بیتہ امھات المومنین وعلیٰ اصحابہ وذریاتہ اجمعین ۝

تمت